تزک امیری

پہلا باب

ابتدائی زمانہ

۱۸۵۳ء سے ۱۸۶۴ء تک

سنہ ہجری میں جب میری عمر بارہ سال کی تھی (غالباً امیر ۱۸۴۴ء میں پیدا ہوئے تھے) میرے والد نے کابل سے بلخ جانے کے لئے مجھے بلایا۔ اس وقت میرے والد بلخ اور اُس علاقہ جات کے حاکم اور وزیر تھے جب میں بلخ پہنچا تو میں نے دیکھا وہ شبرغان کا محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ دو مہینے تک میں بلخ میں رہا اس عرصہ میں شبرغان فتح ہو چکا تھا جب میرے والد بلخ میں تشریف لائے ہیں میں نے دشت امام پر جا کے اُن کا استقبال کیا۔ والد ماجد کو دیکھ کے میری آنکھوں میں سرور پیدا ہو گیا آپ نے دو زانو ہو کے خدا کے عرش و کرسی کے حضور میری سلامتی کی دعا مانگی۔ ہم دونوں بلخ واپس چلے آئے یہاں والد نے حکم دیا کہ میں پڑھنا شروع کر دوں۔ مجھے پڑھنے لکھنے سے ذاتی نفرت تھی شکاری سواری کا از حد شایق تھا۔ جو سبق میں آج پڑھتا تھا کل بھول جاتا تھا لیکن مجھ پر یہ جبر تھا کہ میں پڑھا کروں اور کوئی صورت اس سے نجات کی نہ مل سکتی تھی۔ میرے معلم نے میرے پڑھانے پر جان کھپا دی لیکن حسب مراد کامیابی نہیں ہوئی تھی سال کے آغاز میں والد بزرگوار نے ایک جدید مدرسہ میری تعلیم کے لئے تعمیر کرایا اور اس کے ساتھ ایک باغ بھی لگایا گیا تھا۔ یہ مدرسہ حوالی بلخ واقع مقام تختہ پول میں تعمیر ہوا تھا۔ یہاں مدرسہ بننے کی وجہ یہ تھی کہ بلخ کی صحت اچھی نہیں تھی دوسرے میرے والد ہمیشہ علی مرتضیٰ کے مزار شریف کی زیارت کے شایق تھے اور یہ مزار شریف تختہ پول کے بہت ہی قریب تھا اس لئے بآسانی زیارت سے مشرف ہو سکتے تھے

میرے والد نے یہاں حرم سرائیں۔ دربار چھاؤنیاں اور کارخانے بنائے ساتھ ہی کئی باغات بھی لگائے
گئے اس طرح سے تین سال کے عرصہ میں ایک خوبصورت شہر بن بنا کے تیار ہو گیا۔

چوتھے سال کے موسم بہار میں میرے والد اپنے پدر بزرگوار دوست محمد خان کا شرف ملازمت حاصل
کرنے کے لئے کابل تشریف لے گئے اور مجھے اپنی جگہ بلخ کا وائسرائے بنا دیا۔ میری پابندی اوقات ان
چھ مہینے کے عرصہ میں یہ تھی۔ آٹھ بجے صبح سے پہلے تو میں اپنی تعلیم سے فارغ ہو جاتا تھا اور آٹھ بجے
سے دو بجے دوپہر تک دربار کرتا رہتا تھا۔ دربار برخواست کرنے کے بعد سو جاتا تھا اور سہ پہر کو ہوا خوری
کرنے چلا جاتا تھا۔ آغاز سرما میں میرے والد نے کابل سے مجھے لکھا کہ میرے پدر بزرگوار دوست محمد خان
نے مجھے تاشقرغان کی گورنری پر نامزد فرمایا ہے تو فوراً ایک ہزار سوار دو ہزار پلٹن اور چھ توپیں لیکے مقام
مذکور پر روانہ ہو جاؤ۔ حکم پہنچتے ہی میں تاشقرغان روانہ ہوا جب میں وہاں پہنچا تو سردار محمد امین خاں برادر
وزیر محمد اکبر خاں گورنری کا چارج دے کے روانہ کابل ہو گیا۔ میرے والد نے میرے لئے ایک مددگار کا
تقرر فرمایا اس کا نام حیدر خاں تھا یہ شخص ہمارا دشمن خمیر اور معتمد قزلباش تھا جس کے پاس ایک جھنڈا ایک
جنگی پلٹن اور دو سو سوار رہتے تھے۔ اس کا باپ محمد خاں بڑا قابل شخص تھا اور کابل میں اس کے بہت
پیرو تھے۔ اس وقت میری پابندی اوقات کی یہ صورت تھی۔ صبح سے نو بجے تک تعلیم۔ نو سے دو بجے تک
دربار میں مقدمات کرتا تھا اور رعایا کے جھگڑے فیصلہ کیا کرتا تھا دو بجے کے بعد میں سو جاتا تھا اور تیسرے پہر
جنگی ورزشیں کرتا مثلاً شکاری سواری۔ پولو اور نشانہ بازی وغیرہ جمعہ روز تعطیل تھا۔ سارا روز شکار ہی
میں گزار دیتا تھا اور شب کو تاشقرغان کے قلعہ میں واپس آتا تھا۔ میرے تقرر کے پانچ مہینے کے بعد میرے
والد اور میری والدہ ماجدہ (جو کابل ہی میں تھیں جب سے میں وہاں سے روانہ ہوا تھا) مجھ سے ملنے کو
تشریف لائیں میں انھیں دیکھ کے بہت خوش ہوا اور میں نے ان کے دست مبارک پر بوسہ دیا۔

آغاز موسم بہار تک میرے پدر بزرگوار نے تاشقرغان ہی میں میرے ساتھ قیام فرمایا۔ اور جب آپ
بلخ تشریف لے گئے تو میری والدہ ماجدہ کو میرے ہی پاس چھوڑ گئے میں اپنی تعلیم اور انتظام جہانداری میں
مصروف ہوا۔ چونکہ میں فوج اور رعایا پر بہت مہربان تھا اس لئے اکثر لوگ میرے دوست بن گئے میں نے
بعض اشخاص کو انعامات دیئے اور جب فصل خراب ہوئی تو محاصل سرکار میں ان پر تخفیف کر دی۔
دو سال کے بعد میرے والد تاشقرغان واپس آئے اور مجھ سے حسابات صوبہ طلب فرمائے۔ جوں ہی

اُنھوں نے مد تخفیف محاصل پر نظر ڈالی فوراً اُسے نامنظور فرمایا۔ میں نے دست بستہ التجا کی ﷲ دوبارہ وصول کرنے پر آپ زور نہ دیں لیکن آپ نے تسلیم نہیں کیا اور ارشاد کیا میں دوبارہ وصول کرنے پر اس لیے مجبور ہوں کہ محاصل ملک اسقدر کم ہیں اور اخراجات فوج کی یہ کیفیت ہے یعنی آمدنی کم اور فوج زیادہ۔ تین مہینے میرے والد نے قیام فرمایا اور لوگوں سے قریب ایک لاکھ روپیہ کے جمع کیا یعنی جو روپیہ میں نے معاف کر دیا تھا آپ لیکے بلخ چلے گئے۔ اُنکے واپس تشریف لیجانے پر میں نے گورنری سے استعفا دیدیا اور اسکی وجہ یہ لکھی جب میرے اختیارات میں دست اندازی کیجاتی ہے اور میں اپنے خیالات کے مطابق حکومت نہیں کرسکتا ناچار میں مستعفی ہوتا ہوں۔ میں اپنی جگہہ اپنے نائب کو گورنر لشکرخان مقرر کرکے آپ تختہ پول چلا آیا۔ اور یہاں میں اپنی تعلیم میں مشغول ہوگیا میں ہمیشہ جمعرات کی سہ پہر کو شکار کھیلنے چلا جاتا اور دوسرے روز شب کو واپس آتا گویا میں دو روز ایک شب گھر سے باہر شکار میں گذارتا۔ میرے پاس شکاری عملہ یہ تھا۔ دو سو کُتے۔ سو باز اور شکرے اور دوسرے شکاری پرندہ سو خدمتگار غرض کل عملہ کی تعداد پانسو تھی۔ میں ہمیشہ نیچوں کے کنارے پر شکار کھیلا کرتا تھا بعض وقت دریائے بونیا کار میں مچھلی کا شکار کھیلتا ہشردہ نہر بلخ کا ہی ایک دریا ہے اسی اثنا میں وزیر یار محمد خاں گورنر ہرات نے میرے والد کو لکھا کہ میں اپنی بیٹی کی شادی آپکے صاحبزادے کے ساتھ کرنا چاہتا ہوں میرے والد نے منظور کرلیا میری شادی ہوگئی اور اس شادی سے گورنر ہرات اور میرے والد میں رشتہ اتحاد مضبوط ہوگیا۔ میرے باپ کا خاص الخاص مصاحب ایک شخص سردار عبدالرحیم خاں نامی تھا جو سردار رحیم داد خاں کے خاندان میں تھا یہ شخص نہایت بدذات اور حاسد تھا اور حصہ حسد موروثی طور پر اسے پہنچا تھا۔ دربار سے میرا رسوخ زائل کرنے کے پیچھے لگ گیا کیونکہ اُسے معلوم تھا اگر میں فوج کا سپہ سالار بنگیا تو اُسکی کرکری ہوجائے گی اس نے میری طرف سے میرے والد کے کان بھرنے شروع کیے اور ایسی ایسی بے بنیاد باتیں کیں کہ وہ مجھ سے ناراض ہوگئے۔ میرے والد کی فوجوں کا سپاہ سالار ایک انگریز تھا جس کا نام کابل میں جنرل شیر محمد خاں تھا اور اس کا اصلی نام کیمبل تھا۔ قندھار کی جنگ میں جو ۱۲۵۰ ہجری سے شاہ شجاع لڑی گئی تھی میرے دادا نے اُسے گرفتار کرلیا تھا۔ یہ بہت بڑا لائق اور روشن دماغ جنگی افسر تھا اور ساتھ ہی ڈاکٹر بھی بہت اعلے درجہ کا تھا۔ اس کا طرز و انداز شجاعانہ تھا اور یہ میرا پاس ادب بہت کیا کرتا تھا۔ یہ شخص اپنے زمانہ کا ایک قابل شخص تھا بلخ کی تمام فوجوں کی کمان اسی کے سپرد تھی جس

فوج کی تعداد تیس ہزار پالتو تھی۔ جس میں پندرہ ہزار فوج باقاعدہ معہ رسالہ پیادے اور توپخانہ کے باقی ماندہ میں تین قوموں کے ملیشیا سپاہی ازبک۔ درانی اور کابلی تھے۔ اسّی توپیں تھیں جس میں سے آٹھ توپیں سردار اکرم خاں کے زمانہ گورنری میں کابل سے بھیجی گئی تھیں اور باقی توپیں میرے والد کی نگرانی میں خاص کابل میں بن کے تیار ہوئی تھیں۔ لشکر کی بہت ہی اچھی حالت تھی۔ ایکدن شیر محمد خاں (انگریز) نے میرے والد سے کہا کہ آپ اپنے صاحبزادہ عبدالرحمن کو میری تعلیم میں دیدیں تاکہ مرنے سے پہلے جو کچھ مجھے آتا ہے اُس کی تعلیم میں اسے کرجاؤں۔ میرے والد نے منظور فرمالیا۔ اور مجھے ہدایت کی کہ تو روز تین گھنٹے شیر محمد خاں کے پاس تعلیم پانے چلا جایا کرتا کہ تیرا وقت بیکار نہ جائے۔ میں نے یہ جواب دیا "بچشم" میں خوشی خوشی گھر چلا آیا اور دو تین برس تک جراحی اور فوجی فنوں کی تعلیم پاتا رہا میرے والد نے کابل سے چند رفل بنانے والے کاریگر بلا کے میری تعلیم گاہ کے پاس ایک کارخانہ کھولدیا میں اس کارخانہ میں جانے لگا اور پہلے لہار کا کام اپنے ہاتھ سے کرنا شروع کیا۔ میں نے اچھی طرح کام سیکھ لیا اور تین ڈبل رفل اپنے ہاتھ سے بنائے۔ یہ رفل ان رفلوں سے جو میرے اُستادوں نے بنائے تھے بہت ہی اچھی تھے سابق الذکر عبدالرحیم خاں کے دل میں اور بھی میرے حسد کی آگ بھڑکی اور وہ میرا جانی دشمن ہوگیا ایکدن اس نے میرے والد ماجد سے کہا کہ آپ کا صاحبزادہ عبدالرحمن شراب اور گانجا پیتا ہے حالانکہ خدا گواہ ہے کوئی منشی چیز میں نے کبھی استعمال نہیں کی میں چونکہ نوجوان تھا مجھے ان باتوں کا بہت ہی صدمہ ہوا اور میں نے ارادہ کیا کہ بلخ سے اپنے خسر صاحب کے پاس ہرات بھاگ کے چلا جاؤں۔ جب پوشیدہ پوشیدہ فرار ہونے کی تیاری کر رہا تھا میرے ملازمین نے والد ماجد کو مخبری کردی کہ عبدالرحمن بھاگنا چاہتا ہے اُنہوں نے سنتے ہی اس کی تحقیق کی تو یہ خبر صحیح نکلی فوراً مجھے قید کردیا۔ اور میرے تمام ملازمین اور لونڈی غلام مجھ سے علیحدہ کر لئے گئے۔ میری اس بیوقوفانہ حرکت نے حاسد عبدالرحیم کی چغلیوں کو اور بھی جلادیدی اور اب اُسے لگائی بجھائی کا اور بھی موقعہ ملا۔ ایک سال تک میں قید خانہ میں رہا بیڑیاں میرے پیروں میں پڑی رہتی تھیں اور میری زندگی بہت ہی ناخوش گزرتی تھی اسی اثنا میں شیر محمد خاں کا انتقال ہوگیا اور عبدالرحیم کو یہ امید ہوئی کہ مرحوم کی جگہہ میں سپاہ سالار بنادیا جاؤں گا لیکن میرے والد اُس سے مشتبہ ہوگئے تھے اور سمجھنے لگے تھے کہ یہ بڑا غدار اور فریبی شخص ہے والد نے عبدالرؤف خاں پسر جعفر خاں کو سپاہ سالاری کے عہدہ کے لئے مدعو کیا یہ شخص

یہ بہت بڑا بہادر سپاہی تھا کئی لڑائیوں میں اسکی شجاعت کا اظہار ہو چکا تھا اور اخیر جنگ قندھار میں مارا گیا۔ یہ شخص شاہ حسام غازی حکمراں قندھار کے وزیر کی اولاد میں سے تھا جب اس نے دیکھا کہ مجھے سپاہ سالار بنایا جاتا ہے تو صاف انکار کر دیا اور میرے والد سے کہا اس عہدہ کا مستحق آپ کا صاحبزادہ ہے ایک سال سے قید میں ہے اپنی خطاکاریوں کی سزا پا چکا جو سزا اُسے دیگئی وہ بہت کافی ہے آپ اسے طلب فرمائیے اور شیر محمد خاں کی جگہ نامزد کیجئے۔

یہ سنتے ہی میرے والد نے پہلے صاف انکار کر دیا اور کہا عبد الرؤف دیوانہ ہے جو ایسی تجویز پیش کرتا ہے کہ میں ایسے لڑکے کے تحت میں فوج کو دیدوں۔ عبد الرؤف نے عرض کیا جو کچھ آپ فرماتے ہیں صحیح ہے لیکن بطور امتحان اُسے سپاہ سالار بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے یہ سُن کے میرے والد راضی ہو گئے اور مجھے طلب فرمایا۔

میں جیلخانہ سے سیدھا اپنے والد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بالوں میں کنگھا ہو رہا تھا اور نہ منہ دھلا ہوا تھا وہی کپڑے پہنے ہوئے تھا جس لباس میں وہ مجھے دیکھ چکا تھا اور اب بھی بیڑیاں میرے پیروں میں پہنی ہوئی تھیں۔ جونہی میرے باپ کی نظریں مجھ پر پڑیں اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور غصہ ہوا مجھ سے یہ ارشاد کیا "تم کیوں اس حالت کو پہنچ گیا اور کیوں تجھ سے یہ سلوک کیا گیا" میں نے جواب دیا میں بالکل بے گناہ ہوں یہ ان لوگوں کا طفیل ہے جو اپنے کو خیر خواہ کہتے ہیں اور ان ہی کے عہد میں میں اس حال کو پہنچا ہوں۔ میں یہ کہہ رہا تھا اسی اثنا میں عبد الرحیم میرا دشمن دربار میں آگیا اس کی صورت دیکھتے ہی میں پکار اٹھا۔ "یہی دغاباز شخص ہے جس کی وجہ سے میرے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہیں۔ زمانہ خود بتادے گا کہ ہم میں سے قصور کس کا ہے۔

یہ سنتے ہی عبد الرحیم بارے غصہ کے کانپ گیا ایک رنگ آتا تھا اور ایک رنگ جاتا تھا مگر سوائے گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے کے اور وہ کیا کر سکتا تھا۔

میرے والد نے جنگی افسروں سے خطاب کر کے یہ فرمایا "میں نے اپنے اس مجنون بیٹے کو تمہارا سپاہ سالار نامزد کیا ہے" یہ سنتے ہی کل جنگی افسروں نے یک زبان ہو کے کہا "نہیں خدانخواستہ آپ کا صاحبزادہ مجنون کیوں ہونے لگا ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ نہایت دانا اور زیرک ہے آپکو بھی اسکا ثبوت ہو جائے گا اور آپ جان جائیں گے جن لوگوں نے اس پر بدچالچلنی کا الزام لگایا ہے وہ بدخواہ سلطنت ہیں

میرے والد نے پھر مجھے رخصت کیا اور حکم دیا کہ تم اپنے فرائض کی انجام دہی کرو۔ اس خوشی میں میں پھولا نہیں سمایا۔ جاتے ہی حکم کیا میرے سارے ملازم جو مجھ سے علیحدہ کر لیے گئے تھے میرے گرد جمع ہو گئے اور سب نے میری خلاصی اور آیندہ خوش قسمتی پر مجھے مبارکباد دی۔

دوسرے روز میں نے فوج کا چارج لیا اور کارخانوں اور میگزین کا معائنہ کیا۔ میں نے جنرل امیر احمد خاں کو (جو بعد ازاں میری طرف سے ہندوستان میں بحیثیت وکیل کے مقرر ہوا) کارخانوں کا منتظم مقرر کیا اور کمان افسر محمد زماں خاں کو میگزین کا سپرانٹنڈنٹ بنایا۔ سکندر خاں (جو بعد ازاں روسیہ اور شاہ بخارا کی جنگ میں مارا گیا اور جس کا بھائی غلام حیدر خاں[۱] اسوقت کابل میں کمانڈر انچیف ہے) کو اسی کے ایک ہمنام کے ساتھ جو یہ کزی جرگہ میں سے ہے میں نے چیف افسر بٹالن کیا۔ میں خود کل مختلف دفاتر کو صبح سے شام تک ملاحظہ کیا کرتا تھا اور روزمرہ اپنے والد کی خدمت میں اُن ترقیوں کا تذکرہ لکھ لکھ کے بھیجتا رہتا تھا جو میری نگرانی میں ہر روز ہوتی رہتی تھیں یہ دیکھ کے میرے والد مجھ سے بہت ہی خوش ہوتے تھے۔ لشکر کو میں نے ایسا شائستہ بنا دیا کہ کبھی آجتک ایسا ہوا ہی نہ تھا اور نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ موجودہ افسر انتہا درجہ عیش طلب تھے۔ اور امیر شیر علی کے وقت میں رشوت لینے اور اپنے فرائض سے غفلت کرنیکے عادی ہو گئے تھے لیکن اب میں نے ایسی زنجیروں میں جکڑ دیا کہ اُنہوں نے صرف اپنی تنخواہوں پہ قناعت کی اور اپنا کام بھی خوب کرنے لگے۔ ایک قابل شاعر کا قول ہے "چوروں کے ساتھ شیر و شکر نہ ہو کیوں وہ تیرے دماغ کو خراب کر دیں گے" میرے آدمی خدا سے لاینہ ال کی عنایت سے میری نصیحتوں پہ کاربند ہو کے بتدریج ترقی کر جابئیں گے۔

میری جنگی خدمات سے میرے والد کا پورا اطمینان ہو گیا۔ اُنہوں نے تمام فوجوں پہ مجھ کامل اختیار دیدیے اور اپنے قبضہ میں صوبہ کا حساب کتاب اور ملکی معاملات رکھے۔ کچھ عرصہ کے بعد میرے والد ترکستان تشریف لیگئے اور میں بھی اُنکی ہمرکاب اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ روانہ ہوا جب ہم وہاں پہنچے تو میر اتالیق کا بھائی ایک خط اور کچھ تحفے میرے والد کی خدمت میں لیکے حاضر ہوا۔ والد نے بہت جوش سے اُس کا استقبال کیا اور خوب آؤ بھگت کی اور یہ پیغام اُس کے بھائی کے پاس بھیجا چونکہ تمہارا ملک دریائے جیحوں کے کنارہ پر واقع ہے اور افغانستان سے ملتا ہوا ہے اس لئے تمہیں چاہیئے کہ تم بجائے شاہ بخارا کے

۱؎ غلام حیدر خان کا ۱۸۹۷ء میں انتقال ہو چکا ہے۔

امیر دوست محمد خاں شاہ کابل کی سرپرستی میں آ جاؤ اور دوست محمد خاں کا نام تمہارے ہاں خطبہ میں داخل ہو جائے۔ یہ لوگ ابھی تک بڑی حقارت کی نظروں سے افغانستان کو دیکھا کرتے تھے۔ جونہی یہ مراسلہ میر اتالیق کا بھائی لیکے پہنچا۔ میر اتالیق آگ بگولہ ہو گیا اور اپنے بھائی پر دانت پیسنے لگا اور چاہا اسے قید کر دے لیکن وہ بھاگ کے تشکرغان کی جانب روانہ ہوا۔ مگر میر اتالیق کے سواروں نے اس کا تعاقب کیا اور ابدان پر اُسے آلیا۔ ہم نے یہ سنتے ہی اُس کی امداد کے لئے فوج روانہ کی لیکن امداد پہنچنے سے پہلے وہ قتل ہو چکا تھا ہماری فوج نے اُن سواروں کو شکست دی اور میر اتالیق کے بھائی کی لاش اٹھالائے میر اتالیق نے جب اپنے سواروں کی شکست کی خبر سنی شاہ بخارا امیر مظفر سے شکایت کی۔ امیر مظفر ابھی اپنے باپ کی وفات پر تخت نشین ہوا تھا۔ مقام حصار میں قیام کر کے بغاوت کو فرو کر رہا تھا۔ شاہ بخارا نے میر اتالیق کی شکایت پر التفات کیا اُسے ایک جھنڈا اور ایک خیمہ بھیجا اور حکم دیا کہ تو اپنے ملک میں لیجا کے اس خیمہ کو نصب کر اور یہ جھنڈا اُس پر لگادے بس افغانوں کو ڈرانے کے لئے یہی کافی ہے۔ بھولا بھالا میر اتالیق یہ سمجھا کہ بس یہی امداد کافی ہے۔ کمبخت اپنے ملک کتغان میں چلا آیا اور خیمہ نصب کر کے جھنڈا اُس پر کھڑا کر دیا میرے والد نے اس معاملہ کی مفصل کیفیت امیر دوست محمد خاں کو لکھ کے بھیجی وہاں سے حکم آیا فوراً فوجکشی کر کے کتغان پر قبضہ کر لو۔ میرے والد نے اپنے بھائی سردار اعظیم خاں کو مقام کورم گھوسٹ سے جہاں کے وہ گورنر تھے بلالیا اور مجھے اُن کے استقبال کے لئے مقام ایبک تک جانے کا حکم دیا۔

موسم بہار میں فوجکشی سے پہلے چھ دن کی چھٹی لیکے میں فوج کا معائنہ کرنے گیا آیا فوج کی ترتیب اور حسب خواہش کل سامان تیار ہیں یا نہیں۔ میں نے ہر چیز کامل پائی اور سارا سامان لیس دیکھا۔ میں نے اپنے والد کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ بھی تشریف لاکے ترتیب اور سامان فوج کو ملاحظہ فرمالیں یہ سن کے میرے والد نے کہا مجھے تیرے انتظامات فوج پر اطمینان ہے پھر مجھے ایک گھوڑا معہ طلائی ساز و سامان اور زین وغیرہ کے عنایت کیا اور ایک جواہر نگار پیٹی اور تلوار دیکے فرمایا "جا تجھے خدا کو سونپا اور اس کی حفاظت میں تجھے چھوڑا۔ میں نے اپنے والد کے دست مبارک پر بوسہ دیا اور دو دن کے بعد اس لشکر کا کمنڈر انچیف ہو کے جو میرے چچا اعظیم خاں کی سرگردہی میں رکھا گیا تھا روانہ ہوا۔ جب میں تشکرغان پہنچا تو وہ لوگ جو مجھ سے پہلے سے واقف تھے بڑے جوش سے

پیش آئے اور میرادھوم سے استقبال کیا۔ میں نے لشکرگاہ۔ نمازگاہ کے میدان میں قائم کیا اور احسان جتانے کے لئے شہر کے رؤساکی دعوت کی وہ میرے اور میری فیج کے جاں نثار بن گئے پندرہ دن کے بعد میرے چچا جان مجھ سے آملے اور ہم دونوں مل کے مقام اینک کی جانب روانہ ہوئے اور چند روز کے سفر کے بعد مقام مذکور پر پہنچ گئے۔ بار برداری کے جانوروں اور سامان رسد کے لئے ہمیں رستہ میں تین دن ٹھیرنا پڑا اور پھر ہمنے قلعہ عوزی کی طرف اپنے گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں اس قلعہ میں میر اتالیق کے سوار اور پیادے مورچہ زن تھے پانچ دن کا سفر طے کرکے ہم قلعہ کے پاس پہنچے۔ میں نے اپنے بیس ہزار سوار لشکر کو جس کے ساتھ چالیس توپیں تھیں پہلے قلعہ کے سامنے آراستہ کیا تاکہ دشمن اسے اچھی طرح دیکھ لے اور پھر ایک محفوظ مقام پر مورچہ زن ہوا۔ میں نے تیسرے پہر کو چند افسروں کے ساتھ قلعہ کا معائنہ کیا کہ کون کون سی جگہ توپیں نصب کرنے کے لئے موزوں ہے خوب دیکھ بھال کے ان مقامات پر مورچہ بندی کا حکم دیا۔ میں نے احکام جاری کر دیئے کہ راتوں رات قلعہ کی طرف سرنگیں کھود لیجائیں صبح تک میرے ان تمام احکام کی تعمیل ہوگئی۔

سہ پہر کو میر اتالیق چالیس ہزار سواروں کے ساتھ قلعہ کوہ پر نمودار ہوا۔ اپنے سپاہیوں کو جو قلعہ میں تھے بہادری سے جم کے لڑنے کی ہمت دے رہا تھا۔ میں نے وہاں اسے دیکھکر اس قیاس سے مبادا یہ ہمارے مورچوں پر حملہ کرے دو ہزار سواروں بارہ نخچیر کے توپچیوں اور پیادہ فوج کی چار بٹالینوں سے اس کے عقب پر حملہ کرنیکا حکم دیا۔ میر اتالیق ہمارے قریب پہنچ جانے سے بالکل بیخبر تھا۔ یہانتک کہ بگاداری توپوں پر بتی پڑگئی اور فیر ہونے شروع ہوئے اس اچانک حملہ سے اسے میری قلت فوج کی خبر نہ رہی اور وہ معہ اپنے تمام لشکر کے بھاگ گیا میں اپنے لشکرگاہ میں واپس چلا آیا اور گیارہ بجے شب تک سرنگوں کا معائنہ کرتا رہا اور سنتریوں کو ان کے پہرے پر دیکھ کے میں آرام کرنے چلا گیا صبح ہوتے ہی میں نے لشکر کا معائنہ کیا۔ دو ہزار فوج بارہ میل کے فاصلہ پر بھیجدی تاکہ بطور ہراول کے وہ سامان باربرداری کے جانوروں کی حفاظت کرے اور اگر دشمن کوئی اچانک حملہ کرنا چاہے تو اس کی نقل و حرکت کی مجھے خبر دے۔ تین دن کے بعد مجھے خبر پہنچی کہ پندرہ میل فاصلہ پر آٹھ ہزار سوار چشمۂ شیر نامی مقام میں پوشیدہ ہیں اس کا مقصد یہی تھا کہ رستہ میں ہمارے سامان باربرداری پر حملہ کیا جائے میں نے فوراً غلام محمد خاں بوبل زئی اور محمد عالم خاں کی سرکردگی میں چار ہزار سوار اور دو توپیں ان پر حملہ کرنے کیلئے روانہ کیں انھوں نے نہایت کامیابی سے

حملہ کیا اور خفیف جنگ کے بعد قتغان کے سواروں کو شکست دیکے دو ہزار اُن میں سے قید کر لئے باقی ماندہ بھاگ کے باغلان چلے گئے جہاں اُن کا میر مورچہ زن تھا۔

جب یہ خبر قتغان پہنچی میر اتالیق کی جو اٹھارہ میل کے فاصلہ پر تھا ہمت ٹوٹ گئی اور وہ مقام قندز میں پس پا ہوکے چلا گیا جن سواروں کو میں نے جشمہ شیر بھیجا تھا اُن میں سے ایک ہزار باغلان پر قابض رہے اور باقی فتحمندانہ طمطراق سے میرے لشکر میں واپس چلے آئے میرے چچا جان نے ان سپاہیوں کو جنہوں نے میدان جنگ میں کارنمایاں کیے تھے انعامات اور خلعتہائے فاخرہ سے ممتاز فرمایا۔

اُسی دن سہ پہر کو میں اپنے مورچوں کا معائنہ کرنے گیا اور میں نے اپنے مورچوں کے پیچھے سے دشمن کی فوج قلعہ کو مخاطب کر کے یہ کہا" تم لوگ مسلمان ہو اور میں بھی مسلمان ہوں تم نے اپنے میر کی شکست دیکھ لی اسلئے یہ نہایت ہی بیوقوفی کی بات ہے کہ تم خود بھی قتل ہو اور میرے بھائی مسلمانوں کو بھی قتل کرو قلعہ مجھے دیدو اور میں تم سے تمہارے اطمینان کے موافق عہد و پیمان کروں گا اس کا انھوں نے کچھ جواب نہ دیا۔ شام کو میں نے اپنے چند افسروں کو قلعہ پر حملہ کرنے کے لئے مندرجہ ذیل طریقہ پر مقرر کیا۔

پہلے وہ سکیلا پر حملہ کریں یہ وہ مقام تھا جو اندرون قلعہ کی کھائی سے باہر تھا۔ اس مقام کے گرد بھی کھائی کھدی ہوئی تھی۔ حملہ کرنے سے پہلے میں نے حکم دیا کہ طلوع آفتاب سے پہلے صبح تک برابر قلعہ پر توپوں کی گھرمار ہوتی رہے تاکہ دشمن پر ایک خوف طاری ہو جائے۔ جب توپیں بند ہوئیں تو چند سپاہیوں نے قلعہ کے تحتانی مقامات پر حملہ کیا اسلئے کہ سکیلا سے جو حملہ کی جان تھا دشمن کی فوج کی توجہ اٹھ جائے۔ میری فوج کا بڑا حصہ چپ چپاتے اس مقام پر پہنچ گیا اور قلعہ کی دیواروں کے قریب پہنچ کے میری فوج نے زور سے غل مچایا" یا چہار یار" جو کچھ میں نے حکم دیا تھا میرے لشکر نے اُسپر پورا عملدرآمد کیا۔ دشمن قلعہ کے بیرونی حصہ سے بھاگ کے اندرونی حصہ میں چلا گیا۔ وہ کھائی جو قلعہ کے گرد کھدی ہوئی تھی دس گز گہری اور تیس گز چوڑی تھی۔ خوش قسمتی سے کھائی کا پانی نہایت صاف تھا جس میں سے میرے افسر اس پوشیدہ پل کا معائنہ کر سکتے تھے جو بانسوں کا تیار ہوا تھا اور جو سطح آب میں چھتیس انچہ پر قایم تھا۔ میرے افسر فتحمندانہ پانی میں چلے گئے اور پایاب ہوکے مقابل سمت پہنچ گئے میرے سپاہیوں نے فوراً اُس کی پیروی کی اور دیواروں میں سوراخ کر کے قلعہ والوں پر فیر کرنے شروع کیے۔

اثنائے جنگ میں میں نے ایک خط گورنر قلعہ کو بھیجا جس میں میں نے یہ تحریک کیا کہ اگر تم مطیع ہو جاؤ گے تو میں

تمہارے سواروں کی جان و مال بخش دوں گا اور انہیں مثل اپنی رعایا کے سمجھونگا۔ میں نے فوراً فیروں کے بند ہونے کا حکم دیا اور اپنا خط اپنے قیدی کے ہاتھ بھیجدیا۔ گورنر اور سرداران قلعہ بذاتہ میرے خط کا جواب دینے کے لیے باہر نکلے اور مجھ سے اطاعت کی شرطیں کرنے لگے۔ میری شرطیں انہوں نے قبول کرلیں قلعے کے دروازے کھولدیئے اور باشندگان قلعہ کی بڑی جماعت اکٹھی ہوگئی میں نے ان میں سے ایک بڑے گروہ کو اپنے چچا کے پاس بھیجدیا جنہوں نے سرداروں کو خلعتہائے فاخرہ سے ممتاز فرمایا اور پھر انہیں گھر جانے کی اجازت دی۔

ان کی تعداد پوری دس ہزار تھی۔ چونکہ میر اتالیق فنون جنگ سے بالکل ناآشنا تھا اس نے اتنے آدمیوں کے لیے صرف دس دن کا سامان رسد مہیا کیا تھا اگر میں قلعہ پر حملہ کرنے میں دیر لگا دیتا تو آخر کار خود بخود انہیں میری اطاعت قبول کرنی پڑتی ان کے میر نے یہ سمجھ لیا تھا کہ شاہ بخارا کا ایک جھنڈا اور خیمہ اتنی بڑی فوج کے سہارا دینے کے لیے کافی ہوگا۔ خدا کی شان ہے کہ ایسے بیوقوف بھی دنیا میں پیدا ہوتے ہیں۔

ہمارے اس مہربانی کے برتاؤ سے میر اتالیق کے آدمی خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے کیونکہ انکے سرداروں نے افغانوں کی بہت سی بے رحمی کی داستانیں انہیں سنائی تھیں خوف انکے دل سے جاتا رہا وہ میر سے علیحدہ ہوگئے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ میر اتالیق اپنے چند وفادار ساتھیوں کے ساتھ قنغان سے بھاگ گیا اور امیر بدخشاں کی عملداری میں بمقام رستاک جاکے پناہ گزین ہوا۔ یہ خبر پاتے ہی ہم فوراً غوری سے اسکے پایۂ تخت تالقان کی طرف روانہ ہوئے اور وہاں سے بہت سے ملک کے سرداروں کے پاس خطوط روانہ کیے کہ ہم تمہاری ہر طرح سے مدد کا وعدہ کرتے ہیں اور ساتھ ہی اسکے بعض سرداروں کو ہم نے خلعتیں بھی دیں۔ ہم نے مذہبی عدالتوں میں گورنر اور مجسٹریٹ مقرر کئے اس کے بعد میں باغلان سے خان آباد روانہ ہوا اور ساحل دریا کے قریب ایک بلند قطعہ زمین پر میں نے اپنا لشکرگاہ قائم کیا۔ دو بٹالین ایک ہزار ازبیگ ملیشیا سوار۔ پانچسو افغانی سوار۔ پانسو ملیشیا پیدل چھ چھ گز کی توپیں میں نے تالیخان روانہ کیں۔ اس فوج کا کمان افسر صدیق خاں دوست محمد خاں کا بیٹا تھا جسے میرے چچا نے سردار سفر کیا تھا۔ یہ لشکر دریائے برگی کو عبور کرکے تالیخان پہنچا اور فوراً قلعہ کے قریب مورچہ بندی کرکے تھوڑے عرصہ میں اسے برباد کردیا۔ اس عرصہ میں میرے چچا مفتوحہ شہر میں بعض ضروری انتظامات کے لیے ٹھیر گئے جن میں سے ایک اس بات کا انتظام کرنا تھا کہ آیندہ سے میرے دادا کا نام خطبوں میں لیا جائے۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد اندراب اور کھرست کے لوگ میر اتالیق اور بدخشاں کے امیروں کے بہکائے میں آکے باغی ہو گئے اور اُنہوں نے گورنر پر حملہ کیا جس کی امداد کے لئے سردار محمد عمر اور دوسرے افسروں کی سرکردگی میں چار ہزار سوار خان آباد سے روانہ کئے۔ میرے دادا نے سردار محمد شریف خاں کو دو بٹالین ایک ہزار ملیشیا پیدل ایک ہزار سوار اور چھ توپوں کے ساتھ کابل سے روانہ کیا۔ دونوں لشکر مقام بزورہ پر آکے ملگئے جہاں اُنہوں نے جنگ کی اور کامل طور سے باغیوں کو سزا دی۔ باغی دو ہزار مجروح و مقتول ہوئے۔ اس فتح کے بعد پانسو سپاہی اندراب میں گورنر کا ساتھ چھوڑ کے خان آباد اور کابل روانہ ہو گئے۔ جب میر قتغان نے تالیجان کے قلعہ کی بربادی کی خبر سُنی رستنک سے روانہ ہوا اور دریائے جیحون کو عبور کر کے کولاب کے قریب مقام سید میں اپنے ڈنڈے ڈیرے ڈالدیئے۔ کولاب کا میر اُس وقت میر سراب بیگ تھا جسے بعد ازاں شہنشاہ بخارا نے شکست دیدی تھی۔ مجبور ہو کر اُس نے اپنی سلطنت کو چھوڑ دیا اور کابل چلا آیا۔ جہاں وہ میرے دربار کا ایک بلند پایہ رکن ہو گیا۔ چونکہ میر اتالیق کی اُس سے رشتہ داری تھی اُس نے دس ہزار سوار اُسے دیئے اُدھر بدخشاں کے لوگوں نے بھی دس ہزار سوار اُسکے سُپرد کئے اس فوج نے معہ اس کے دو ہزار رنج کے آدمیوں کے لشکر گاہ کے قریب کے صوبوں پر معہ قلعہ جات حضرت امام اور تالیجان کے حملہ کیا اور تمام باربرداری کے جانوروں کو جنہیں وہ پکڑ سکے لوٹ لیا اُن سواروں سے جنہیں میں نے بطور ہر اول مقرر کیا تھا اُن لوگوں کی مڈ بھیڑ ہو گئی۔ طرفین کے سو سو دو دو سو آدمی مارے گئے اور وہ لوگ جو گرفتار ہو کر آئے تھے اُنہیں میں نے توپوں سے بندھوا کے اُڑوا دیا۔ تین سال کی بغاوت میں اس صورت سے میں نے پانچ ہزار آدمیوں کو سزا دی اس کے علاوہ دس ہزار آدمی میری فوج نے قتل کئے۔ بغاوت کے فرو کرنے میں ایک سال گذر چکا تھا اس اثنا میں سردار یمین خاں نے لکھا کہ میرے پاس بدخشاں کے پندرہ ہزار باغی خاندانوں کی سرکوبی کے لئے کافی فوج نہیں ہے یا تو مجھے مدد بھیجی جائے ورنہ میں واپس چلا آتا ہوں چونکہ اُسے کوئی جواب نہ ملا وہ بغیر اجازت کے خان آباد روانہ ہو گیا۔ میرا اور میرے چچا کا باہم مشورہ ہوا۔ میری یہ رائے تھی کہ بجائے اُسکے مجھے جا کے جنگ کرنی چاہیئے اور خدا کی امداد سے میں صرف چھ خچروں کے توپخانوں اور پانچہزار سواروں کے بلا امداد دوسری فوج کے فساد کو رفع کر دونگا۔ میرے چچا نے جواب دیا کہ یہ ایک امر محال ہے چونکہ تم بے ریش و بروت نوجوان ہو مبادا تمہاری کمر ہمت ٹوٹ جائے۔ میں نے کہا آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ میری کیسی کمر ہمت ٹوٹتی ہے اور میں اُن شہید

روانہ ہوگیا۔ ایک طولانی سفر کے بعد میں تالیخان پہنچا لشکر مجھے دیکھ کے شاد شاد ہوگیا اور سردار یمین خاں مجھے رستہ میں ملا اگرچہ یہ سیر اچھا تھا لیکن اس کی بزدلی کا ثبوت ہوگیا تھا۔ میں نے اپنا منہ اُس کی طرف سے پھیر لیا اور اُس سے اُف نہ کی۔ صرف یہ خیال تھا کہ اگر اس سے کوئی ایسی ویسی بات کہوں گا تو میرے دادا دوست محمد خاں کی توہین ہوگی۔

میرے پہنچنے کے دو دن کے بعد رستاک اور بدخشاں کے لوگوں نے یوسف علی برادر میر شاہ والئے فیض آباد کے اشارہ سے دو ہزار یا تین ہزار سوار اُن گاؤں کے لوٹنے کے لئے مقرر کیے جو میرے لشکرگاہ کے گرد تھے اور ساتھ ہی وادی تالیخان میں بھی اُنہوں نے لوٹ مار شروع کر دی اُنہوں نے یکایک میرے یابو اور بار برداری کے اونٹوں پر حملہ کیا یہ سامانِ رسد دو سو ملیشیا سپاہیوں اور پچاس سواروں کی حفاظت میں آرہا تھا اُنہوں نے فوراً میرے پاس طلب امداد کا ایک مراسلہ روانہ کیا اور اسی اثنا میں میرے سپاہیوں نے جہاں تک اُن سے ہوسکا اپنی حفاظت کی جوں ہی مجھے یہ خبر پہنچی میں نے سات سوار اُن کی امداد کے لئے روانہ کیے جنہوں نے جاتے ہی لٹیروں کو شکست دی اور اپنے اونٹ اور یابو بحفاظت اپنے لشکرگاہ میں لے آئے۔ دو روز پیچھے باغیوں نے اُن گاؤں پر حملہ کیا جو میری حفاظت میں آچکے تھے پھر میں نے ایک زبردست فوج اُن کی سرکوبی کے لئے روانہ کی فوج نے جاتے ہی انہیں ایسی شکست دی اور دس آدمی معہ دو سو گھوڑوں کے گرفتار کر لیئے۔

تین مہینے تک یہی کارروائی ہوئی یہاں تک کہ ایک دن آشان نے جو فتخان کے سیروں کا سیر تھا میری دعوت کی میں نے اُس کی دعوت قبول کر لی تین سو رسالہ کے سوار اور دو سو ملیشیا سواروں کو لیکر دعوت کو گیا اُس گھر میرے لشکرگاہ سے صرف دو میل پر تھا میں نے اُس سے پوشیدہ سو سوار بھیج کے اُسکے گھر کا پہلے ہی سے محاصرہ کر لیا تھا۔ میزبان سے کچھ بات چیت کرنے کے بعد کھانا چُنا گیا۔ ابھی ہم کھانا کھانے بیٹھے ہی تھے کہ ایک سوار میرے پاس بھاگا ہوا آیا اور خبر دی کہ ہم پر ایک کثیر تعداد نے حملہ کیا ہم آہستہ آہستہ پیچھے ہٹ آئے میں فوراً اپنے میزبان اور اُس کے بیٹوں کو قید کر کے اپنے آدمیوں کے ساتھ آملا اُسی وقت میں نے ایک سوار اپنے لشکرگاہ میں بھیجا کہ ایک ہزار سوار اور ایک پلٹن اور دو توپیں فوراً میری مدد کو بھیجو اور میں نے ہدایت کر دی کہ توپچی اور پیادہ فوج موقع کے لئے سوار پیچھے رہیں میں نے یہ دیکھ کے کہ باغیوں کی تعداد دس ہزار ہے اور ہم پر بڑھے چلے آتے ہیں۔

اپنی چھوٹی فوج کو آٹھ ڈویژنوں میں تقسیم کیا اور ہر ڈویژن کو دوسرے ڈویژن سے کسی قدر فاصلہ پر قائم کیا اور فوج کا بڑا ڈویژن اپنے ساتھ رکھا پہلے ڈویژن کو میں نے فیر کرنے کا حکم دیا جونہی میں نے دیکھا کہ انہیں گھیر لیا ہے پھر میں نے دوسرے ڈویژن کو فیر کرنے کا حکم دیا جب وہ بھی گھر گیا تو تیسرے کو۔ غرض میرے کل ڈویژن عام جنگ میں پھنس گئے اور صرف میرے ساتھ کا بڑا ڈویژن رہا جسکے ساتھ میں تلوار سونت کے دشمن پر جا پڑا۔

اسی اثناء میں میرے لشکرگاہ سے مدد آگئی اور میں نے عام حملہ کر دیا باغی پریشان ہوگئے اور یہ خیال کر کے کہ اتنے ڈویژنوں سے جنگ نہیں کر سکتے کامل شکست کھا کے بھاگے۔ سو زخمی اور چار سو قیدی چھوڑ گئے میری طرف کے سو مقتول ہوئے۔ اس عظیم فتح پر جو مجھے کثیر تعداد لشکر پر ہوئی تھی میں نے خداوند تعالےٰ کا شکر ادا کیا اور میرے ہاں خوشی کے شادیانے بجنے لگے میرے قیدیوں میں بارہ سردار رشتک کے تھے جو آشان بیر پر لعنت ملامت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اسی کمبخت نے ہمیں قید کرایا کیونکہ اسی شخص نے ہمارے امیروں کو لکھا تھا کہ میں افغانی سپاہ سالار کو بلاتا ہوں اگر وہ اپنی فوج بھیجدیں کہ اس کے بازو کو شکست دیں تو میں اس سپاہ سالار کو تمہیں گرفتار کر کے دیدوں گا۔

کامیابی کی امید پر میں نے ان سرداروں کی ماتحتی میں جو میری قید میں آچکے تھے دس ہزار سواروں کے ساتھ روانہ کیا تھا اندھیری رات میں اپنے لشکرگاہ میں واپس چلا آیا اور اپنے چچا کو اس معاملہ کی ساری خبر لکھ کے خان آباد بھیجدی اور آشان بیر کو بھی انکی خدمت میں بطور قیدی کے روانہ کر دیا۔ مجروحین کو جراحوں کے سپرد کیا جب وہ اچھے ہوگئے تو میں نے خلعت اور زاد راہ دیکے انہیں رخصت کیا اور ہدایت کر دی کہ آئندہ سے وہ اپنا افتراق پیشہ چھوڑ دیں میں نے میر کو ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ اگر تم جنگ کرنا چاہتے ہو تو کیوں نہیں کھلم کھلا میدان میں آ کے دو دو ہاتھ کرتے اور یہ کیا لغو حرکت ہے کہ ادھر تو تم میرے والد کے پاس بمقام تختہ پول اپنے بیٹے کو بھیج کے اپنی دوستی کا یقین دلاتے رہتے ہو اور ادھر میرے خلاف سازش کرتے ہو میں نے یہ بھی انہیں لکھا کہ اگر میرے والد نے مجھے بدخشاں فتح کرنے کا حکم دیدیا کہ تم میں اتنی قوت نہیں ہے کہ چھ گھنٹے بھی میرا مقابلہ کر سکو قتغان کے قیدیوں کو میں نے رہا نہیں کیا میں نے ان کے سرداروں کو جو اپنا ملک چھوڑ کے شاہ بخارا کے پاس چلے گئے تھے یہ لکھ کے بھیجا کہ یا تو وہ اپنے وطن واپس چلے آئیں ورنہ میں ان قیدیوں کی گردن اڑا دوں گا اور میں نے ان لوگوں کے

جو منیر حقی قید میں تھے ان کے رشتہ داروں اور دوستوں کو لکھوا بھیجا کہ وہ بغیر کسی خوف کے اپنے ملک میں چلے آئیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قتنان سے چند مولوی بطور وکلا کے شرطیں کرنے کے لئے میرے پاس آئے میں نے ان سے خدا کی قسم کھا کے کہا کہ اگر وہ دولت افغانستان کو کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے اور مثل وفادار اور صلح پسند رعایا کے اپنے کو ثابت کرینگے تو میں انہیں مثل اپنے آدمیوں کے سمجھوں گا اور ان کے مقاصد کی حفاظت کروں گا۔ میرا یہ قول و قرار سن کے واپس چلے گئے اُن کے جانے پر دو ہزار خاندان اپنے وطن واپس آ کے تالیخان آباد ہو گئے۔

وہ خطا جو میں نے بدخشاں کے قیدیوں کے ہاتھ میر یوسف علی کو بھیجا تھا کچھ اثر پذیر نہ ہوا اُس کم بخت کی لوٹ مار اور قزاقی کی عادت نہیں گئی۔ صلح کے چند ہفتے کے بعد اس نے میر قتنان۔ میر کولاب اور اپنے بھائی میر شاہ کو گانٹھ کے مجھ پر ایک انقطاعی فتح حاصل کرنی چاہی ان مشتملہ فوجوں نے دو مختلف مقامات یعنی تالیخان اور ارل پر حملے کیے۔ آخر الذکر مقام پر چار سو پیادے چار سو ملیشیا پانسو سوار اور دو تحریروں کے توپچی نہایت بہادر اور تجربہ کار سردار محمد عالم خاں کی سرکردگی میں مقیم تھے۔ حملے کی ترکیب مفصلہ ذیل تھی۔ ایک چھوٹی سی جماعت ارد گرد کے گاؤں کے لوٹنے کے لئے مقرر کیگئی تاکہ ہمیں دھوکا ہو کہ کوئی شائستہ فوج لڑنے کے لئے نہیں آئی بلکہ یہ لٹیرے ہی ہیں جو ادھر ادھر لوٹ مار کرتے پھرتے ہیں۔ اسی اثنا میں قریب تیس ہزار سواروں کے میر علی کی سرکردگی میں تالیخان کے باغوں میں چھپی ہوئی تھی میر علی۔ میر اتالیق کا چچازاد بھائی تھا علی الصباح تیس سو باغی اپنے پوشیدہ مقامات سے باہر نکلے اور سو اونٹوں کو جو چرنے کے لئے چھوڑے گئے تھے لوٹ لیا میرے ہراول کے افسروں نے دو سو سواروں کو باغیوں کی سرکوبی اور اونٹوں کے واپس لینے کے لئے روانہ کیا۔

جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے اپنے افسر سے کہا کہ تم نے ایسی قلیل فوج بھیجنے میں سخت غلطی کی جب تک تجھے دشمن کی پوری قوت معلوم ہو جاتی ہرگز فوج نہ بھیجتا جب مجھے یہ یقین ہو گیا کہ صرف دو سو سوار دشمن سے کبھی کچھ اونٹ نہیں چھین سکتے۔ کیونکہ اُسکی کثیر تعداد فوج اِدھر اُدھر چھپی ہوئی ہے میں نے فوراً اپنے کل لشکر کو حکم دیا کہ جنگ کے لئے تیار ہو جائے اخیر یہ بھید کھل گیا اور میرا خیال صحیح نکلا اُس وقت جو میرے آدمی جنگ کیلئے تیار ہو گئے تھے میں نے دیکھا کہ میرے ایک سو ساٹھ سپاہی بہادر افسر کی سرکردگی میں چلے آتے ہیں اور دشمن کی چالیس ہزار فوج اُن کا تعاقب کر رہی ہے۔ میں نے پہلے ہی سے یہ ہوشیاری کر لی تھی کہ دو سو پیادہ فوج معہ توپوں کے اور تابز نامی پہاڑی پر نصب کر دی تھی اور اُسے حکم دیدیا تھا کہ جب تک میں حکم نہ کروں توپوں میں

بیتی بنہ پڑے دشمن کیجانب راست ایک ہزار پیادہ فوج اور پانسو جانب چپ ڈالدی تھی باقیماندہ سوار و پیادہ فوج کو لیکر ہمیں موریوں کے باہر دشمن سے ہمنبرد ہونے کے لیئے گیا جب میدان جنگ خوب زور پر ہوا اور دشمن کی توجہ پر پورا قابو پالیا میں نے توپچیوں کو عقب میں روانہ کیا اور اپنے سوار و پیادوں کو دشمن پر چپ و راست سے فیر کرنے کا حکم دیا اور سامنے سے میں نے حملہ کیا وہ گولے اور گولیوں کی بوچھاڑ سے جو چاروں طرف سے اُن پر پڑ رہی تھی پریشان ہوگئے اور میری فوج کا اندازہ کرکے اُس کے قدم اُکھڑ گئے اور میرے توپچیوں کی طرف اُنہوں نے منہ پھیرا یہ دیکھ کے میں نے رسالے کو تازہ حملہ کرنے کا حکم دیا جس نے اُن کی صفوں کو پارہ پارہ کردیا اور فتح کی اس صورت سے تکمیل ہوگئی۔

جنگ نو گھنٹے تک ہوتی رہی۔ باغی فوج میں سے تین ہزار مقتول ہوئے اور اُنکے مقابلہ میں ہمارے صرف سو آدمی مجروح و مقتول ہوئے ہمنے چھ سو باغی قید کرلئے اور پانچہزار گھوڑے پکڑ لئے میں نے حکم دیا کہ مفسدوں کے سروں کا ایک گنبذ بنایا جائے صرف اس غرض سے جو لوگ زندہ بچے ہیں اُن پر خوف طاری ہو میں نے اس کی مفصل کیفیت اپنے چچا کو لکھ کے بھیجی اور اپنی اس نمایاں فتحمندی سے اُنہیں آگاہ کیا۔

چال کے سرکشوں نے بہت خفیف مقابلہ کیا کیونکہ اُنکی تعداد صرف بارہ ہزار تھی ان سرکشوں کی کمان میر بابا بیگ اور میر سلطان مراد کر رہے تھے۔ تھوڑے عرصہ کی جنگ کے بعد پراگندہ ہو کے معہ اپنے مجروحین کے بھاگ گئے اور سو آدمی مقتول میدان جنگ میں چھوڑ گئے۔ میر بابا بیگ گھوڑے پر سے گرا گرتے ہی اُس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور اُس کے ساتھی اُسے اُٹھا کے چلدیئے۔ اس انقطاعی فتح پر بدخشاں کے میر یہ سمجھ گئے کہ افغانیوں کی شائستہ فوج سے وہ کھلے میدان میں جنگ نہیں کرسکتے اُنکی غرض صرف یہ رہی کہ اِدھر اُدھر لوٹ مار کرتے پھریں۔

اس اثنا میں میر مظفر شاہ بخارا صرف یہ دیکھنے کے لئے کہ افغانیوں نے بدخشاں کے لوگوں سے کیسا برتاؤ کیا دریائے جیحون کو عبور کرکے مقام چاریکار میں مقیم ہوا۔ میرے والد کے پاس اس وقت صرف دس ہزار پانسو سپاہ تھی چونکہ اُنہیں میر مظفر کے دوستانہ تعلقات پر بھروسہ نہ تھا اس لئے اُنہوں نے میرے چچا کو لکھا کہ بیس ہزار فوج کے علاوہ جو تمہارے پاس ہے بارہ ہزار فوج اور تیار رکھو پھر آٹھ ہزار فوج میری کمان میں اُنکی امداد کے لئے روانہ کی ملک کے بچانے کے لئے یہ تعداد کافی تھی اور بوقت

ضرورت وہ کامیابی سے جنگ بھی کرسکتے تھے۔ یہ بھی بہت بڑا خوف تھا مبادا ہماری رعایا اور بک عام طور پر بغاوت نہ کر بیٹھے کیونکہ یہ لوگ شاہ بخارا کے ہمقوم تھے +

میرے چچا کو ترکستان کے ملک سے بہت کم واقفیت تھی وہ اس خیال سے ڈر گئے انہوں نے مجھے خط لکھا کہ تو فوراً تالیخان کو چھوڑ کے معہ لشکر کے خان آباد چلا جا۔ میں نے جواب میں تحریر کیا کہ میرے لیئے یہہ بہتر ہے۔ اگر ضرورت پڑے تو روانہ ہونے کے لیئے یہاں تیار رہوں یہ ایک نامناسب بات ہے کہ جس ملک کو سخت مشکلات سے فتح کیا ہے اسکو یک لخت اس طرح چھوڑ دیا جائے۔ نہ میرے پاس اتنی فوج ہے کہ میں اپنے مقاصد کی پوری حفاظت کر(سکوں) اصرار کے ساتھ لکھا کہ تو فوراً روانہ ہو جا سوا فرمانبرداری کے اور کوئی چارہ نہ تھا۔ ناچار علی الصباح میں کل لشکر کے ساتھ روانہ ہوگیا۔ چونکہ میرے پاس سامان حرب لیجانے کے لیئے بار برداری کے جانور کافی نہ تھے میں نے سو سواروں کو روانہ کیا کہ قتابوز والوں کی ۱۵۰۰ بھیڑوں میں سے جتنی لوٹ سکیں لوٹ لائیں +

میں نے پھر اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ فوج ہراول کا کمان افسر سردار شمس الدین خاں پسر سردار امین محمد خاں کو مقرر کیا ملیشیا پیادہ فوج اور سواروں کے ایک حصہ سے میں نے چار توپوں کے ساتھ ثلث سے ڈویژن کی ترتیب دی۔ اور آخری ڈویژن کو تمام توپخانے۔ باقیماندہ پیادہ فوج کو ایک ثلث سواروں کے ساتھ ترتیب دیا۔ اور وہ سو سوار جو میں نے بھیڑوں کے لوٹنے کے لیئے بھیجے تھے مجھ سے خواجہ جنگل نامی گاؤں کے پاس آکے مل گئے۔ تالیخان کے لوگوں نے جب یکایک ہماری روانگی کی خبر سُنی تو انہیں عقب پر حملہ کرنے کی جرأت ہوئی پانچہزار سے چھ ہزار تک مخالف سوار ہمارے پیچھے پیچھے چلے آئے اگر ہم پر انہیں حملہ کرنے کی ہمت ہوتی تو ہمارے عقب پر حملہ کرسکتے تھے اس کارروائی کا خاتمہ کرنے کے لیئے پہلے سپاہیوں کی ایک بٹالن کو حکم دیا کہ رستہ کے سرے پر وہ ایک غار میں پوشیدہ ہو جائیں جس غار کا طول ایک ہزار گز تھا اور جس وقت مفسد اس رستہ سے گزرے فوراً انہوں نے باڑ مار دی میرے احکام کی تعمیل میری مرضی کے مطابق ہوئی۔ بندوقوں کی آواز سنتے ہی میرے سپاہی واپس پھرے اور مقابل سے دشمن پر حملہ کیا۔ مفسدوں نے عقب سے اور سامنے سے جب یہ اچانک آفت آتی ہوئی دیکھی تو پریشان ہو کے تتر بتر ہو گئے بعض دریا میں ڈوب کے مر گئے بعض ہماری گولیوں سے بچنے کے لیئے پہاڑ کی چوٹیوں پر چڑھ گئے مفسدوں کے چار سو آدمی اس لڑائی میں کام آئے اور ہم بلا مزاحمت خان آباد تک چلے گئے دیا

کو عبور کرتے وقت ہماری ایک توپ پانی میں گر کے ڈوب گئی سپاہیوں نے بہتیرا توپ کو نکالنا چاہا لیکن نہ نکال سکے اخیر میں گھوڑے پر سے اُترا اور چند آدمیوں کی مدد سے میں نے اُس توپ کو اُبھار کے دوسرے کنارہ پر پہنچایا میرے کپڑے پانی میں شور بشور ہو گئے اور میں اپنی فوج کو اکیلا چھوڑ کے بدلنے بھی نہ جا سکتا تھا۔ اخیر سپاہیوں نے جنگل کی سوکھی لکڑیاں جلائیں اور اُس سے میں نے اپنے کپڑوں کو خشک کر دیا۔ جب میں خان آباد کے قریب پہنچا تو چچا کے لشکر گاہ کی طرف سے بندوقوں کے فیروں کی آواز سنائی دی سردار شمس الدین خاں نے کہا کہ یہ توپیں تو ازبک کے سواروں کی معلوم ہوتی ہیں اور وہ ضرور آپ کے چچا کے لشکر گاہ کو لوٹنے آئے ہیں اب ہمارے لئے مناسب یہی ہے کہ ہم کابل واپس لوٹ جائیں میں نے جواب دیا کہ شاباش میں نے لوگوں سے سنا ہے کہ یہ لوگ اپنی بہادری کی بہت تعریف کرتے ہیں کہ انگریزوں کے مقابلہ میں اُنہوں نے خوب داد مردانگی دی اب بھی وہی بہادری کا وقت ہے۔ یہ سُن کے چپکے ہو رہے۔ میں نے چھ سوار اپنے چچا کے ساتھ بھیجے اور کہلا بھیجا کہ آپ کے لشکر کے پاس سے مجھے توپوں کے چھٹنے کی آواز آ رہی ہے میں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ میں اِس مقام سے کبھی قدم نہیں ہٹانے کا اور اگر ضرورت ہوئی تو جنگ کے لیے بالکل تیار رہوں گا چچا کا حکم آتے ہی جس طرف جنگ دیکھونگا فوراً چلا جاؤں گا۔ ایک گھنٹہ کے بعد ایک آدمی میرے پاس دوڑا ہوا خبر لایا کہ یہ توپیں آپ کے چچا صاحب کی چھوٹ رہی تھیں کیونکہ شاہ بخارا دریائے جیحون کو عبور کر کے بھاگ گیا ٭

اسی اثنا میں میرے والد کا ایک افسر نہایت تجربہ کار مرد میدان اور معرکۂ جنگ کا شیر غلام علی خاں نامی دریائے جیحون کے خاص گارد کا نگراں تھا اور وہ شہر دہ نہر کے تین نہروں کا گورنر بھی تھا۔ یہ بہادر شخص سرحد کا معاینہ کرنے کے لئے مقام کرکی سے بوساگا چلا گیا تھا جوں ہی وہ پار اُترا اُس کا شاہ بخارا کے دو ہزار سواروں سے مقابلہ ہو گیا۔ باہم گولیاں چلنے لگیں خفیف جنگ کے بعد کل سوار بھاگ کے میر مظفر شاہ بخارا کے لشکر گاہ میں چلے گئے۔ اخیر میر اپنے ڈیرے خیموں اور سامان کا بہت سا حصہ چھوڑ کے بخارا روانہ ہو گیا۔ یہ کل سامان غلام علی نے گرفتار کر لیا اور بطور مال غنیمت کے اپنے سپاہیوں میں تقسیم کر دیا اور صرف شاہ بخارا کے ڈیرے میرے والد کو بھیج دیئے۔ فتح کی یہ خوشخبری سُن کے میں اپنے چچا کی خدمت میں حاضر ہوا اور طرفین کی خوش قسمتی پر مبارکباد دی۔ چچا کی اجازت لیکے دوسرے روز

دو بٹالن سواروں کی ایک رجمنٹ دو توپیں اور پانسو ملیشا کے آدمی تالیخان روانہ کئے تاکہ لوگوں کو یقین دلا دیں کہ ہمنے ابھی تک شہر سے قبضہ نہیں اٹھایا ہے۔ میں نے اِس مضمون کا ایک مراسلہ بھیجا کہ اگر بدخشاں والوں کی پھر نظریں بدلیں تو میں خود فوجوں کے ساتھ آناً فاناً میں اُن کی سرکوبی کے لیئے پہنچ جاؤں گا +

میں نے خان آباد میں ڈونڈے ڈالدیئے اور اپنے لشکر کی جس کو میں نے پانچ مہینے سے نہیں دیکھا تھا دیکھ بھال شروع کی۔ جب میری فوج تالیخان پہنچی تو وہاں کے لوگوں نے افغانی حکومت سے پھر بغاوت نہ کی اور اپنی قسمتوں پر صابر و شاکر ہوگئے میر شاہ کی چچا زاد بہن کو میرے چچا کے حبالہ عقد میں دینا چاہا اِس درخواست کو چچا نے بہت خوشی سے قبول کر لیا۔ میں اِس شادی کا سخت مخالف تھا میں نے بہتیرا چاہا کہ کسی صورت سے یہ شادی نہ ہو کیونکہ یہ محض دغابازی تھی یہ لوگ ہمارے جانی دشمن تھے۔ اور کوئی چال چلنا چاہتے تھے میں نے چاہا کہ بدخشاں پر حملہ کرکے زبردستی اسکو فتح کر لوں تاکہ شادی کا سلسلہ قطع ہو جائے مگر چچا راضی نہ ہوئے اور اُنہوں نے اپنی ضد پوری ہی کی یعنی شادی کی مٹھائی اخیر کھائی +

بدخشاں کے میروں نے جب یہ کیفیت دیکھی تو بہت خوش ہوئے اور اب اُنہیں اطمینان ہوا کہ معاملات یکسو ہو جائیں گے فوراً میر یوسف علی کو جو ایک نہایت دغاباز شخص تھا اپنی وفاداری اور خیرخواہی کا یقین دینے کے لئے معہ بیش قیمت تحائف کے چچا کی خدمت میں روانہ کیا یہ تحفے دیکھتے ہی اور چکنی چپڑی باتیں سنتے ہی چچا نے فتح ملک کی بابت اپنے خیالات بالکل بدل دیئے۔ میری والدہ ماجدہ نے جب معاملات کا سکون دیکھا تو اِس پُرامن موقع سے فائدہ اٹھا کے والد کو لکھا کہ عبدالرحمن کو اجازت دیدی جائے کہ وہ مجھ سے آکے مل جائے۔ والد نے منظور کر لیا اور مجھے لکھا کہ تو اپنی ماں کی قدم بوسی تختہ پول آکے کر۔ میں کرنیل اور کمان افسروں کی سرکردگی میں فوج کو چھوڑ کے اپنے چار سو باڈی گارڈ کے سوار کے ساتھ روانہ ہوا۔ رستہ میں میں نے تشکر خان بھی قیام کیا اور یہاں سے شاہ اولیا کی زیارت کرنے کے لیے حاضر ہوا۔ میں نے اپنی پیشانی کو اُن کے آستانہ پر ملا تاکہ وہ اپنے مزار کی روشنی سے میری آنکھوں کو منور کریں۔ روحانی امداد سے جو بزرگ کے مزار سے ملی مطمئن ہو کے تختہ پول روانہ ہوا اور منزل مقصود پر پہنچ کے والدین کے ہاتھوں پر بوسہ دیا اُنہوں نے میرے آنے کی خوشی میں خیرات

بانٹی اور میرے رشتہ داروں نے بھی صدقات دیئے۔ دوسرے روز میگزینوں ۔ کارخانوں اور گودامو
معاینہ کیا سب کو اچھی حالت میں پایا میں نے ان کارخانوں کے سپرانٹنڈنٹوں کی تنخواہیں
بھی بڑھا دیں اور خلعت و انعامات وغیرہ بھی دیئے جتنے خیموں اور سامان وغیرہ کی میری فوج کو
کتغان ضرورت پڑی تھی۔ میں نے حکم دیا کہ وہ کل سامان یہیں تیار ہو یہ کل اشیاء یہاں تیار ہوئیں
اور ایک مہینہ سے کم میں بھجوا دی گئیں +

ایک سال تک تختہ پل کی فوج کا انتظام بذات خود اپنے ہاتھ میں رکھا اخیر سال موسم بہار میں
کتغان چلا آیا۔ ایک عجیب واقعہ جس کا ذکر ضرور کروں گا رستہ میں واقع ہوا۔ قیام کرنے کے بعد ایک
مقام پر جس کا نام کزو بنیار (یعنی وہ مقام جہاں لڑکیاں کھیلتی ہیں) ہے اِرد گرد کی پہاڑیوں پر جہاں
باربرداری کے جانور چر رہے تھے ہوا خوری کرنے نکلگیا۔ اِس وقت ایک سپاہی بھی میرے ساتھ تھا وہ سب
بچھڑ کے پیچھے رہگئے تھے کہ ایک جنگلی اُونٹ نے مجھ پر حملہ کیا میرے پاس اِس وقت کوئی ہتیار نہ تھا ہاں
کمر میں پیش قبض موجود تھا میں نے ایک بڑے پتھر کے گرد پھرنا شروع کیا اُونٹ بھی برابر میرے ساتھ
چکر لگا رہا تھا اور مجھے دوڑ کے پکڑنا چاہتا تھا۔ جب میں بہت بھاگا اور اُونٹ باز نہ آیا نہ میرا کوئی
سپاہی آکے پہنچا تو اونٹ سے مقابلے کی ٹھان لی کیونکہ میں تھک گیا تھا اور ایک جگہ کھڑے ہوکے
بڑا پتھر اُٹھا لیا۔ پھر وہ پتھر اس زور سے اُس کے کان پر مارا کہ وہ گھٹنوں کے بل آ رہا۔ اِس سے پہلے کہ وہ پھر
اُٹھے میں نے پیش قبض نکال کے اِس کا گلا کاٹ ڈالا خون فوارے کیطرح اچھلا میں خون میں سارا نہا
گیا جب میں نے اُونٹ کو اپنی آنکھوں سے گلا کٹے ہوئے اور مرتے ہوئے دیکھا تو میرے دماغ میں
چکر سا آگیا۔ اور غالباً میں گھنٹہ بھر بیہوش پڑا رہا +

جب مجھے ہوش آیا تو میں اُونٹ کو مرا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اِس جُرم میں کہ ملازموں نے اتنی
دیر تک میری خبر نہ لی تیس تیس کوڑے ہر شخص کو لگوائے اور حکم دیدیا کہ آیندہ سے میرا باڈی گارڈ ایک
لمحہ کے لیئے بھی مجھ سے جدا نہ ہو دو تین قابل بھروسہ اشخاص ہمیشہ میرے پاس رہتے ہیں
کون نہیں جانتا کہ یہ دُنیا خطروں سے بھری ہوئی ہے +

کتغان کا لشکر مجھے دیکھ کے بہت خوش ہوا میں نے اپنے والد کا ایک پیغام سپاہ کو پہنچایا کہ والد
ماجد تمہیں مثل اپنے بچوں کے سمجھتے ہیں جس طرح وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں اسی طرح تمہیں بھی غرض

جانتے ہیں۔ یہ سنتے ہی سب سپاہیوں نے غل مچا کے کہا کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے باپ سردار محمد افضل خاں پر جان قربان کرنے کو حاضر ہے۔ اپنے چچا کو بھی والد کا سلام کہا پھر میں گھر واپس چلا آیا یہاں جنگی افسروں نے میری دعوت کی تھی اور میرے اعزاز میں آتش بازی چھوڑی تھی۔ دوسرے روز حسب عادت میگزین اور کارخانے دیکھنے گیا الحمدللہ کہ ان کا انتظام قابل اطمینان پایا تیسرے دن حکم دیا کہ میں تمام لشکر کا معاینہ کروں گا +

ایک ہفتہ کے قیام کے بعد تالیخان کی فوج کے دیکھنے کے لیئے روانہ ہوا اسے بھی میں نے قابلِ اطمینان پایا۔ بدخشاں کے میروں نے میری آمد کی خبر سنکے مجھے تحفۃً چھ خوبصورت غلام نو گھوڑے چاندی کے سازو یراق سے آراستہ۔ نو تھلے شہد خالص۔ پانچ شکرے اور دو شکاری کتے بھیجے اس کے بدلہ میں میں نے کچھ تحفے اور خلعتیں میر بدخشاں کو بھیجیں اور ایک خط بھی لکھا جس میں یہ تحریر تھا کہ آپ لوگوں کو یاد ہو گا آپ نے چند معدنیات کے دینے کا وعدہ کیا تھا ایک کان زبرجد کی پانچ سونے کی اور اسی طرح دوسری چند معدنیات ہیں ان کانوں کی بابت جب اپنے چچا سے دریافت کیا تو معلوم ہوا ابھی تک ہمارے قبضہ میں نہیں آئیں۔ خط پہنچتے ہی بدخشاں کے میروں نے مطلوبہ معدنیات پر مجھے قبضہ دیدیا چند قیمتی جواہرات اُن کانوں میں سے نکلوا کے اپنے والد کی خدمت میں روانہ کردیئے +

اس کے بعد دو سال کے واقعات درج کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اس زمانہ کے اخیر میں والد نے میرے چچا کو بلایا اور پھر اُنہوں نے چچازاد بھائی سردار عبدالغیاث خاں کو گورنر کردیا۔ میرا چچا کچھ عرصہ کابل میں قیام کرنے کے بعد اپنی جاگیر کرم کھوسٹ میں چلا گیا۔ جب میں مقام تشری میں چچا سے ملا تو اُنہوں نے میرے والد کا یہ پیغام دیا کہ میں مقام ایبک آ کے اُن سے ملوں اور پھر وہاں سے بلخ روانہ ہو جاؤں۔ خان آباد کے فوجی افسروں کو واجبی ہدایات کرکے میں ایبک چلا آیا اپنے والد کے دست مبارک کو بوسہ دیا اور آپ کی ہمرکابی میں تختہ پول آیا اور یہاں ہم دونوں تمام موسم سرما مقیم رہے +

نوروز کے موسم بہار میں سردار عبدالغیاث خاں طاعون سے جاں بحق تسلیم ہو گئے ادھر ہرات میں فساد پیدا

ف۱ اس کے بیٹے عبدالرشید کو سنہ ۱۸۹۶ء میں جلال آباد کا گورنر میں نے مقرر کیا لیکن اُس کی بیرحمی اور مظالم کی وجہ سے اُسے موقوف کردیا

ہوگیا جہاں سردار سلطان احمد خاں میرے دادا کا بھتیجہ اور شاہ ایران کا ایک افسر گورنر تھا۔ اس شخص نے قندھار میں فساد پھیلا دیا تھا اس کی سرکوبی کے لیئے میرے دادا دوست محمد خاں میرے چچا کو ساتھ لیکے روانہ ہرات ہوئے۔ اور جاتے ہی قلعہ ہرات کا محاصرہ کرلیا کئی مہینے تک محاصرہ رہا ماہ مارچ میں بشارت انگیز خبر کو سنکے شہر فراح (صوبہ ہرات کا ایک شہر) فتح ہوگیا میں اور میرے والد پھولے نہیں سمائے۔ اِس خوشی کی خبر پر خیرات وغیرہ تقسیم کرنے کے بعد والد نے مجھے خان آباد کی فوج کا گورنر جنرل بناکے بھیجا میں نے جاکے دیکھا تو ملک کا انتظام بہت ہی خراب پایا۔ ہر شہر کے گورنر زمینداروں سے محاصل وصول کرلیتے ہیں اور خود کھاکر جاتے ہیں۔ مرحوم سردار کو کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ہورہا ہے یہ شخص طب کا زیادہ مذاق رکھتا تھا اور شب و روز نسخہ نویسی میں اِس کی زندگی کٹتی تھی گورنری کا کام کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ بزدل اس قدر تھا کہ میر بدخشاں کی ایک بھبکی میں ڈر گیا تھا جو اس نے ایک چور کے چھڑانے میں دی تھی۔ یہ شخص (میر شاہ) جس نے اپنے عہدہ کو اس قدر بدنام کیا مرچکا ہے اور اب اس کی جگہ اسکا بیٹا میر جہاندار شاہ کام کرتا ہے۔ اِس کے بھتیجے میر شاہ سید نے اس کے بھائی میر یوسف علی کو میرے ایک سال پہنچنے کے قبل قتل کرڈالا تھا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا جانشین ہوا تھا اگرچہ یہ دیوانہ۔ افیمی اور شرابی شخص تھا۔ میر بابا بیگ حکمراں کشم (جس کا باپ اِن دو بھائیوں کے آگے مرچکا تھا) میر شاہ کی بیوہ اور یوسف علی کی بہن پر عاشق ہوگیا۔ اخیر شادی ہوگئی جہاندار شاہ کو اِس نکاح سے بہت غصہ آیا اِس نے فوراً کشم پر حملہ کر دیا اور بابا بیگ کو قید کرکے اُس کی سوتیلی ماں سے نکاح کرلیا اور فخراً بیان کرنے لگا کہ میں نے میر بابا بیگ کی سگی ماں سے نکاح کیا ہے۔ میرے پہنچنے سے کچھ ہی عرصہ پہلے میر بابا بیگ قید سے چھٹ کے خان آباد بھاگ آیا تھا مجھے یہاں پہنچ کے یہ بھی معلوم ہوا کہ سال گذشتہ کے آٹھ مہینے کی تنخواہ سپاہ کو نہیں ملی ہے اور اِس سال کے بھی چار مہینے چڑھ گئے ہیں۔ جاتے ہی سب سے پہلے کل سرکاری محاصل جمع کئے اور فوجوں کو تنخواہ دینی شروع کی۔ دو بٹالینوں کے افسر اور میرے چچا کی فوج کے چار سو سوار بھی خان آباد میں متعین تھے۔ مرحوم سردار کی بے پروائی سے فائدہ اُٹھا کے انہوں نے بھی بڑی مقدار سرکاری آمدنی کی خورد برد کرلی تھی۔ میں نے پہنچتے ہی ان تمام بدعتوں کا خاتمہ کردیا اور اب لوگ مجھے تیز تیز نظروں سے دیکھنے لگے۔ اور انہوں نے مجھسے اِس طریقہ سے انتقام لیا کہ لشکر کو باغی کردیا اور بہکایا کہ تم

سنسب کابل چلے جاؤ۔ میرا چچازاد بھائی میر عزیز کابل میں تھا اور اس کے باپ کی فوج کا برائے نام سپاہ سالار گیارہ برس کا بچہ تھا جس پر اس کے معلموں کا بُرا اثر پڑا ہوا تھا اور یہ کُل معلم مذکورہ بالا بٹالینوں کے افسروں سے مل گئے تھے۔ ان لوگوں نے فوج کو اس صورت سے بہکایا کہ یہ ملک تمہارے آقائے نامدار کا ہے عبدالرحمٰن کون ہوتا ہے جو گورنری کے معاملہ میں دست اندازی کرے۔ یہ بھی انہوں نے کہا کہ ہم اپنے اصلی آقا کے بیٹے کو ساتھ لیکے کابل جائیں گے +

جاہل سپاہیوں پر اس ورغلانے کا بہت اثر ہوا کہ اسی اثناء میں میرے دادا دوست محمد خاں کے مرنے کی خبر پہنچی۔ اس وفات سے جرأت حاصل کرکے سپاہ نے میرا گھر گھیر لیا اور ایک بڑے پتھر سے دروازہ توڑنے کی تجویز کی اور چاہا کہ زبردستی اندر گھس آئیں۔ میری فوج فوراً موقع واردات پر پہنچی اور مفسدوں کو پراگندہ کردیا۔ مفسد فوج بھاگ کے کابل چلی گئی لیکن سرغناؤں نے فوج کے ساتھ کابل جانا مناسب نہ جانا۔ تین روز کے انتظار کے بعد سپاہی شکستہ خاطر ہوگئے اور میرے پاس ایک عرضی بھیجی کہ آپ ہمارا قصور معاف کردیں ہم بالکل بےگناہ ہیں ہمیں تو ہمارے افسروں نے برگشتہ کیا تھا۔ میں نے اس عرضی کا جواب دیا کہ تم اُن افسروں کے نام بتادو جنہوں نے تمہیں گمراہ کیا تھا ہاں اس شرط پر میں تمہارا قصور معاف کردوں گا۔ اگر تم نے اُن افسروں کے نام بتانے میں پس و پیش کی تو تم فوراً کابل چلے جاؤ مجھے تمہاری خدمات کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے جواب میں فوجوں نے اُن افسروں کے ناموں کی ایک فہرست بھیجی جس میں آٹھ کپتانوں اور نائب لیفٹنٹوں اور فوج کے کمان افسروں کے معہ محمد عزیز کے اتالیقوں کے نام درج تھے اور لکھا ہوا تھا کہ ان لوگوں نے میری مخالفت پر قرآن مجید کی قسمیں کھائی تھیں۔ اس پر فوراً فوج کا قصور معاف کرکے آٹھ کپتانوں کو توپ سے اُڑا دینے کا حکم دیا اور فوج کے باقی کمان افسروں کو صرف موقوف ہی کردیا۔ کیونکہ وہ میرے چچا کے خدمتگاروں میں سے تھے اس طرح سے ملک میں امن و امان قایم ہوگیا +

جوں ہی میرا اتالیق نے میرے دادا کی وفات کی خبر سنی اپنے بیٹے سلطان مُراد خاں کو کتغان بھیجا کہ رعایا کو بغاوت پر آمادہ کرے۔ میں نے یہ سنتے ہی ایک زبردست فوج جس میں تین بٹالن بارہ توپیں ایک ہزار سوار دو ہزار ملیشیا پیادہ فوج سردار محمد عالم اور سردار غلام خاں کی سرکردگی میں مفسدوں کو سزا دینے کے لیے مقرر کی۔ میرا خیال تھا کہ مقام نرین پر شور آب کے راستہ میں دشمن سے مقابلہ

ہوگا۔ سردار عالم حسب عادت سو سواروں کے ساتھ بڑھا چلا گیا۔ میں نے بارہا اُسے سمجھایا تھا کہ ایک سپاہ سالار کے لئے یہ بڑی خطرہ کی بات ہے کہ بغیر فوج ہراول کے خود آگے بڑھا چلا جائے۔ ایک دن اِس پر دو ہزار کتغان کے سواروں نے جو پہاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے حملہ کیا۔ سردار اِس قسم کا نہ تھا کہ ہتیار ڈال دیتا مُٹھی بھر سواروں کے ساتھ قدم جما کے کھڑا ہوگیا اور ایک ایک بہادر نے میدان جنگ میں معہ سردار کے جان دیدی۔ یہ خبر سنتے ہی ایک دستہ رسالہ کا مفسدوں کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا اور اس سے پہلے کہ مفسد سردار کی لاش اُٹھا کے لیجائیں میدان کارزار میں پہنچ گیا۔ ایک خونریز جنگ کے بعد کتغان کے سواروں کو شکست دی۔ یہ شکست یاب فوج تین سو مقتولین اور مجروحین چھوڑ کے میدان جنگ سے نزین بھاگ گئی +

دوسرے روز میدان کارزار نے جنگ کا انقطاعی رنگ اختیار کرلیا یعنی چالیس ہزار باغی نزین پر جمع ہوگئے اور اُنہوں نے ایک ہی دن میں اپنی قسمتوں کا فیصلہ کرنا چاہا۔ علی الصباح بجر دم نور کے تڑکے حملہ شروع ہوا اور سہ پہر تک جنگ ہوتی رہی۔ دشمن نے نہایت شجاعت سے جنگ کی لیکن نتیجہ جنگ اُنکے حق میں اچھا نہیں ہوا وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور میرے تازہ حملوں کی تاب نہ لاسکے۔ نسبتاً میرا نقصان بہت ہی کم ہوا معہ سردار غلام خاں کے میری فوج کے تیس سپاہی مقتول اور مجروح ہوئے ایسے خفیف ترین نقصان کے ہونے کا سبب یہ ہے کہ میری فوج قواعد میں بہت شائستہ تھی اور چونکہ دشمن فنون جنگ سے بالکل ناآشنا تھا جمع ہوکے حملے کرتا تھا میری توپیں اُن کا ستراؤ کر دیتی تھیں۔ اِس دن میں نے اپنی فوج پر فخر کیا جس طریقہ سے اس نے جنگ کی وہ تعریف ہی کے قابل ہے۔ وہ لوگ بخوبی سمجھ سکتے ہیں جو فنون جنگ سے واقف ہیں کہ ایسے ناشائستہ عظیم گروہ سے میدان جنگ میں کچھ بھی خوف نہیں ہوسکتا چالیس ہزار آدمیوں کا میدان میں جمع ہونا ایک عجیب پرخوف نقشہ آنکھوں کے آگے کھینچتا تھا یہ معلوم ہورہا تھا گویا پہاڑ حرکت میں ہے +

میں نے کتغان میں ایک مخبر مقرر کر دیا تھا کہ کل خبریں پہنچاتا رہے مگر اُسے سلطان مراد خاں نے قید کرلیا۔ جب میری فتح کی خبر کتغان پہنچی تو وہ کسی ترکیب سے بچ کے بھاگ آیا اور کہیں سے ایک گھوڑا لیکے اور اُس پر سوار ہوکے سیدھا میرے پاس دوڑا ہوا آیا مگر آتے ہی ضعف کی وجہ سے بیہوش ہوگیا۔ جب اُسے ہوش آیا اور اُس کے اوسان درست ہوئے تو بیان کیا کہ روزمرہ چالیس

کوڑے مجھے مارے جاتے تھے۔ میرے ڈاکٹروں نے بیان کیا کہ اس کا جسم کوڑے کھاتے کھاتے سیاہ
ہوگیا ہے اسوقت معلوم ہوا کہ اس پر کتنا ظلم کیا گیا اور کس بے دردی سے اُس کی کھال اُدھیڑی
گئی ہے۔ مخبر نے بیان کیا کہ کتغان میں کل خاندان اور سارے لوگ کہیں حفاظت کے مقام پر جانیکے
لیئے شہر چھوڑنے پر آمادہ ہیں میں نے فوراً نائب غلام خاں دُرّانی کو جو ایک ہوشیار مگر سُست
شخص تھا رسالہ اور توپخانہ کے ساتھ روانہ کیا تاکہ اس سڑک پر قبضہ کرے جو بدخشاں کو جاتی ہے تالیقان
کی پیادہ فوج کو بھی حکم دیا کہ اس مہم میں شرکت کرے۔ دشمن کے پس پاہونے کا راستہ کاٹنے کے لیئے
سُورآب سے کمنذر کے قاضی کو بدخشاں کے تین میروں کے ساتھ روانہ کیا جو لوگوں میں بہت ہی ہر دلعزیز
تھے ان آدمیوں کے پاس میں نے خط بھیجے جن میں معافی کا وعدہ کیا گیا تھا جب اُن لوگوں نے یہ دیکھا
میری فوجوں نے بھاگنے کے راستے بند کردیئے ہیں اور یہ بھی اُنھوں نے سمجھ لیا کہ کتغان لشکر امیر سے مقابلہ
نہیں کرسکتا ادھر معافی کے میرے وعدے دیکھے تو سیدھے میری خدمت میں معافی کے خواستگار ہوکے
آئے اسکے جواب میں مینے ایک اعلان شائع کیا کہ میں دو شرطوں پر قصور معاف کرسکتا ہوں پہلی شرط
تو یہ ہے کہ وہ خدا و رسول کی قسم کھائیں کہ ہم اور ہمارے بچے ہمیشہ حکومت کابل کے وفادار بنے رہیں گے
اور میروں کے ورغلانے سے کبھی کوئی ایسی بات نکریں گے جو حکومت کابل کے برخلاف ہو اور
اسکو نقصان پہنچائے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اپنی اس بداعمالی کا تاوان بارہ لاکھ روپے پیش کریں
تھوڑے ہی عرصہ کے بعد اُن کا یہ جواب آیا کہ ہم دونوں شرطیں آپ کی منظور کرتے ہیں ہم ہمیشہ آپ کے
تابعدار رہیں گے اور حلقہ بگوشی سے کبھی باہر نہ ہوں گے اور آپکے پہلو بہ پہلو ہو کے آپکے دشمنوں سے
جنگ کریں گے۔ یہ لوگ میرے بہت ہی ممنون ہوئے اور اُنھوں نے میرا بڑا شکریہ ادا کیا کہ مینے
اُن کے اونٹ اور گھوڑے اور بہت سا سامان قیمتی دو کروڑ روپیہ کا اُنہیں واپس دیدیا +

یہ عہدنامہ میں نے اپنے والد کی خدمت میں بھیج دیا اور اب یہاں ہر طرح سے امن امان ہوگیا پہلا
کام یہ کیا کہ محاصل کے پندرہ لاکھ روپے جمع کرنے شروع کئے جو حکومت افغانستان کے ان لوگوں
باقی تھے وہ روپیہ وصول کرکے میں نے اپنی فوج کو تقسیم کردیا۔

اسی اثناء میں بدخشاں کے سوداگران پارچہ جات نے مجھے سخت تکلیف دی یہ قاعدہ تھا کہ سوداگر بدخشاں
اور کتغان کے راستہ میں ہفتہ کے خاص دنوں میں گھوڑے پر سوار سفر کیا کرتے تھے بہت عرصہ

گزرا کہ ان ہی خاص دنوں میں بہت سی لاشیں یہاں سے برآمد ہوئیں۔ اس قتل و غارت کو روکنے کے لئے میں نے کچھ سپاہی مقرر کئے کہ ادہر اُدہر پوشیدہ ہو جائیں اور چند سواروں کو معمولی آدمیوں کے کپڑے پہنا کے اس راستہ سے روانہ کیا اور انہیں ہدایت کر دی کہ جس وقت تم پر حملہ ہو فوراً سپاہیوں کو اطلاع دیدو یہ لوگ مقام مقصود پر پہنچے اور پچاس سوداگروں کو میرے پاس گرفتار کر کے لائے۔ میں نے اون کے ہتیار گھوڑوں کا ساز و یراق تو سواروں میں تقسیم کر دیا اور اُن کے گھوڑے توپخانہ میں دیدئے اور دس ہزار روپئے جو اُن کے پاس تہے چھین کے گورنمنٹ کے خزانہ میں روانہ کر دیئے۔ سوالات سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ دو برس سے قزاقی کیا کرتے تہے۔ چونکہ یہ لوگ افغانیوں کے جانی دشمن تھے اور انہوں نے ہر افغانی کے سر کے دو ہزار روپیہ انعام مقرر کر رکھے تھے میں نے توپوں سے بندھوا کے انھیں اُڑوا دیا۔ کیونکہ ان لوگوں نے میرے غیر مسلح آدمیوں پر بہت ہی ظلم توڑے ہتے یہ سزا انھیں عام مجمع میں دی گئی ان کا گوشت کیمپ کے کتوں نے کھایا اور اُن کی ہڈیاں جبتک یہ جلوس نہ ختم ہو گیا وہیں پڑی رہیں۔ جب ان لوگوں کی ہڈیاں دفن ہو چکیں میر جہاندار شاہ نے جسے اس کیفیت کی خبر نہ تھی اپنا وہ قاصد میرے پاس بھیجا جسے اس نے عبدالغیاث خاں کے پاس ایک قیدی کو رہائی دلوانے کے لئے بھیجا تہا۔ یہ قاصد جہاندار شاہ کا خط میرے نام لایا جس کا یہ مضمون تہا کہ آپ نے میری رعایا کو کیوں گرفتار کیا اور کیا حق تہا کہ آپ انہیں گرفتار کرتے بس بہتر یہی ہے کہ خط دیکھتے ہی کل قیدیوں کو اس قاصد کے سپرد کر دیا جائے۔ اگر میرے اس خط کی تعمیل نہ ہوگی تو میں تمہارے باپ اور چچا کو کابل لکھ کے بھیجوں گا کہ تمہارا بیٹا اور بھتیجہ بدخشاں کے لوگوں کو تمہارے اور میرے خلاف آمادہ کر رہا ہے۔ یہ خط میں نے عام دربار میں باواز بلند پڑھا۔ اور اس ایلچی سے پوچھا آیا تو بتا سکتا ہے جس وقت جہاندار شاہ نے مجھے یہ خط لکھا ہے وہ اپنے ہوش و حواس میں بھی تھا یا نہیں۔ ایلچی نے ان الفاظ میں جواب دیا "میرے بادشاہ میر صاحب نے مجھے حکم دیا ہے کہ آپ فوراً اُن قیدیوں کو میرے حوالہ کر دیں اور ایک لمحہ کی بھی دیر نہ کیجے ورنہ میرا بادشاہ آپکے خلاف دوسری کارروائی کرنے کو بالکل آمادہ ہے۔" میں نے فوراً حکم دیا کہ اس کی ڈاڑہی اور مونچھیں اُکھیڑ لو اور اس کی بھوؤں کو مثل عورتوں کے رنگ دو پہر میں اُسے اس مقام پر لیگیا جہاں سوداگروں کی ہڈیاں پڑی ہوئی تھیں پہر اس کی ڈاڑہی اور موچھیں ایک نفیس کپڑے میں رکھکے

کہا کہ یہ تم اپنے میر کے پاس لیجاؤ یہ اُس کے خط کا جواب ہے جو تم لیکے آئے تھے۔ اس شخص کے ساتھ میں نے
ایک زبردست فوج جس میں دو بٹالین دو ہزار رسالے کے سوار ایک ہزار اوزبک سوار دو ہزار پیادہ
فوج اور بارہ توپیں تھیں محمد زماں خاں سکندر خاں۔ اور نائب غلام احمد خاں کی سرکردگی میں تالیخان
روانہ کی۔ جب یہ فوج وہاں پہنچ گئی تو میرے افسران فوج نے ڈاڑھی اور موچھوں کے جواب کے ساتھ
ایلچی کو جہاندار شاہ کے پاس روانہ کیا۔ جوں ہی سفیر جہاندار شاہ کے دربار میں پہنچا تو اُس پر لعنت
ملامت پڑنے لگی کہ تو اُن قیدیوں کو کیوں نہیں لایا جن کے لینے کے لئے میں نے تجھے بھیجا تھا۔
یہ شخص اپنا مُنہ ڈھانکے ہوئے تھا میر کے اس کہنے پر چہرہ کھولدیا اور وہ طلائی کپڑا جس میں ڈاڑھی
اور موچھیں لپٹی ہوئی تھیں میر کے قدموں پر رکھدیا اور یہ کہا "میں نے حضور کا خیالی مُراسلہ لیجا کے یہ
گت بنوائی اب حضور ہوشیار رہیں ورنہ سخت صدمہ پہنچنے کا اندیشہ ہے" یہ سنتے ہی میر آگ
بگولا ہو گیا۔ حکم دیا کہ فوراً فوج تیار ہوکے خان آباد پر بڑھے اس کے بعد اُسے خبر پہنچی کہ افغانی سپاہ نے
عملی طور پر تمام ملک کو زیر و زبر کرکے فتح کرلیا ہے اور تمام لوگ مطیع ہو گئے ہیں +

جب اس خبر کی تصدیق ہو گئی میر جہاندار بدحواس ہو گیا اور اس کا دل ہاتھ سے نکل گیا۔ سرداروں نے
بجائے تسلی دینے کے یہ کہا "تمہارے والد نے تو اس خوفناک شخص سے اپنی لڑکی پیش کرکے بمشکل اپنی
جان بچائی تھی تم ایسے نادان نکلے کہ اُسے ایسا سخت خط لکھ کے بھیجدیا" اُس نے جواب دیا اخیر تم میرے
باپ کے مشیر تھے مجھے بھی کوئی مشورہ دو کہ میری جان بچے" یہ سنکے جہاندار شاہ کے امیروں نے باہم مشورہ کرکے
یہ طے کیا کہ جہاندار شاہ کا بھائی عبدالرحمٰن کے سلام کو جائے بارہ سردار ہمراہی میں ہوں چالیس غلام
بہت سے چینی ریشمی کپڑے۔ غالیچے اور چینا وغیرہ نذر گزراننے کے لئے اپنے ساتھ لیجائے اور میر شاہ
خود اپنے ہاتھ سے معافی کا ایک خط عبدالرحمٰن کو تحریر کرے اور درخواست کرے کہ میں اپنی سگی یا چچا زاد
بہن نکاح میں دینے کو تیار رہوں اس صورت سے تو امید پڑتی ہے کہ میرا تالیق کی خونی قسمت سے
اے جہاندار شاہ تو اپنے کو بچا لیگا۔ میر جہاندار شاہ نے سوائے اس مشورہ پر عمل کرنے کے اور کوئی چارہ
کار نہ دیکھا فی الفور اپنے بھائی کو مذکورہ بالا نذرانہ کے ساتھ میرے پاس بھیجا اور میرے افسروں سے
کہلا بھیجا خدا کے لئے ابھی تم مجھپر کوئی حملہ نکرنا میں نے اپنے بھائی کو خان آباد بھیجا ہے جب تک وہ
وہاں سے واپس نہ آجائے اور تمہیں تمہارے آقائے نامدار کی طرف سے دوسرا حکم نہ پہنچے تم ہی جنگ کو

ملتوی کر دو۔ میرے افسران فوج کے پاس یہ خط مقام گولوگان (بدخشاں میں) جہاں دو تین دن کے بعد پہنچے تھے آیا انہوں نے فی الحال حملہ کرنا ملتوی کر دیا اور میرے پاس ساری کیفیت لکھ کے بھیجدی اور حکم کے منتظر ہوئے۔ ٹھیک وقت میں میر جہاندار شاہ کا بھائی تین ہزار ملازموں کے ساتھ میرے پاس پہنچا۔ اس نے اپنے بھائی کا مجھے خط دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ میں ہر وقت شراب کے نشہ میں رہتا ہوں مجھے خبر نہیں رہتی کہ میں کیا لکھ رہا ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں یہ دیکھ کے میں مسکرایا اور میں نے سرداروں سے کہا کہ جہاندار شاہ کا یہ معافی نامہ واقعی بہت مدلل ہے چونکہ مجھے خان آباد کے لوگوں سے کوئی جھگڑا کرنا تو تھا ہی نہیں نہ کوئی وجہ تھی جس سے میں جنگ کرتا میں نہایت مہربانی اور شفقت سے پیش آیا اور انہیں اطمینان دیدیا کہ تمہارے میر کا قصور معاف کر دیا گیا ہے انہیں خلعت ہائے فاخرہ سے سرفراز کیا لیکن جہاندار شاہ کی بہن سے شادی کرنے سے اس بنا پر انکار کیا کہ جب میر اتالیق کی ایک بیٹی میرے چچا کو منسوب ہے بس رشتہ داری کے لئے میں اسی شادی کو کافی سمجھتا ہوں مجھے خود شادی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح سے ایک عرصہ کے لئے بدخشاں کی مشکلات کا خاتمہ ہو گیا۔

ایک عجیب تجربہ یا الہام مجھے ہوا جس سے مجھے بہت ہی خوشی ہوئی اس کا بیان یہاں ضرور کرونگا ایک دن جب میں اپنا دربار کر رہا تھا میر اعظم کی لڑکی کا خط جو کابل میں تھی اور جس سے میری منگنی ہو گئی تھی میرے پاس آیا۔ اس خاتون نے اپنے نامہ بر کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ خط میرے ہی ہاتھ میں دے اور کسیکو نہ دکھائے اور جواب بھی امیر عبدالرحمن ہی سے لکھوائے اور اسی کے ہاتھ سے مُہر کرائے چونکہ میں پہلے لکھ آیا ہوں کہ مجھے پڑھنے لکھنے سے سخت نفرت تھی پھر مجھے یہ خیال نہ رہا کہ کم سے کم اپنی نوشت و خواند تو درست کر لوں اس خط کو دیکھ کے میں بالکل مایوس ہو گیا میرا دل بیٹھ گیا۔ اور میں خود ہی ملامت کرنے لگا کہ جب میں اپنے کو ایسا اعلےٰ درجہ کا شخص سمجھتا ہوں اور پڑھنا ایک حرف نہیں جانتا تو میں انسان ہی کیونکر ہوا ایک کندۂ ناتراش شخص کو ہرگز انسان نہیں کہہ سکتے۔ وہ خط لیکے خاموش ہو رہا۔ شب کو بہت رویا اور گڑگڑا کے نہایت خضوع اور خشوع کے ساتھ قاضی الحاجات کی درگاہ میں دُعا کی کہ میرا دل کھول دے اور اولیا اللہ کی روح سے مجھے برکت دے میں نے یہ دُعا کی اے ذوالجلال رب میرے دل کو روشن کر میرے ضمیر کو منور کر تا کہ میں لکھ پڑھ سکوں

اپنی مخلوق کے آگے مجھے ذلیل و شرمندہ نہ کیجیو" میں روتے روتے پو پھٹنے پر سو رہا۔ خواب میں دیکھا کہ
ایک بزرگ شخص میرے پاس آیا ہے۔ ان بزرگ کا متوسط درجہ کا قد مگر سیدھا المند آنکھیں نازک
ابروئیں۔ لمبی ڈاڑھی۔ بیضاوی چہرہ اور لمبی لمبی انگلیاں تھیں آپ کے سر پر سفید عمامہ بندھا ہوا تھا
کمر سے انگوچھا لپٹا ہوا تھا اور ہاتھ میں ایک عصا تھا جسکے نیچے شام لوہے کی تھی وہ میرے سر کے
پاس آ کھڑے ہوئے اور بہت آہستہ سے کہا عبدالرحمن اٹھ اور لکھ میرے اس کہنے سے آنکھ
کھل گئی تو کسی کو اپنے پاس نہ دیکھا۔

میں پھر سو رہا اور پھر وہی بزرگ صورت ظاہر ہوئی اور یہ ارشاد کیا، "میں کہتا ہوں کہ لکھ" سو نہیں
یکایک میری پھر آنکھ کھل گئی اور میں نے اپنے پاس کیسکو نہیں دیکھا۔ پھر میری آنکھ لگ گئی تیسری بار
پھر مقدس بزرگ نمودار ہوئے اور اب کے بڑے غصہ میں ارشاد کیا کہ "اگر تو اب کے بھی سو گیا تو میں
اپنے عصا سے تیرا سینہ چھید ڈالوں گا"

یہ سنتے ہی میرا کلیجہ کانپ گیا اور میں چونک پڑا پھر میری آنکھ نہیں لگی۔ فوراً آواز دے کے میں نے
اپنے خدام سے قلم کاغذ طلب کیا اور جو حروف میں نے پہلے لکھے تھے انہیں سوچنے لگا یکایک خدائے
قادر مطلق کی پوشیدہ قوت نے میری رہنمائی کی اور میں وہ حروف یکے بادیگرے لکھنے لگا میری یاد نے
جو کچھ میں نے پڑھا تھا دوبارہ مدد کی اور میری سمجھ میں آگیا اور میں نے کاغذ پر ایک لفظ کے بعد دوسرا لفظ
لکھا اس صورت سے میں نے ساٹھ ستر سطروں کا ایک خط طلوع آفتاب سے پہلے پہلے لکھ لیا۔ بعض حروف
نہ مل سکے اور بعض بہ مشکل ملائے گئے لکھنے کے بعد اسکو پڑھا تو مجھے معلوم ہوا کہ میں سب پڑھ سکتا ہوں
مجھے اپنے خط میں اغلاط بھی معلوم ہوئیں جو بہ کثرت تھیں میں نے اس خط کو پھاڑ ڈالا اور پھر لکھا اور اب کے
مجھے بہت خوشی ہوئی کیونکہ اب کے صحیح لکھا گیا تھا۔ اپنے گورنروں کے دو تین خط میرے نام آئے ہوئے تھے
کھول کے پڑھے اور جب ان خطوں کو پڑھ لیا تو میں پھولا نہیں سمایا دربار کا وقت آگیا تو عین دربار
میں میرا معتمد جو مجھے کاغذات پڑھ کے سنایا کرتا تھا میری خدمت میں حاضر ہوا اور مختلف عرضیاں اور
نامے مجھے سنانے لگا میں نے اس سے کہا کہ آج کل خطوط اور عرضیاں میں خود ہی پڑھوں گا تم میری
اغلاط کی صرف صحت کرتے جاؤ معتمد نے مسکرا کے کہا "حضور تو نہیں پڑھ سکتے" یہ سنتے ہی میں نے ایک خط
کھولا اور پڑھنے لگا دو سو خطوں کو اسیطرح پڑھ لیا اور ان میں سے سو کا جواب لکھوا دیا چند روز کے

بعد پھر مجھے اپنے معتمد کی امداد کی ضرورت نہیں رہی بچ کی چٹھیوں کو خود پڑھ لیتا تھا اور خود ہی جواب دیا لیتا تھا اسکے بعد میں نے دوبارہ قرآن مجید پڑھا اور حضور انور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اولیاء کرام کے نام پر خیرات بانٹی اپنے والد ماجد کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا کہ غیبی مدد سے مجھے لکھنا پڑھنا آپ سے آپ آگیا ہے یہ عریضہ اپنے ایک محافظ کے ہمدست روانہ کیا۔ جب والد نے خط پڑھا تو انہیں شک ہوا کہ عبدالرحمن سچ لکھتا ہے یا غلط۔ والد کے اس شک پر میرے قاصد نے عرض کیا، کیا آپ یہ خیال فرما سکتے ہیں کہ آپکے صاحبزادہ نے آپ سے جھوٹ بولا تو یہ تو کیونکر ہوسکتا ہے وہ جھوٹ بول کے آپ کو پھر کیونکر منہ دکھائیں گے،، یہ سنکے میرے والد کو یقین آگیا انہوں نے اُسی وقت پانچ ہزار تنگاس (سوا پانچ آنہ کا بخارا کا ایک سکہ) اور بیش قیمت خلعت مرحمت فرمائے اور والد نے مجھے طلائی قبضہ کی ایک تلوار سنہری غالیچے اور چند پارچے اونی بھیجے۔ خدائے قادر مطلق کا شکر ادا کیا اور اپنے والد کی خدمت میں پدرانہ شفقت کے شکریہ کا ایک خط روانہ کیا بدخشاں اور کتغان کی آفت ٹلتے ہی قولاب میں بے چینی پیدا ہوگئی۔ اِس ملک کے میر کا نام شاہ خاں تھا جس نے کتغان والوں کی تیرہ ہزار بھیڑوں کے لوٹنے کے لئے دو ہزار سوار مقرر کر دیئے تھے جو بھیڑیں حسب معمول موسم سرما میں دریائے جیحون کے کنارہ پر چر رہی تھیں یہ خبر سنکے کہ شاہ خاں کے سواروں نے بھیڑوں کا گھیرا ڈال دیا ہے میں نے دو ہزار سوار بھیجے کہ ان بھیڑوں کو خلاصی دلوا کے حقدار مالکوں کو سپرد کر دو۔ غارت گر دریا پار اُتر آئے تھے۔ میرے سواروں نے گھات میں بیٹھ کے اُنکا انتظار کیا دونوں فوجیں مقابل ہوئیں سخت جنگ کے بعد شاہ خانیوں کے پانسو سوار مقتول اور بہت سے اسیر کر لیے گئے اور کل بھیڑوں کو اُن کے پنجہ سے خلاصی دلوائی۔ اِس نمایاں فتح کے بعد میری فوج واپس نہیں آئی بلکہ اس بات کی منتظر رہی کہ میں قولاب کی فتح کرنے کا حکم دیدوں لیکن جب میرے والد کے پاس سے قولاب کی بابت مزید احکام نہیں آئے تو میں نے فوج کو واپس آنے کا حکم دیدیا۔ کل بھیڑیں اُن کے مالکوں کو سپرد کر دیں اُنہوں نے چھ ہزار بھیڑیں میری نذر کیں کیونکہ یہاں کا یہ دستور ہے کہ مال غنیمت میں سے ⅕ حصہ شاہ وقت کا ہوتا ہے۔ میں نے بھیڑوں کے لینے سے انکار کیا اسکے عوض اُنہوں نے آٹھ ہزار طلائی سکے مجھے دیا یہ میں نے قبول کر لیا ان میں سے تین ہزار اپنی فوج کو دے دیا اور پانچ ہزار اپنے پاس رہنے دیا۔

اِس کے بعد میں نے میر شالا کو دبا کے ایک خط لکھا کہ اگر آیندہ پھر کبھی ایسی حرکت ہوئی تو یاد رکھنا تو لاب فتح کر کے تمہیں خارج البلد کر دوں گا میرے خط کا جواب میر نے بڑا الجاجتانہ دیا بہت کچھ معافی مانگی اور لکھا کہ آیندہ کبھی ایسا نہ ہوگا اور جواب کے ساتھ بہت سے بیش قیمت تحائف بھیجے۔ جو لوگ قید ہو کے آئے تھے انہیں میں نے ایک لاکھ ٹنگاس پر فروخت کر ڈالا اس صورت سے دس ہزار سادرن مجھے نلو۔ بچ رہے۔ مختلف صوبے اِس لڑائی کے کچھ عرصہ تک بالکل خاموش ہو گئے اِس پُرامن وقت میں میں نے تین ہزار یابو اور دو ہزار اونٹ اپنے سامان باربرداری میں اور زیادہ کر لئے اسی اثنا میں والد کا ایک عنایت نامہ میرے نام آیا جسمیں لکھا تھا کہ میں کتغان آنا چاہتا ہوں اور اپنے آنے سے ایک مہینہ پہلے تجھے اطلاع دونگا میں نے صرف یہ دو لفظی جواب دیا" بخیر بیائید"

دوسرا باب

بلخ سے بخارا کی ہجرت

(سنہ ۱۸۶۳ء سے سنہ ۱۸۶۵ء تک)

اب میں اپنے ناظرین کی توجہ ہرات کی طرف مبذول کرنا چاہتا ہوں جب اِس ملک پر حملہ ہوا ہے میرے دادا مریض تھے سردار شیر علیخاں اپنے باپ کیطرف سب سے زیادہ توجہ رکھتا تھا لیکن شیر علی کے دوسرے بھائی عظیم امین۔ اور اسلم چونکہ اپنے سوتیلے بھائی سے نفرت کرتے تھے اِس لئے سلطان محمد گورنر ہرات سے جو دوست محمد خاں کا دشمن تھا سازش کرنے لگے اور طرز و انداز سے اُنہوں نے اپنے والد کو اپنے اوپر بہت ہی بدگمان کر لیا تھا۔ توبہ یا اللہ توبہ خدا مجھے تو کبھی ایسی توفیق نہ دے کہ میں اپنے باپ کے دشمنوں کا دوست بنجاؤں اور باپ کے دشمنوں کے ساتھ سازش کر لوں +

دوست محمد ہرات میں خواجہ انصار کے مزار کے پاس دفن ہوئے تھے دادا کی وفات کے بعد جب انکے بیٹوں کو یہ معلوم ہوا کہ تخت پر انہیں کامیابی نہیں حاصل ہو سکتی اُنھوں نے ملکے شیر علی کو شاہ کابل تسلیم کر لیا اور آپ بغیر سردار شیر علی کی اطلاع یا اجازت کے اپنی اپنی جاگیروں پر واپس چلے گئے امیر شیر علی نے جب اپنے بھائیوں کی یہ صورت دیکھی تو اپنے بیٹے یعقوب کو گورنر ہرات بنا کے آپ قندھار چلا آیا۔ مگر یہاں بھی اس کے بھائی اِس سے ملنے نہ آئے +

اسی اثنا میں میرے چچا ہرات سے بچ کر اپنی جاگیروں پر چلے گئے تھے اسلم گورنر شہر دہ بہزاور عظیم گورنر قرم خوست تھا۔ انہوں نے کابل میں فساد کرنا چاہا یہاں محمد علی امیر کابل کا بڑا بیٹا گورنر تھا۔ محمد علی نے اپنے باپ کو قندھار خط لکھا کہ آپ جلدی کابل واپس آئیں ورنہ یہاں غدر ہو جائے گا۔ خط دیکھتے ہی شیر علی کابل روانہ ہو گیا اور یہ خیال کیا کہ اپنے باغی سگے بھائیوں کو سزا دینے سے پہلے مناسب ہے کہ سوتیلے بھائی کی گوشمالی کروں۔ غزنیں میں پہنچ کر میرے چچا کو شیر علی نے ایک خط لکھا کہ میں تمہاری ہمیشہ سے عزت کرتا ہوں اور تمہیں اپنا بڑا بھائی سمجھتا ہوں آپکو مناسب ہے کہ مجھ سے آکے غزنی میں مل جائیں عظیم گیا۔ شیر علی نے قرآن درمیان میں رکھا دونو کی قسما قسمی ہو گئی اور باہم فیصلہ ہو گیا میرا چچا عظیم اپنے بیٹے سردار خاں کو شیر علی کے پاس چھوڑ کے اپنی جاگیر پر چلا گیا۔ اور شیر علی سردار خاں کو لیکے کابل چلا آیا۔ سردار اسلم نے جوں ہی یہ سنا کہ شیر علی غزنی آگیا ہے اپنی جاگیر اور کل بیوی بچوں کو چھوڑ کے بلخ بھاگ گیا۔ میرے والد اس وقت بلخ میں تھے میں نے اُن کی خدمت میں خط لکھا کہ اسلم باغیوں میں سے ہے اسے منہ نہ لگائیگا نہ اپنے پاس پھٹکنے دیجے گا۔ والد نے مجھے لکھا کہ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے جب وہ میری حفاظت میں آیا ہے تو میں اُسے کس طرح نکال دوں۔ شیر علی نے اپنی قسم کو توڑ ڈالا اور ایک لائق اور ہوشیار سردار رفیع الدین کی ماتحتی میں ایک فوج کثیر میرے چچا عظیم پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ کی۔ جب میرے چچا نے یہ دیکھا کہ ایسے زبردست دشمن کے مقابلہ میں نہیں قدم جما سکتا تو ملکہ معظمہ ہند کی عملداری میں بچ کے نکل گیا شیر علی نے کتواز۔ زرمت اور لوغار کی جاگیروں پر جو میرے دادا نے میرے والد کو دی تھیں قبضہ کر لیا۔ ان جاگیروں پر احمد کشمیری قابض تھا جسے میرے والد اپنے ساتھ لائے تھے شیر علی کی ان ناانصافیوں سے اس کے بھائیوں کے دل میں اسکی جگہ نہ رہی بہت سے لوگ ایسے پیدا ہو گئے کہ شیر علی کے خلاف میرے والد کو سکھانے پڑھانے لگے۔ ان لوگوں میں سردار اسلم۔ عبدالرؤف اور سردار امین خاں میرے چچا تھے جو توپچیوں کے پرانی نسل میں سے تھے یہ وہ توپچی تھے جو شہنشاہان مغلیہ کے ہاں توپخانہ پر متعین تھے۔ اپنے وعدہ کے موافق والد خان آباد مجھ سے ملنے آئے اور میرے ہاں بطور مہمان کے فروکش ہوئے والد کے ساتھ مذکورالصدر سازش کنندے بھی موجود تھے۔ اسی اثنا میں احمد امیر کابل کا ایک خط لایا جس میں لکھا تھا کہ تمہاری طرف سے میرے خیالات وہی دوستانہ ہیں اور میں تم سے ترکستان نہیں لینے کا۔ احمد بہت بڑا

دغاباز شخص تھا یہ شیر علی کے مخبروں میں تھا اور دیکھنے آیا تھا آیا میرے والد امیر کابل کے خلاف کوئی سازش تو نہیں کر رہے ہیں۔ میرا باپ اور اس کے تمام مشیر حسب عادت پوشیدہ طور پر جمع ہو کے صلاح و مشورہ کیا کرتے تھے مگر میں ایسے جلسوں میں کبھی شریک نہیں ہوا کیوں کہ مجھے اس قسم کی سازشوں سے سخت نفرت تھی۔ میں نے نہایت افسوس سے سُنا کہ میرے والد کو یہ پٹی پڑھائی گئی ہے کہ سرداران کابل تمہاری قبول کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔ والد نے اس خبر کو یقین کر کے میرا اتالیق کو لکھا کہ اگر ایسے موقع پر تم مجھے امداد دو تو میں کابل فتح ہونے کے بعد ترکستان تمہیں واپس دیدوں گا۔ میرا اتالیق اس پر راضی ہو گیا یہاں تیاری ہو رہی تھی اور وہاں براہِ راست یہ خبریں پہنچیں کہ امیر شیر علی افواج کثیر کے ساتھ ترکستان پر حملہ کرنے کی غرض سے روانہ ہوا ہے والد نے مجھے اپنی یہ تختہ پول بھیج دیا اور یہ اطلاع دی کہ میں بذاتِ خود شیر علی سے دو دو ہاتھ کرونگا۔ میں نے بہتیری کوشش کی کہ والد کو اس ارادہ سے باز رکھوں میں نے التجا کی للہ آپ مجھے شیر علی کے مقابلہ پر بھیجئے اس لئے اگر مجھے شکست ہو گئی تو آپ میری پشت پناہی بخوبی کر سکتے ہیں اور اگر خدا نخواستہ تقدیر پلٹ گئی اور نصیب دشمنان آپ کو چشم زخم پہنچا تو پھر میرے بنائے بن نہ پڑے گا اور معاملہ سارا درہم برہم ہو جائے گا۔ والد تو میری اس توضیح پر راضی ہو گئے اور میری معقول رائے کو بہت پسند کیا لیکن ان کے بدبخت اور الٹی کھوپڑی والے مشیروں نے یہ کہا آپ کیا خیال کرتے ہیں تمام سرداران کابل آپ کے لئے چشم براہ ہیں آپ خود ہی اس مہم کی باگ اپنے ہاتھ میں لیں اور براہِ راست اہلِ کابل سے خط و کتابت شروع کر دیں۔ والد نے یہ سمجھ لیا کہ واقعی کابل کے لوگ میرے خیر خواہ ہیں اور مجھے تختِ کابل پر بٹھانا چاہتے ہیں فوراً مجھے تختہ پول بھیج دیا +

اپنے زمانہ گورنری خان آباد میں میں نے چودہ لاکھ روپے جمع کر لئے تھے۔ سپاہیوں کا ماہانہ تقسیم کرنے کے بعد والد نے صندوق کے بننے کا حکم دیا تاکہ ان میں یہ روپیہ بھر کے لیجائیں غرض کل روپیہ صندوقوں میں بھر کے اور بار برداری کے جانوروں پر لاد کے باجگاہ روانہ ہوا۔ یہ مقام کابل اور بلخ کے بیچ میں واقع ہے۔ والد کی فوجوں کے کمان افسر غلام احمد نائب محمد کرنیل شہراب۔ اور کرنیل ولی محمد تھے۔ ان افسروں کو والد نے ایک دن پہلے روانہ کر دیا تھا صرف

اس لئے کہ قلہائے کوہ پر قبضہ کرلیں جس سے درہ پر پورا قابو ہو سکے اور ہدایت کردی کہ جبتک میں نہ آجاؤں ہرگز جنگ نہ کی جائے مجھے خیال ہے میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ غلام احمد اگرچہ ایک لائق جنگی افسر تہا لیکن سست اول درجہ کا تہا۔ اپنی سستی کیوجہ سے اس نے والد کی ہدایات کی مطلق پروانہ کی اور قلہائے کوہ پر قبضہ کرنے کا عزم دوسرے روز پر ملتوی کردیا۔ اسی اثنا میں شیر علی کے لائق سپاہ سالار سردار رفیق خاں اور جنرل شیخ میر نے والد کے افسران فوج کے تساہل سے فائدہ اٹہا کے قلہائے کوہ پر قبضہ کرلیا اور جگہ جگہ پر پکٹ قائم کردیئے اور پیشتر اس سے کہ یہ کمبخت سست غلام احمد جاگے ان بلندیوں سے اس پر فیر شروع ہوگئے۔ اس غلطی کا نتیجہ بڑا ہی بربادکن ہوا۔ باوجود شجاعت اور بے جگری کے بھی میری شائستہ فوجوں کو شکست ہوئی۔ اور وہ پریشان ہوگے بہاگیں اور ایک اعلیٰ درجہ کے درہ کو دشمن کے سپرد کردیا۔

والد کو اس جنگ کی خبر پہنچی۔ آندھی اور مینہ کی طرح اپنی فوجوں کی امداد کے لئے روانہ ہوئے مگر رستہ میں کاراکوتل مقام پر اپنے ہزیمت خوردہ لشکر سے ملاقات ہوئی اور پہر شکست کی غمناک خبریں معلوم ہوئیں۔ والد نے اس شکست خوردہ لشکر کے ساتہ واپس پہرنا پسند نہ کیا بلکہ دوآبہ پر جو ایک روز کی راہ تہا قیام کیا۔ اور باقاعدہ مورچہ بندی کرکے فوج اور توپوں کی معقول ترتیب دی اور چاہا کہ دشمن سے ایک بار اور بھی دل کہول کے جنگ کی جائے لیکن ان سرداروں نے جو اب تک ان کے ساتہ تہے اور جنہوں نے یہاں تک نوبت پہنچائی تہی سخت دغابازی اور صاف آنکھیں بدل لیں۔ ان ہی غدار سرداروں نے شیر علی کو لکھا کہ جس فوج سے تیرا اب مقابلہ ہوگا یہ نہایت شائستہ فوج ہے عبدالرحمن نے اسے اعلیٰ درجہ کا قواعدداں اور شائستہ بنادیا ہے یقیناً تجھے شکست ہوگی مناسب یہی ہے کہ بجائے جنگ کے سازش اور کتربیونت سے کام نکالے اور جنگ کا کبھی قصد نہ کرے۔ شیر علی نے اس مشورہ کو پسند کیا۔ معاً سلطان علی لیپر سردار لوہند قندھاری کو والد کے پاس بہیجا کہ میں قرآن کی قسم کہا کے کہتا ہوں کہ اے بہائی افضل میرا بزرگ ہے اور یہ مجھے کبھی روانہ ہوگا کہ اپنے والد دوست محمد خاں کو ان کے بیٹے سے جنگ کرکے بدنام کروں۔ والد یہ سنکے فریب میں آگئے۔ شیر علی کے مرسلہ قرآن مجید کو آنکھوں سے لگایا بے تامل شیر علی کے لشکر گاہ میں چلے گئے اور اپنے لشکر کو واپس پہر جانے کی ہدایت کردی فوج نے بہتیری

منتیں کیں کہ آپ شیر علی کے دھوکے میں نہ آئیں اور قطعی جنگ نہ کریں۔ لیکن ایک نہ سُنی۔ جب والد شیر علی کے لشکر گاہ میں پہنچے تو شیر علی ڈیرہ کے باہر مبارکباد دینے کے لئے نکلا والد کی رکاب کو بوسہ دیا۔ اور چکنی چپڑی باتیں بنا کے اور بھی گرویدہ بنا لیا اور کہا میں سخت پشیمان ہوں کہ اپنے بڑے بھائی کے ساتھ میں نے کیوں معرکہ آرائی کی ساتھ ہی والد کو تو کرسی پر بٹھایا اور آپ دست بستہ سامنے کھڑا ہوگیا۔ والد جو بالکل معصوم صفت تھے خدا کی حمد کرنے لگے کہ اس نے دو مخالف بھائیوں کو کس طرح آپس میں ملا دیا۔ چند گھنٹے کے بعد اپنے لشکر گاہ میں چلے آئے اور یہاں سے سات ہزار بھیڑیں دو ہزار آٹے اور جو کے خروار شیر علی کو بھیجے کیوں کہ سامان رسد اس کے پاس مطلق نہ رہا تھا +

دوسرے روز شیر علی والد سے ملنے خود ان کے لشکر گاہ میں آیا اور اجازت چاہی کہ میں سلطان الاولیاء کے مزار کی زیارت کے لئے جانا چاہتا ہوں اور پھر کابل چلا جاؤں گا کیونکہ مجھے وہاں بہت کام ہیں۔ والد نے شیر علی کو زیارت کے لئے اجازت دیدی اور اپنی فوجوں کو براہ درہ یوسف بلخ روانہ کر دیا۔ اور خود اپنے باڈی گارڈ کے تین ہزار سواروں کو ساتھ لیکے شیر علی کی ہمراہی میں آفاقی سڑک پر روانہ ہوئے +

جب لشکر تختہ پول پہنچا جہاں میں مقیم تھا تو میں نے والد کو لکھا آپ نے لشکر کو اپنے سے علیحدہ کر کے سخت غلطی کی۔ والد نے میرے اس لکھنے سے مُنہ پھیر لیا۔ امیر شیر علی نے اپنے بیٹے محمد علی کو مزار اولیا پر بھیجا غرض یہ تھی کہ میں اس سے جا کے وہاں ملوں۔ مگر میں نے ایک خط لکھ کے اُسے بھیجا کہ اگر آپ مہربانی کر کے تختہ پول میں تشریف لے آئیں تو میں بہت خوش ہوں گا۔ محمد علی نے جواب دیا افسوس ہے کہ اب تو میں اپنے والد کی خدمت میں جاتا ہوں اگر خدا نے کیا تو پھر کبھی ہم دونوں آکے ملیں گے۔ جب والد مزار پر پہنچے تو اُن سے ملنے مزار پر گیا میں نے بہتیرا کہا دیکھئے شیر علی آپکے ساتھ چال کر رہا ہے اور آپ کو سخت فریب میں ڈال رکھا ہے۔ وقت پر قطعی دھوکا دے کے چشم زخم پہنچائے گا اگر اجازت ہو تو ابھی میں اسے گرفتار کر لوں۔ یہ سُنکے والد نے قرآن مجید اٹھا کر کہا "اس پاک کتاب کا واسطہ دے کے کہتا ہوں کہ ایسا ذلیل فعل کبھی نہ کیا جائے۔ میں نے جواب دیا" آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ میرے چچا جان ایسے ذلیل فعل کے کرنے میں ذرا بھی پس و پیش

نہ کریں گے"۔ غرض دوسرے روز شیر علی بھی آپہنچے اور شب بھر مزار میں آرام کیا۔ والد مجھ سے تختہ پول
ملنے آئے اور یہاں سے اپنے بھائی کو ہدیئے بھیج کے کہلا بھیجا کہ میں آپ کو خدا حافظ کہنے کے
لیئے وہاں آتا ہوں حسب معمول میں نے بہتیرا سر ٹپکا کہ للہ یہ غلطی نہ کیجئے اور ہرگز نہ جایئے لیکن
والد نے ایک نہ سُنی اور سیدھے شیر علی کے پاس تشکرغان روانہ ہو گئے۔ جوں ہی والد پہنچے امیر
شیر علی نے اپنی قسم کو توڑ ڈالا اور والد کو قید کر کے زنداں میں بھیج دیا۔

لشکر نے جوں ہی یہ خبر سنی مارے غصہ کے آگ بگولا ہو گیا اور سب نے یکزبان ہو کے کہا کہ امیر کے
مقابلہ میں بڑھنا چاہیئے۔ میں کل فوج کی ہمراہی میں دو دو ہاتہ کرنے کے ارادہ سے مزار پر آیا یہاں
میں نے اپنے خیمے نصب کیئے کہ اسی اثنا میں والد کا ایک خط میرے نام آیا جسمیں اُنہوں نے لکھا عبد الرحمن
ہرگز جنگ نہ کیجو اگر تو نے خلاف ہدایت جنگ کی تو پھر میرا تیرا کوئی واسطہ نہیں رہنے کا۔ والد کا یہ خط
میں نے فوج کو پڑھ کے سنا دیا سنتے ہی فوج مارے غصہ کے کانپ گئی اور میرے معطل رہنے
سے اُس کو اور بھی طیش آیا۔ کل فوج مجھ سے برگشتہ ہو کے کابل چلی گئی اور اب میرے پاس صرف
پانسو یا چھ سو ساتھی رہگئے۔ شب کو دوسرا خط والد کے پاس سے آیا جس میں لکھا تہا کہ تو فوراً
بخارا چلا جا ناچار میں ان وفادار ہمراہیوں کو لیکے جو اب تک میرے ساتھ تہے بخارا روانہ
ہو گیا اور ڈبل کوچ کرتا ہوا اتنی جلدی سفر طے کیا کہ سرحدات سے نصف دوری کے فاصلہ پر
نکل گیا۔ جب میں مقام دولت آباد میں پہنچا تو دو ہزار سواروں کو ایک پہاڑی کے گرد کھڑا ہوا
دیکھا غالباً اس سے بھی زیادہ لوگ تہے۔ ایک شخص کو ان کی اصلی حقیقت دریافت کرنے کے
لیئے روانہ کیا۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ یہ اوزبک سوار ہیں اور بلخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سنکے
میں اُن کے پاس گیا اُنہوں نے مجھے سلام کیا اور کہا ہم ایک شادی کی تقریب پر یہاں آئے
ہیں پھر میں نے دریافت کیا اچھا پہاڑیوں پر یہ کون لوگ ہیں اُنہوں نے جواب دیا کہ یہ
افغان ہیں جن سے ہمیں کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ سنکے مجھے یقین ہو گیا کہ قطعی یہ نائب غلام
دو عبد الرحیم خاں ہیں جو ایک شب پہلے مجھ سے جدا ہو گئے تہے اور میں نے ایک شخص کو
ان کے پاس بھیج کے اُنہیں بلایا تھا کہ مجھ سے آکے مل جائیں۔ اُنہوں نے جواب دیا کہ زبانی بات
چیت ہم نہیں سنتے جب تک تحریر ہمارے پاس نہ آجائے گی ہمیں یقین نہ آئے گا۔ اخیر میں نے

اُن کا اطمینان کر دیا اور وہ مجھ سے آکے مل گئے ۔ صرف غلام احمد شب کو اِن لوگوں سے جدا ہو کے کہیں غائب ہو گیا تھا ۔ ہم سب مل کے جیحوں کیطرف روانہ ہوئے اور اوزبکی سوار بھی ہمارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو گئے میں نے اُن سے مُصر ہو کے کہا تم میرے ساتھ نہ چلو اُنھوں نے جواب دیا ہم تو آپ کی فوج کی خدمت کرتے جائیں گے ۔ مجھے خوب معلوم تھا کہ اوزبک افغانوں کے سخت دشمن ہیں جب انہیں موقع ملتا ہے بغیر جوٹ کئے نہیں رہتے ۔ جب میں نے اُن پر بہت زور دیا تو وہ واپس پھرنے پر راضی ہو گئے ۔ ہم برابر شہر دہ نہر کی طرف چلے جا رہے تھے جس کے بعد نہ آبادی تھی نہ کوئی گاؤں آتا تھا یہ صرف صحرائے لق ودق تھا جہاں کسی قسم کی آبادی کا پتہ نہ تھا ۔ ہم سفر کرتے کرتے جیحوں پر پہنچ گئے راستہ میں تربوزوں کی فالیز ملی اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ دو دو تربوز ہر شخص لیلے کیونکہ اِس ریتیلے جنگل میں اُنہیں کہیں پانی نہیں ملنے کا جب ہم جیحوں کے نصف دوری پر پہنچ گئے تو میرے سواروں میں نصف آدمی گھوڑوں سے اُتر کے تربوز کھانے لگے ۔ میں نے اُنہیں باز رکھنا چاہا اور کہا یہ جگہ محفوظ نہیں ہے تم گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ اور پشت زین پر تربوز کھاتے چلو لیکن نائب غلام احمد نے کہا کہ اِس سے بہتر سایہ کی جگہ ملنے کی نہیں ذرا دم لینے دیجیے پھر آپ کے ساتھ چلیں گے ۔ میں خاموش ہو رہا اور اُنھوں نے دریاں اور چادریں بچھا کے لمبی تانی تیس سوار اور کل روپیہ میں اپنے ساتھ لیکے آگے بڑھ گیا ۔ اور دست غلام احمد کو دو سو چالیس سواروں کے ساتھ اِسی مقام پر چھوڑ دیا ۔

غلام احمد کی فوج میں نظیر حیدر ۔ عبدالرحیم ۔ کرنیل سُہراب ۔ کرنیل نظیر ۔ کمان افسر سکندر چرخی کمان افسر حیدر پسر سکندر چرخی ۔ چالیس کپتان اور رسالدار یہ خاص خاص افسر تھے ۔

تختہ پول سے جب میں آیا ہوں تو میرا بیٹا تین برس کی عمر کا وہیں رہ گیا تھا ۔ اُس کا چچا زاد بھائی سردار عظیم خاں عمر پندرہ سال اُس کے ساتھ تھا ۔ یہ دونوں بچے سکندر خاں اور کرنی اور غلام علی کی نگرانی میں تھے ۔ میں نو یا دس میل گیا ہوں گا کہ ایک سوار دوڑا ہوا آیا اور مجھے ٹھیر اکے یہ کہنے لگا کہ للہ آپ جلد مدد کو چلئے اوزبک سوار جنہیں آپنے ٹالا تھا نائب غلام اور اُس کے آدمیوں پر آپڑے یہ لوگ درخت کے نیچے سوتے تھے میں نے یہ سنکے جواب دیا " میرے آدمی بھی کتنی عقلمند ہیں بجائے حفاظت اور بچنے کی فکر کے وہ آمادہ ہیں کہ میں اُنکے ساتھ میدان میں قتل ہوں سپاہی

کی بہادری یہ نہیں ہے کہ خواہ مخواہ میدان میں جان دیدے بلکہ اِس کی اصلی شجاعت یہ ہے کہ جہاں تک ہو بے فائدہ قتل سے اپنی جان بچائے خطرہ سے بچنے کے معنی بہت بڑی فتح ہے۔"

اِس قاصد سے میں نے یہ بھی کہا کہ جب میرے ساتھ تین سو سوار تھے اُس وقت تو میں نے اُن سے لڑنا مناسب نہ جانا نہ کہ اب صرف تیس آدمیوں کے ساتھ میں اُن سے جنگ کرنے پر آمادہ ہوں گا۔ میرے ساتھ ایک افسر نظیر خاں نامی تھا وہ اپنے بھائی سُہراب کی امداد کے لئے واپس چلا گیا۔

میں سیدھا جیحوں کیطرف ہولیا۔ کچھ دور پہنچ کے میں نے اپنے آدمیوں کو قیام کرنے کا حکم دیا اور آپ ایک شخص کو ساتھ لیکے کشتی کرایہ کرنے کے لئے ساحل پر آیا۔ میں اس لئے ایک شخص کو ساتھ لیکے آیا مبادا کشتی والے زیادہ آدمی دیکھ کے چونک نہ پڑیں۔ صرف ایک کشتی ملی اور اس پر کئی ترکمانی سوداگر آپس میں جھگڑا کر رہے تھے۔ ایک سوداگر نے تو اپنا سامان اور دس اونٹ جہاز پر سوار بھی کرا دیئے تھے میں گھوڑے پر سے اُتر کے کشتی میں گیا۔ ملاحوں نے ترکی زبان میں مجھ سے دریافت کیا "کہ تو کون ہے" میں نے ترکی میں جواب دیا میں ایک سوداگر ہوں۔ میں نے اپنے سوار کو اشارہ کر دیا کہ تو اپنے کل ساتھیوں کو بلا لا جوں ہی تیس سوار آکے پہنچے ملّاح اور سوداگر سناٹے میں رہگئے۔ جب میرے کل آدمی آگئے تو میں نے تمنچہ کو سوداگروں کی طرف کر کے کہا کہ اگر ایک قدم بھی تم نے آگے بڑھایا تو گولی مار دوں گا کیونکہ یہ سوداگر ابھی کرایہ کا باہم جھگڑا کر رہے تھے۔ تمنچہ دیکھتے ہی اُن کا جھگڑا لڑائی سب فرو ہو گیا اور وہ حیران ہو کے میرے ایک آدمی سے پوچھنے لگے کہ یہ کون شخص ہے اُس سوار نے جواب دیا "سردار عبدالرحمٰن پسر افضل خاں یہ سنتے ہی سوداگروں نے جھک جھک کے سلام کیا اور مجھ سے معافی مانگی۔ میں نے معاف کر دیا نصف سواروں کو تو اپنے ساتھ کشتی میں سوار کر دیا اور نصف کو خشکی پر رہنے دیا کہ اگر ضرورت پڑے تو یہ مدد دیں۔ انہیں ہدایت کر دی کہ تم ملاحوں سے عاریتاً کدالیں مانگ لو اور کچی دیواریں بنا کے اپنی حفاظت کر لو۔

ہم جیحوں کو عبور کرنے کو تھے کہ ایک دوسری کشتی سامنے دکھائی دی میں نے اپنے آدمی کو جو بہت بڑا پیراک تھا اس کشتی کے پاس دوڑ کر دریافت کرایا کہ اس کشتی میں کون لوگ سوار ہیں اس نے

واپس آکے خبر دی کہ عبدالرحیم اس کشتی میں سوار ہیں اور ان کے ساتھ شاہ بخارا کا ایک ایلچی بھی ہے ہم سب ملکے بہت خوش ہوئے۔ دس بجے میں سرحدات بخارا میں اترا پورے چھ گھنٹے کا راستہ تھا جو میں نے کشتی میں طے کیا تھا۔ جہاز والوں نے اپنے گھوڑے میرے سپرد کر دیئے لیکن میں نے یہ پسند کیا کہ باقیماندہ آدمیوں کے آنے تک میں کنارہ پر انتظار کروں۔ دس اشرفیاں ان کے حوالہ کیں کہ تم کھانا اپنے اور میرے لئے لے آؤ۔ عبدالرحیم اور سفیر بخارا ملاحوں کے ساتھ گئے میں نے اسے دو سو تنگا س دیئے کہ دس بھیڑیں خرید لائیں اور سواروں کے لئے روٹی وغیرہ کھانا تیار ہو جائے تاکہ میرے باقی کے سوار جب دوسرے روز یہاں آکے پہنچیں تو کھانے کی تکلیف نہ ہو۔

میر شیر آباد کو جو شاہ بخارا کی سرپرستی میں تھا یہ خط لکھا کہ میں بخارا کی حدود میں آگیا ہوں۔ تم فوراً دو سو سوار بھیج دو تاکہ وہ میرے سواروں کی نگرانی کریں۔ خط پہنچتے ہی میر شیر آباد چار سو سواروں اور متعدد کشتیوں کو بھیجنے پر راضی ہوگیا صبح ہوتے بندوقوں کے فیروں کی آوازیں آئیں۔ میں نے اپنے سواروں کو جگا دیا کہ تمہارے بھائی آگئے ہیں اور بطور شگون خوشی کی بندوقیں چھوڑ رہے ہیں۔ ہر کشتی والے سے کہا میں تمہیں پچاس اشرفیاں دوں گا اگر تم بیس آدمی پار اوتار لاؤگے۔ ملاحوں نے جواب دیا دریا کے دوسرے ساحل پر لڑائی ہو رہی ہے اس لیئے ہمیں اتنی جرأت نہیں ہے کہ اس آگ میں چلے جائیں۔ چند لمحہ میں سوچتا رہا اخیر میں اپنے خادم حسن کو بلا کے کہا کہ ہزار اشرفیوں کی تھیلی لے آ۔ یہ ساری اشرفیاں کشتی والوں کے آگے شمار کر دیں اور کہا اگر تم کشتیوں کو لے آؤگے تو میں یہ سب تمہیں دیدوں گا کشتی والوں کو یقین نہ آیا کہ ہمیں یہ رقم مل جائے گی میں نے ان سے کہا تم کیوں شبہہ کرتے ہو ابھی ان اشرفیوں کو اٹھا لو اور میرے سامنے اپنے آدمیوں کو کشتیاں لینے بھیجدو چنانچہ ان کے آدمی گئے اور بہت جلد تیس کشتیاں لے آئے ہم کشتیوں میں بیٹھ کے بہت تیز چلے کہ تھوڑی سی دیر میں ⅔ حصہ دریا کا طے کر لیا۔

وہ سوار جنہیں درختوں کے سایہ کے نیچے چھوڑ آیا تھا اور جن پر ازبکوں نے حملہ کیا تھا لڑتے لڑاتے بمشکل دریائے جیحوں کے ساحل تک پہنچے۔ جب ان سواروں سے ملکے دیکھا کہ

کشتیاں نہیں ہیں تو انہوں نے شب تک جنگ ملتوی کردی اور یہ خیال کر لیا کہ علی الصباح دشمن کو گرفتار کرلیں گے۔ وہ سوار جو کچی دیواروں کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اپنے دشمنوں پر فیر کرنے لگے۔ دشمن پریشان ہو کے بھاگا۔

ہم سب نے دریا کو بحفاظت عبور کرلیا۔ اور سواروں نے ۳۶ گھنٹے کے بعد خوب سیر ہو کے کھانا کھایا کیونکہ اس کی تیاری کا میں نے پہلے ہی سے انتظام کر دیا تھا۔ دوسرے دن سہ پہر تک ہم کشتی والوں کے گھر میں آرام سے پیر پھیلا کے سوئے۔ بخارا جاتے وقت ایک دن علی آباد ٹھیرا جہاں میر شیر آباد اور ملکی سردار میرے استقبال کے لئے آئے۔ ہم سب میر کے مکان میں گئے جو میرے لئے آراستہ کیا گیا تھا اور دس روز تک اس کے مہمان رہے۔ پھر میرے پاس شاہ کا ایک خط آیا جس میں اس نے مجھے بلانے کے لئے لکھا خط دیکھتے ہی میں فوراً روانہ ہو گیا پہلی منزل میری شور آب پر ہوئی۔ دوسرے روز سیر آب ٹھیرا اور اسیطرح ایک شب بلاک۔ ایک شب چلناز گلا چناہ حفیذر۔ پی ہی کرا سکھہ۔ خاراز۔ اور کدکلی میں ٹھیر تا گیا۔ پانچ روز کراچی میں قیام کیا اور وہاں سے خواجہ ادرکا کر سے گزرتا ہوا بخارا پہنچا۔ شاہ کا وزیر قاضی اور کوتوال میرا استقبال کرنے آئے اُن کے ساتھ مقام کاکر پر اور بھی ملکی عہدے دار آئے تھے یہ کل سردار مجھے ایک مکان میں لیگئے جو میرے لئے تیار کیا گیا تھا۔ میزبان میرے پاس آیا اور سلام کیا دس روز تک میری خوب آؤ بھگت ہوتی رہی گیارھویں روز شاہ بخارا نے میرے سرداروں کے واسطے اور میرے لئے خلعت ہائے فاخرہ بھیجیں۔ دس ہزار تنگا زمیرے لئے۔ ایک ایک ہزار میرے سرداروں کے لئے پانپانسو میرے کم درجہ کے ملازموں کے لئے اور دو سو تنگا ز میرے ہر سوار کیلئے شاہ نے ان چیزوں اور نقد کے علاوہ چاندی کے دو ساز یراق بھی میرے لئے بھیجے۔ اس کے علاوہ میں میرے لئے ایک سونے کے قبضہ کی تلوار۔ دو جوڑے گھوڑے کے طلائی ساز ویراق کے وزنی بارہ ہزار اشرفی ایک طلائی پیش قبض دو سو اشرفیاں ایک جواہر نگار پیٹی قیمتی چار ہزار روپے دو عربی گھوڑے طلائی انگریزی وضع کی کاٹھیاں۔ نو طلائی غالیچے۔ نو کشمیری الوانیں۔ نو کشمیری شال نو کشمیری شال کے عمامے۔ نو تھان ریشمی اور نو طلائی کلاہ شاہ کی خدمت میں روانہ کیں۔

شاہ نے مجھے چند جوڑے قیمتی کپڑوں کے بھی بھیجے تھے اور یہ کہلا بھیجا تھا کہ یہ وہ کپڑے ہیں جنہیں

شاہ بخارا زیب تن کر چکے ہیں یہ سنکے مجھے سخت تعجب ہوا کہ شاہ ایسے رنگین کپڑے پہنتا ہے کیونکہ ایک ہی جوڑے میں چار رنگ تھے - سُرخ - سفید - قرمزی - اور سبز -

جب میں نے اور میرے افسروں نے کپڑے پہنے تو ایک ملازم آیا اور اُس نے کہا کہ شاہ تم سے ملنا چاہتا ہے - محل میں پہنچنے کے بعد وزیر ہمارے استقبال کو آیا اور ہمیں شاہ کے کمرہ میں لے گیا شاہ بخارا کا داب نشست و برخاست یہ ہے - شاہ ایک بڑے مکان میں دو یا تین منظور نظر خدام کے ساتھہ نشست کرتا ہے اور اُس کے تمام افسر اُس کے گھر کے گرد دیوار کے نیچے بلند حصہ زمین پر بیٹھتے ہیں - دروازہ پر دو دربان شاہ کی آنکھوں کو دیکھتے رہتے ہیں کہ وہ اُن سے کوئی اشارہ کرے اور اوسکی فوراً تعمیل کیجائے آنکھہ کا اشارہ دیکھتے ہی وہ دوڑتے ہیں اور پھر پیغام سنکے خداشی یعنے اعلی افسر دربار کے پاس چلے جاتے ہیں - جب میں دربانوں کے پاس پہنچا تو وہ دوڑ کے بادشاہ کے پاس گئے پھر وہاں سے دوڑے ہوئے خداشی کے پاس آئے اور پھر مجھے آکے کہا کہ شاہ نے آپکے ہدیوں کو بہت خوشی سے قبول کر لیا ہے - پھر مجھسے کہا گیا کہ میں اپنے گھوڑوں کی راسیں پکڑلوں اور نگارکو اپنی پیٹھہ پر لادلوں - بادشاہ کو سجدہ تعظیم سلام کروں - میں نے جواب دیا نگار ایک آدمی کا بوجہہ ہے دو گھوڑوں کے لئے دو سائیس درکار ہیں میں ہرگز اپنی زندگی میں کیسکے آگے سجدہ نہیں کرنے کا - مجھے خدا نے پیدا کیا ہے - اُسی کے آگے سجدہ کروں گا ایسی باتیں دربانوں کے کانوں میں کبھی نہیں پڑی تھیں وہ یہ سُن کے خفا ہوگئے - اِس پر میں نے کہا کہ میں اپنا پیغام شاہ کے پاس خود لیجاتا ہوں اور اگر یہ بھی منظور نہیں تو میں کسی دوسرے ملک کو چلا جاؤں گا - آخر وزیر نے خداشی سے تھوڑی دیر باتیں کیں پھر وہ شاہ کے پاس چلا گیا اور مجھسے آکے کہا کہ حضور عالی آپ کا سلام قبول کرتے ہیں - میں گھر میں داخل ہوا اور میں نے معمولی طور سے السلام علیکم - کہا - پھر میں نے شاہ سے مصافحہ کیا اور اس نے مجھے اپنے پاس بٹھایا - میں واجبی عزت اور شان سے شاہ کے پاس بیٹھا رہا اور نہایت اخلاق سے باتیں کرتا رہا - ایک گھنٹہ تک ہم دونوں کی باتیں ہوتی رہیں اور پھر میں اپنے گھر چلا آیا +

اِس کے دو مہینے بعد شاہ کا ایک ملازم میرے پاس آیا اور مجھسے کہا کہ شاہ آپ پر بڑی

نظرِ عنایت رکھتے ہیں۔ مناسب ہے کہ آپ ایک ہزار اشرفیاں اور تین سو خوبصورت لڑکے اُنہیں نذر
کریں۔ میں نے کہا کہ یہ لڑکے میرے بیٹوں کے برابر ہیں اور یہ اشرفیاں اِس سونے کا حصہ ہے جو
نذر میں کرچکا ہوں۔ میں نے رسم کے مطابق شاہ کو ہدیے بھیجے اور مناسب ہے کہ اِس کی عوض مجھے
بھی ہدیے دیئے جائیں۔ دس دن کے بعد پھر وہی ملازم آیا اور کہا کہ شاہ آپکو سلام کہتے ہیں
اور خواہش رکھتے ہیں کہ آپ کو اپنا درباری افسر بنائیں اور آپ روزمرہ دربار میں حاضر ہوا کریں
حضورِ عالی جاہ آپ پر بہت مہربان ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میں ملازم نہیں بننا چاہتا اور مجھے
نہیں معلوم کہ مجھ سے کیا برتاؤ کیا جائیگا۔ وہ آدمی کہنے لگا کہ آپ یقین ہی کریجے کہ جب آپ
ملازم ہو جائیں گے تو آپ کو ایک جاگیر دی جائے گی۔ میں نے کہا کہ میں شاہ کے جان و مال کو دعا
دیتا ہوں اور نہ مجھے روپیہ کی خواہش ہے اور نہ جاگیروں کی وہ آدمی کہنے لگا کہ اگر آپ شاہ کی
یہ درخواست نہ منظور کریں گے تو آپ مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ میں نے یہ جواب دیا۔
آنرا کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ پاک میں نے کونسا جرم کیا ہے کہ مصیبت میں پھنس
جاؤنگا میں تو خود شاہ کی حفاظت میں آیا ہوں۔ اگر ایسا ہی ہو تو جو کچھ وہ حکم کریگا مجھے منظور
کرنا پڑیگا مشکل ساری یہ ہے کہ میں ایسے فرائض کی کبھی تعمیل نہیں کرسکتا جو میں نے اپنے دادا
امیر کابل کے سامنے بھی کبھی نہیں کئے۔ میں نے اس آدمی سے یہ بھی کہا کہ میں نے اگر شاہ بخارا کی
درخواست کو منظور کرلیا یعنے میں اُس کے دربار کا ایک افسر بھی بن گیا تو میں تمام دن مثل اور افسروں
کے سست نہیں پڑا رہوں گا بلکہ کام کروں گا اور اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ شاہ اپنے اور افسروں سے
بدگمان ہوگا۔ میں نے ایک مثل اوس کے سامنے بیان کی اور وہ یہ ہے" نہ تو ایک اونٹ کا
بوجھہ میری پیٹھ پر رہ سکتا ہے اور نہ میں اونٹ کی پیٹھ پر رہ سکتا ہوں" یعنے نہ تو بادشاہ
رعیت ہو سکتا ہے اور نہ رعیت بادشاہ ہو سکتی ہے۔ وہ شخص مایوس ہوگیا اور اُس نے کہا کہ اتنے
سمجھانے کے بعد بھی آپ کچھہ نہ سمجھے پھر جتنی باتیں ہوئی تھیں اُن کو قلمبند کرکے چلا گیا۔
جب میں بخارا میں پہلے دن پہنچا ہوں تو میں نے مبلغ روپیہ مہینے کا ایک شخص دربار میں ملازم
رکھہ لیا تھا کہ وہ مجھے محل کی کل باتوں سے آگاہ کرتا رہے۔ دربار کا یہ طریقہ تھا کہ ہر بات زبانی
طے ہوتی تھی۔ لکھنے کی وہاں رسم ہی جاری نہ تھی۔ اِس لئے ہر درباری شخص کل باتوں سے آگاہ رہتا

رمضان المبارک کے مہینہ میں کل افسر بہت کم کام کرتے ہیں۔ دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہتے ہیں۔ مجھے کوتوال کے نائبوں کا بہت ڈر تھا کیونکہ جس دن سے میں نے بادشاہی ملازمت کا انکار کیا تھا۔ میری نگرانی مثل ریاست کے قیدیوں کے کی جاتی تھی۔ میں بظاہر اس سے خبر بھی نہیں ہوا اور نہ میں نے اپنے ملازموں سے اسکی بابت کہا۔

عید کے دن شاہ نے اپنے ملازموں کے ہاتھ دو چیزیں۔ ایک پگڑی اور ایک رومال لطور خلعت کے بھیجا اور کہا کہ علی الصباح عید کو شاہ آپ سے مل کے بہت خوش ہونگے۔ غرض علی الصباح میں وہاں پہنچا۔ ایک بڑے کمرہ میں میں نے چالیس آدمی بیٹھے ہوئے دیکھے جن میں ایک محمد خاں تھا۔ محمد خاں وہ شخص تھا جس نے افغانستان سے بغاوت کی تھی اور میری فوج نے کرنل محمد خاں اور غلام علی خاں کی ماتحتی میں اسے شکست دی تھی اور وہ بھاگ کے بخارا میں پناہ گزیں ہوا تھا۔ میری جگہہ بیس آدمیوں کے ساتھ سب سے نیچے مقرر کی اور محمد خاں کو دس آدمیوں کے ساتھ بلند جگہ پر بٹھایا۔ اسی اثنار میں بادشاہ آگیا۔ لوگوں نے اٹھ کے اسکے ہاتھ پر بوسہ دیا۔ میں نے بھی ان لوگوں کی پیروی کی پھر بادشاہ چلا گیا۔ اس کے بعد دسترخوان بچھا اور اسپر قسم قسم کی مٹھائی چنی گئی۔ لوگوں نے کھانا شروع کیا اور خوب پیٹ بھر کے کھایا۔ بعضوں نے مٹھائی رومالوں میں باندھ لی۔ اور کمبخت اس طرح سے کھانے پر گرے جیسے گائے بھینسیں گرتی ہیں نہ اُن کو دسترخوان کی ضرورت تھی اور نہ رکابیوں کی۔ میں بڑے تعجب سے اس وحشی پن کو دیکھ رہا تھا۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ کیوں نہیں کھاتے یہ تو شاہ کی طرف سے پاک دعوت ہے۔ میں نے مٹھائی کا ایک ذرا سا ٹکڑا لیکے چکھا اور کہا کہ بس یہی کافی ہے۔ اور جہانتک مجھسے ہو سکا میں جلدی عیدگاہ پہنچا جہاں بادشاہ نے میرے لئے ایک جگہہ رکھ چھوڑی تھی +

میں نے وہاں نائب غلام اور کپتان افسر سکندر خاں کو دیکھا جن کے ساتھ میرے چالیس سپاہی تھے اور جنھوں نے اب شاہ بخارا کی ملازمت کرلی تھی۔ اُنھوں نے نہ مجھے پہچانا اور نہ مجھے سلام کیا۔ شاہ ایک سفید گھوڑے پر سوار ہوا۔ ایک بڑا لمبا طرّہ ان کی پگڑی پر نصب تھا ایک طرہ گھوڑے کے سر پر۔ تیسرا گھوڑے کی دم پر۔ ایک کشمیری شال کا ٹکا باندھے ہوئے

تھے۔ اور تیس گز طلائی کپڑا سر پر بندھا ہوا تھا۔ اور وہ ایک جواہر نگار مُرصّع قبضِ ہٹی میں لگا ہوئے تھا۔ ہر شخص جو اُس کے پاس آتا تھا وہ تین دفعہ سجدہ کرتا تھا مگر میں بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ شاہ آیا اور میرے پاس بیٹھ گیا تکبیر کہی گئی۔ نماز شروع ہوئی۔ نماز میں شاہ کے عمامہ کے تین پیچ کھل گئے اب شاہ سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں۔ ڈر کے مارے اُٹھتے نہیں کہ اب پگڑی گر پڑے گی جب میں نے یہ دیکھا کہ اتنے بڑے شاہ کی بے عزتی ہوتی ہے میں نے سلام پھیر کے رکعت کو توڑ ڈالا۔ آگے جھک کے شاہ کے دو تینوں پیچ باندھ دیئے خدا تعالیٰ معاف کرے میں نے اپنی نماز کھوئی اور سمجھا کہ میں نے یہ بڑا اچھا کام کیا۔ نماز کے بعد شاہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ لوگوں نے سجدہ کیا۔ چونکہ مجھے سجدہ کرنے کی ضرورت نہیں تھی اس لئے میں گھر چلا آیا شاہ نے کوتوال سے کہا کہ کوئی الزام رکھ کے عبدالرحمن کو ماخوذ کرو اور اس پر کسی عورت سے باتیں کرنے کا الزام لگا مگر یہ چال چل نہ سکی اس لئے کہ میرے ساتھ ہر وقت ساٹھ ستر آدمی رہتے تھے۔ پھر شاہ نے کوتوال سے کہا کہ اس کے نوکروں کو ایسا صدمہ پہنچاؤ کہ یہ سب چھوڑ کے اسے چلے جائیں۔ اسی اثنا میں یہ خبر پہنچیں کہ روسیوں نے تاشقند لے لیا۔ اور بخارا پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے۔ شاہ یہ دہشتناک خبر سنتے ہی سمرقند روانہ ہو گیا۔ اور میں بخارا میں رہ گیا۔ میں نے فوراً ایک ملازم اپنے چچا محمد عظیم کے پاس راولپنڈی میں بھیجا اور خط میں لکھا کہ میں انشاء اللہ عنقریب یہاں سے رہا ہو کے بلخ روانہ ہوتا ہوں اور آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ جہانتک ممکن ہو بہت جلد براہ سوات چترال اور بدخشاں میں آئیں اور پھر ہم دونوں بلخ میں آ کے مل جائیں میں نے ایک بلخ کی فوج اور شاہ بخارا کو سمرقند میں لکھ کے بھیجا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے ملک واپس چلا جاؤں میں نے نظیر حیدر خاں اور کمان افسر نظیر کے ہاتھ یہ خط روانہ کیا جب وزیر شاہ۔ قاضی اور کوتوال کو یہ معلوم ہوا تو انہوں نے مجھ سے دریافت کیا کہ بغیر ہماری اجازت کے آپ نے کیوں شاہ کے پاس خط بھیج دیا میں نے جواب دیا کہ بادشاہ کے بہت سے ملازم ہیں لیکن اُن میں سے ایک کو بھی میں اپنے سے بڑا نہیں سمجھتا اس کے جواب میں اُنہوں نے کہا کہ ہم بھی تو آپ کا خط شاہ کے پاس بھیج سکتے تھے میں بولا اس میں بھی ایک دقت تھی پھر مجھے خود جا کے شاہ کو سمجھانا پڑتا اور یہ شاہ کی اور تمہاری مرضی کے خلاف ہوتا۔ بہر حال جو کچھ ہوا وہ یہ ہے کہ شاہ نے میرے خط کا جواب

نہیں دیا انتظار کرتے کرتے جب میں تنگ آگیا تو میں نے دوسرا خط جنرل علی عسکر خاں کے ہاتھ شاہ کی خدمت میں روانہ کیا اس دوسرے خط پر شاہ نے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا اُنہوں نے کہا جب آپ عبدالرحمٰن کو نہ روپیے سے امداد دیتے ہیں اور نہ کسی طرح سے اس کی دستگیری کرتے ہیں پھر اس کے رکھنے کی کیا ضرورت ہے شاہ نے یہ مشورہ قبول کرلیا اور مجھے اجازت دی کہ جہاں میرا جی چاہے چلا جاؤں ٭

اسی اثنا میں شاہ نے وزیر کو لکھا آیا عبدالرحمٰن کے ملازم اسی کے ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں یا ہماری ملازمت میں رہیں گے۔ اس خط کا مضمون زیادہ واضح نہ تھا وزیر یہ سمجھا کہ شاہ کا ان ملازمین سے مطلب ہے جو اسوقت میرے ملازم ہیں حالانکہ شاہ کی ان ملازمین سے غرض تھی جو میرے بخارا آنے سے پہلے یہاں چلے آئے تھے اور مجبوراً شاہ کی ملازمت اختیار کرلی تھی۔ وزیر اپنی اسی غلط فہمی پر قایم رہا اور اس نے ایک خط مجھے لکھا کہ تم اپنے کل ملازمین کو میرے پاس بھیجدو تاکہ میں ان کے آگے شاہ کا پیغام کہدوں۔ اس خط کو دیکھتے ہی میں چونکا اور مجھے یقین ہوگیا کہ وزیر کی نیت یہ ہے کہ پہلے اس بہانہ سے میرے ملازمین کو قید کرے اور پھر مجھے گرفتار کرلے اس لئے میں نے وزیر کو لکھ کے بھیجا کہ اگر آپکو کوئی پیغام شاہ کا سنانا ہے تو آپ یہاں خود تشریف لاکے میری موجودگی میں میرے ملازمین کے آگے کہدیں میں آپکے پاس اُنہیں نہیں بھیج سکتا میرے ملازمین نے بھی اس رائے کے ساتھ اتفاق کیا اور کہا کہ ہم وزیر کے پاس زندہ نہیں جاسکتے ہاں ہماری لاشیں وزیر کے پاس پہنچیں گی ہم آخر دم تک جنگ کریں گے۔ اُنہوں نے ہتیار باندھ لئے اور آمادۂ جنگ ہوئے پھر میں نے خط کا جواب لکھ کے قاصد کو دیا۔ وزیر نے جواب دیکھ کے اپنے ایک معتمد کو میرے پاس بھیجدیا اس نے کل ملازمین کو جمع کرکے شاہ کا پیغام سنادیا۔ اُنہوں نے متفق اللفظ جواب دیا ہم یہاں اپنے شہزادہ کے ساتھ آئے ہیں اور اسی کی خدمت کریں گے شاہ کی غلامی ہمیں کسیطرح بھی منظور نہیں ہے۔

دو دن کے بعد جب میں سفر کی تیاری کررہا تھا سکندر خاں نائب غلام کے ساتھ معہ اپنے ساتھیوں کے اپنا سامان اور بستر کندھوں پر لادے ہوئے میرے پاس آیا اور کہا شاہ نے ہم سے کہا کیا تو ایک دستاویز اس مضمون کی لکھدو کہ ہم میں سے ہر شخص شاہ کا غلام ہے اور نہیں میں تمہیں

اپنی ملازمت سے برخاست کرتا ہوں ہم میں سے کسی نے بھی غلام بننا پسند نہیں کیا اور ہم موقوف ہو کے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ بہت سے قرضخواہ آ پہنچے اور انہوں نے اپنے دو ہزار روپے سکندر خاں وغیرہ سے مانگنے شروع کئے۔ اس پر میں نے نائب غلام سے کہا اگر تم میرے ساتھ وفادار بنے رہنے کا وعدہ کرو تو میں اس سے زیادہ روپیہ تم پر خرچ کرنے کو موجود ہوں نائب غلام کی شرمندگی کے مارے آنکھیں اونچی نہیں ہوئیں اور وہ نیچی نگاہیں کیے ہوئے خاموش بیٹھا رہا۔

پھر میں نے کمانڈنٹ سکندر سے کہا کہ تمہارا کیا ارادہ ہے اس نے جواب دیا کہ میں بخارا کی دو ایک عورتوں پر دل سے فریفتہ ہو گیا ہوں اگر وہ میرے ساتھ چلنے پر راضی ہو گئیں تو میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوں اور جو وہ راضی نہ ہوئیں تو میرا ارادہ تو یہیں ٹھہرنے کا ہے میں نے نائب غلام اور اس کے ساتھیوں کے لیئے گھوڑے خریدے کیونکہ یہ لوگ اپنا کل سامان اور گھوڑے فروخت کر کے کھا گئے تھے۔ پانچ روز میں ہماری تیاری مکمل ہو گئی اور ہم سب بلخ روانہ ہوئے +

تیسرا باب ۳

شیر علی کے ساتھ جھگڑا

سنہ ۱۸۶۵ء سے سنہ ۱۸۶۷ء تک

اب میں اپنی ناظرین سرگذشت کی توجہ ان واقعات کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں جو میرے بلخ چلے آنے کے بعد حادث ہوئے اور میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ شیر علی نے کیا کیا کارروائی کی +

جوں ہی بلخ سے میں نے پٹھہ موڑی امیر شیر علی وہاں آ دھمکے چھ روز انہوں نے تشکرخاں میں قیام کیا۔ سب سے پہلے اس نے یہ کیا کہ ہمارے بیوی بچوں کو قید کر کے کابل بھیجدیا اور میرے باپ کو سفر میں اپنے ساتھ رکھا۔ پھر اپنے بھتیجے سردار فتح پسر اکبر خاں کو بلخ کا گورنر مقرر کر کے کابل واپس چلا گیا اور وہاں جا کے فی الفور اپنے دو بھائیوں امین اور شریف خاں سے جنگ کی تیاری

گرنے لگا۔ جب پوری تیاری کر چکا تو اپنے بیٹے ابراہیم اور سردار ناظر خاں کو کابل میں چھوڑ کے آپ قندھار روانہ ہوا کہ میرا باپ قیدیوں کی طرح اب بھی اُس کے ساتھ تھا۔ لیکن ہماری کل مستورات کو اور بچوں کو بلا کسی انتظام خورد نوش کے کابل میں چھوڑ گیا ان کے پاس ایک پیسہ بھی نہ رہا۔ تھانہ ایسے شخص مقرر کئے تھے جو اُنکی نگرانی کرتے رہتے۔ میرے والد نے قید خانہ ہی سے شیر علی کو ایک خط لکھا کہ تجھے ایسے ظلم اور زیادتیاں نہیں کرنی چاہیں تجھے شرم چاہئے کہ پہلے تو نے اپنی سوتیلی ماؤں اور سوتیلے بھائیوں سے ایسی بدسلوکی کی اور پھر تو اپنے سگے بھائیوں سے بھی ایسی بے رحمانہ طور پر برتاؤ کرنا چاہتا ہے آگے چلکے یہ فقرہ لکھا۔" اے شیر علی خونریزی کرکے اپنے نام کو بٹا نہ لگا تو خوب سمجھ لے کہ اس کے نتائج تجھے بہت برے بھگتنے پڑیں گے شیر علی نے اسکی کچھ پروا نہ کی دو روز تک اپنے بھائیوں سے جنگ کرتا رہا آخیر اس کا بھائی امین اور اس کا ولیعہد بیٹا سردار محمد علی خاں میدان جنگ میں کام آئے۔

یہ دردناک نقصانات سنکے میرے والد نے قید ہی میں سے پھر شیر علی کو لکھا" تمہاری زشتی اعمال تمہاری آئندہ بربادی کی شہادت دے رہی ہے۔ حیف ہے تجھپر اے شیر علی "امیر کے سپاہی امین خاں کی لاش اُٹھا کے اس کے سامنے لائے اور اس فتح پر شیر علی کو مبارکباد دی لیکن اس کے سرداروں کی یہ جرأت نہ ہوئی کہ اسکے بڑے بیٹے کے قتل کی خبر بھی کہدیں صرف اُنہوں نے یہ کیا کہ امیر کے بیٹے کی لاش بھی اٹھا لائے جب وہ لاش تھوڑی دور پر رہ گئی تو شیر علی نے غل مچا کے کہا کہ" دوسرا کون ہے" کسینے جواب نہ دیا بلکہ لاش کو امیر کے قدموں کے پاس لٹا دیا جب شیر علی کی نظر اپنے بیٹے کی طرف پڑی اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ منہ نوچ لیا خاک اُڑانے لگا۔ اور لاش کے پاس گر کے لوٹنے لگا۔ بالکل مجنون ہوگیا اور حواس خمسہ میں ایسا فرق آگیا کہ کیسکو نہ پہچان سکتا تھا گھنٹہ بھر کامل اس کی یہی حالت رہی دو روز کے بعد اپنے بیٹے کی لاش کابل بھیجی۔ امین کی لاش اس کے ملازمین نے قندھار میں ایک مزار کے پاس دفن کردی شیر علی کبھی تو مسلوب الحواس ہوجاتا تھا اور کبھی دیوانہ وار ہزیان بکنے لگتا تھا قندھار پہنچنے تک اسکی یہی کیفیت رہی۔ یہ موقع میں مناسب سمجھ کے بخارا روانہ ہوا اور شیر آباد پہنچ کے میں نے بلخ اور اوسکے اضلاع کی فوجوں کو لکھا کہ سب کے بلانے سے میں یہاں آیا ہوں اور اب میں پہ

کے ساتھ شریک ہونا چاہتا ہوں + کا

میں یہاں ولی محمد اور فیض محمد خاں دو بھائیوں کی واقعات زندگی کا کچھ تذکرہ کرنا چاہتا ہوں یہ دونوں بھائی گورا کچا تھے میرے والد نے یہ صوبہ ان نہیں عطا کر دیا تھا۔ یہ دونوں لونڈی کے بطن سے تھے اور امیر دوست محمد خاں کی زندگی میں انہیں دو ہزار روپے سالانہ تنخواہ ملتی تھی۔ جب دوست محمد خاں کا انتقال ہوگیا تو میری سوتیلی ماں بی بی مروارید نامی ان بچوں سے محبت کرنے لگی اسنے میرے والد کو لکھ کے بھیجا کہ ان بچوں کی ماں اپنے فرزندوں کو آپ کی غلامی میں دینا چاہتی ہے اور آج کل خرچ کی طرف سے بہت تنگ ہے آپ ان کی ضرور امداد کریں میرے والد نے فوراً پانچ ہزار روپیہ ان بچوں کی ماں کو بھیجدیئے اور ہدایت کردی کہ تم سب بلخ چلے جاؤ۔ جب یہ وہاں پہنچے تو ولی محمد کو ایک بٹالین جبہ توپیں ایک ہزار ملیشا اور ایک ہزار سواروں کے ساتھ صوبہ اکچا حوالہ کر دیا پھر میرے والد نے فیض کو بھی اس کے کنبہ کے ساتھ بلا لیا۔ بڑے افسوس کی بات یہ ہوئی کہ کمبخت ولی محمد نے دغا کی اور شیر علی سے ملکے میرے والد کو قید کرا دیا۔ شیر علی ولی محمد کو اپنے ساتھ کابل لیگیا اور اوسکی جگہ اس کے بھائی فیض کو چھوڑ گیا۔ اسوقت صوبہ کا انتظام بگڑا ہوا تھا اور فیض دق ہو کے اسکی حکومت سے دست بردار ہونا چاہتا تھا۔ ولی محمد بھی رضامند نہ تھا کہ اس صوبہ کی حکومت کرے۔ میں نے ایک خط نظیر اور جنرل علی عسکر کے ہاتھ روانہ کیا جسمیں یہ تحریر تھا کہ شروہ نہر پر دوسو سوار جو ولی محمد کی ماتحتی میں تھے مجھ سے آکے مل گئے ہیں اگر وہ بھی یوں ہی آجائیں گے تو میں اسکا بہت بڑا صلہ انہیں دوں گا میں نے تین ہزار سوار عاریتاً ان سے لیلئے۔ جب میں بخارا سے روانہ ہوا ہوں تو شاہ بخارا نے میر شیر آباد کو لکھدیا تھا کہ عبدالرحمن اس طرف آتا ہے دیکھنا تین دن سے زیادہ شیر آباد میں نہ ٹھیرنے پائے۔ میرے پاس اسوقت ڈھائی ہزار سوار ہو گئے تھے اور امیر شیر آباد کے پاس صرف سو سوار تھے تو اب اس بات کا فیصلہ کرنا کہ شیر آباد میں میں کتنے عرصہ تک ٹھیروں میری مرضی پر موقوف تھا نہ کہ میر کی مرضی پر میر شیر آباد دقت مخمصہ میں تھا ایک طرف کھائی اور ایک طرف کنواں بیچارا میرے پاس دوڑا ہوا آیا اور کہا آپ کیا مشورہ دیتے ہیں اگر میں شاہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں اور آپ پر شہر سے نکل جانے کے لیئے جبر کرتا ہوں تو

یقیناً آپ مجھے قتل کر ڈالینگے اور اگر شاہ کے حکم کی تعمیل نہیں کرتا تو وہ مجھے کاہیکو زندہ چھوڑنے لگا۔ میں نے اُس سے کہا تم گھبراتے کیوں ہو شاہ بخارا کو یہ لکھ کے بھیجدو کہ عبدالرحمٰن کے پاس اس وقت زبردست فوج موجود ہے جبتک آپ کثیر تعداد فوجوں کی نہ بھیجیں گے میں شیر آباد سے اُسے بیدخل نہیں کر سکتا۔ یہ خط ایسے قاصد کے ہاتھ بھیجا جائے جو بہت عرصہ کے بعد لیکے پہنچے اور جب وہ اس پر اعتراض کرے کہ اتنا عرصہ کیوں لگا تو قاصد گڑگڑا کے یہ کہدے حضور راستہ میں میں بیمار ہو گیا تھا اور ایسا بیمار رہا کہ ایک قدم بھی جنبش نہ ہو سکی الحمدللہ کہ چند روز کے بعد افاقہ ہوا اور بمشکل حضور عالی جاہ کی بارگاہ عالی میں پہنچا ہوں۔ میر شیر آباد یہ سُن کے بہت خوش ہوا اُس نے ایک خط کسی معتبر قاصد کے ہاتھ روانہ کیا اور یہ ساری باتیں اُسے سمجھادیں میں آگے بڑھنے کی تیاریاں بہت پھرتی سے کرنے لگا کہ اسی اثنار میں مجھے یہ خبر آئی کہ سری پول کی لشکر نے بغاوت کی اپنے نئے افسروں کو قتل کر ڈالا اور اب وہ کل فوج اکچا کی طرف آرہی ہے۔ یہ سنتے ہی میں روانہ ہو گیا چند گھنٹے وزیر آباد میں قیام کیا اور وہاں سے دریائے جیحوں پر پہنچ گیا۔ یہاں صرف دو ہی کشتیاں ملیں خدائے قادر مطلق کی ذات پر بھروسہ کر کے اپنے تین افسروں اور بہادر سواروں کے ساتھ کشتیوں میں بیٹھا۔ ان افسروں میں کرنیل نظیر خان اور کرنیل ولی خان میرا پُر بھروسہ غلام تھا جو میدان جنگ کا شیر تھا (اور اب وہ میر کنڈر انچیف ہے) اس وقت جس کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ بے ریش و بروت تھا میں نے مختلف لڑائیوں میں اچھی طرح اُس کی آزمائش کر لی تھی اور مجھے بھروسہ تھا کہ دست بدست کی جنگ میں وہ چالیس سواروں کے لئے تنہا کافی ہے۔ دوسرا ایک اور نوجوان بہادر میر غلام فرہاد نامی تھا یہ بھی شجاعت میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ میں نے جیحوں کو عبور کر لیا اور بعد میں میرے ساتھی بھی مجھسے آملے۔ رات بھر ہم سفر کرتے رہے علی الصباح اکچا کے ایک گاؤں چلاک سرائے آباد میں پہنچے یہاں قیام کر کے میں نے اُن دو بٹالن کے پاس جو سر لئے پول کے توپخانہ سے یہاں آکے بسی تھیں اور ان چھ بٹالن کے پاس جو میمنہ میں تھیں اور جن کے پاس میرے والد کی دی ہوئی چھ توپیں تھیں پیغام بھیجے میں تین دن کا جاگا ہوا اور تھکا ہوا تھا خط روانہ کر کے سو رہا۔ میرے خطوط دیکھ کے سپاہی شاد و شاد ہو گئے اور ان میں سے ایک ہزار آدمی میرا استقبال کرنے کو دوڑتے ہوئے آئے میں نے انکا

ہر طرح اطمینان کیا اور نہایت مہربانی سے پیش آیا اس کے جواب میں اُنہوں نے قسم کھا کے کہا کہ ہم آپکے قدموں پر اپنا خون بہانے کو آمادہ ہیں۔ حضور جب سے آپ ہم سے جُدا ہوئے ہم سخت ناخوش ہیں اور ہم خدا سے دُعا مانگ رہے تھے کہ حضور واپس چلے آئیں تو غدار شیر علی کو مزا چکھائیں کہ فریب اور دغابازی کے یہ معنی ہوتے ہیں۔

ہم سب اکچا پہنچے جہاں ہمارا فیض محمد نے استقبال کیا۔ مجھ سے ملکے کہنے لگا کہ میں تو تمہیں بلانا نہ چاہتا تھا مگر میرے لشکر نے تمہیں مدعو کیا ہے یہ باتیں اس کی مجنونوں کی سی تھیں میں نے اس کے جواب میں کہا" کچھ مضایقہ نہیں ہے آپ تو ایک دانا آدمی ہیں میں نے اپنے لشکر کی ہمت بندھوانی شروع کی کہ سردار فتح محمد پر یقیناً فتح پائیں گے۔ سردار مذکور نے دو ہزار طلیناسوار اور پانچ ہزار اوزبک سوار ہم سے جنگ کرنے کے لئے متعین کر رکھے تھے۔ سوار میرے ڈر سے کہ مبادا اُن کی نمک حرامی کی میں سزا دوں اپنے افسروں پر لعنت ملامت کر رہے تھے کہ عبدالرحمن اور اُس کے باپ کی ملازمت سے کیوں علیحدگی اختیار کی وہ ہمیں مثل بھائیوں اور بیٹوں کے سمجھتے تھے اور اُنہوں نے ہمیں اونٹ گھوڑے اور بھیڑیں دی تھیں۔ فتح محمد نے اپنی پیادہ فوج کو تو قلعہ میں مقیم کیا اور رسالہ کو باہر جمایا اس کی فوج کا سپاہ سالار شہاب الدین پسر وزیر احمد تھا جو میرے باپ کے سابق ملازمین میں سے تھا اور جس پر والد ماجد نے بہت سی مہربانیاں کی تھیں یہانتک کہ وزیر احمد کو ایک موقع پر بلخ کے ایک شہر کا گورنر بنا دیا تھا۔ گورنری میں اُس نے محاصل سرکاری میں سے دو لاکھ روپے خُرد بُرد کر لئے تھے اس پر بھی میرے والد نے اس سے کچھ مواخذہ نہیں کیا اور اُسے معاف کر دیا اور اس پر طرّہ یہ کہ اُسے اور اُس کے بیٹوں کو سو سواروں پر خان مقرر کر دیا اور لشکر کا جھنڈے بردار بنا دیا۔ شہاب الدین اور فتح محمد اول درجہ کے شراب خوار تھے۔ تختہ پول کے پاس سب سے پہلے ناکہ پر یہی حضرت میرے مقابلہ کیلئے آمادہ کھڑے تھے میں نے شہاب الدین کو ایک خط لکھا جس میں یہ عبارت تھی۔

" او غدار جو جو مہربانیاں اور عنایتیں میں نے تجھپر کی ہیں ان سب پر تو نے پانی پھیر دیا اور اب تو چند ترلقموں کے لئے میرے دشمنوں کی طرف سے مجھ جیسے محسن سے لڑنے آیا ہے" فوج کو میں نے یہ خط لکھا تھا" تم میری ہی فوج ہو اس لئے میں تمہارے مقابلہ میں تلوار نہیں اُٹھانے کا اگر تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو تو میں بہت خوشی سے علی الصباح قلعہ میں چلا آؤں گا تم مجھے گولی مار دینا اور اپنے

آقا کے قتل کا صلہ حاصل کرنا" اس خط نے فوج کے دلوں کو پگلا دیا سو آدمی قلعہ کو چھوڑ کے میرے کیمپ میں چلے آئے۔ جب شہاب الدین نے یہ سنا تو چند ازبک سوار بھیجے کہ اُن کو رستہ میں روکیں ازبک سدِ راہ ہوئے باہم لڑائی ہونے لگی۔ میں نے فوراً اپنے سواروں کو روانہ کیا وہ دشمن کی کثیر تعداد فوج میں گھُسے چلے گئے دشمن بے اوسان ہو کے بھاگا اور چار سو گھوڑے ہمارے قبضہ میں آ گئے۔ یہ نقشہ دیکھ کے شہاب الدین بھی تختہ پول فرار ہو گیا۔ جب تختہ پول کے سواروں نے یہ صورت دیکھی سب مجھ سے آ کے مل گئے اور تمام بٹالینیں ٹوٹ گئیں۔ سردار فتح محمد اپنا کل مال و متاع چھوڑ کے تین سو یا چار سو سواروں کے ساتھ بخارا بھاگ گیا۔ جب میں بلخ پہنچا تو فوج نے میری سلامی اُتاری اور مبارکباد دی۔ میں نے نائب غلام احمد کو تختہ پول بھیجا تاکہ رعایا کی پریشانی دور کرے دو دن کے بعد میں بھی اس سے جا ملا اور فوج کو آئندہ مہربانیوں کی امید بندھائیں۔ جب میری فوج کی یہ ترتیب ہو گئی اور تعداد بھی زیادہ ہوئی تو علی عسکر خاں کو فوج توپخانہ کا جنرل بنا دیا۔ اور نظیر خاں کو پیادہ فوج کا جنرل نامزد کیا۔ دوسرے افسروں کو کرنیل اور جنرل کے عہدوں پر ترقی دی اور جو سپاہی آغاز سفر سے ساتھ تھے اُن سب کی ترقی کر دی۔

اس کے بعد تاشکرغان روانہ ہوا یہاں چھ بٹالین کے ساتھ سردار فتح محمد مقیم تھا میری خواہش تھی کہ کسی صورت سے یہ ملک بالکل ان سے صاف ہو جائے۔ میں بلا مقابلہ اس سے تاشکرغان میں داخل ہوا اور دو روز ٹھہرنے کے بعد مقام ایبک چلا گیا۔ فتح محمد اور شہاب الدین جو غوری میں تھے ہندوکش کے رستہ سے کابل بھاگ گئے۔ علی قوم ہزارہ نے اُن کا کل ساز و سامان لوٹ لیا۔ اسی اثنا میں میر اتالیق کا انتقال ہو گیا اس کا بیٹا سلطان مُراد گورنر اور میر کتغان تھا اس نے مجھے سلام کیا اور پانسو گھوڑے دو سو اونٹ۔ دو ہزار بھیڑیں۔ چار ہزار غلہ کی بوریاں چالیس ہزار روپے اور دوسرے متفرق تحفے میری نذر کیے میں نے اس کے باپ کی وفات پر تعزیت کی اور کہا "جب میرے والد نے کتغان کا ملک تمہارے باپ کو دیا ہے تو یہ معاہدہ ہو گیا تھا کہ تاجیک عرب قدیم افغان اور ہزارہ کے جرگے تو ہمارے حوالہ رہیں اور کتغان کے لوگ تمہارے سپرد رہیں۔ میں بھی اسی مُعاہدہ کی پابندی کرنا چاہتا ہوں۔" لڑکا بولا "شیر علی نے بھی یہی قاعدہ جاری رکھا لیکن اُس نے اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ محاصل میں ایک لاکھ روپیہ سالانہ بڑھا دیا ہے لیکن افسوس

پیہ ہے کہ وہ ایک ہی لاکھہ پر قانع نہیں رہتا دو لاکھ تک وصول کر چکا ہے اور اس سے بھی زیادہ لینے کی خواہش ہے۔

ایک خط بدخشاں سے میرے چچا کا آیا اس میں یہ لکھا تھا کہ میر اتالیق کی بیٹی سے شادی کرتا ہوں تقریب شادی ادا ہونے کے بعد میں تیرے پاس چلا آؤں گا میں نے اپنی تیاری کر لی تھی جاڑے کا موسم قریب آتا جاتا تھا اور یہ موقع بھی اچھا تھا کیونکہ شیر علی کابل سے غیر حاضر تھا۔ اس لیئے میں نے کوچ بولدیا۔ کاراکوتل کو عبور کر کے اور بدکاک دروں کو طے کر کے مقام باج گاہ میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد بہمن میں داخل ہوا۔ یہاں پہنچ کے ہزارہ کے میروں کو خلعت دی اور حکم دیا کہ میرے لئے دو ہزار بوریاں گیہوں اور جو کی ایک ہزار شکیے مکھن کے اور تین ہزار بھیڑیں ابھی مہیا کر دیں۔ اس سامان کے مہیا ہونے کے انتظار میں باجگاہ قیام کیا اور یہاں اپنے چچا کا بھی رستہ دیکھتا رہا۔ اخیر ایک مہینہ کے رستہ سے چچاجان پہنچے۔ معہ فوج کے انکا استقبال کیا انہوں نے چترال کے رستہ کی مشکلات بیان کیں اور جو سردمہری کا برتاؤ انگریزی حکومت ہند نے ان سے کیا اس کا تذکرہ کیا حالانکہ یہ میرا چچا ہی تھا جس نے بیچ میں پڑ کے بمقام جمرود میرے دادا دوست محمد اور انگریزوں میں صفائی کرائی تھی۔ چچاجان نے مجھسے بیان کیا کہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے ختم ہونے پر تمام لوگ دوست محمد خاں کو ترغیب دیرہے تھے کہ ہرگز انگریزوں سے نہ ملو کیونکہ شمل سابق کے پنجاب افغانستان کی عملداری میں باآسانی شامل ہو جائے گا۔ دوست محمد اس پر راضی ہو گئے اور اس میں کوئی شبہہ بھی نہ تھا کہ اس وقت پنجاب پر ہمارا قبضہ ہو سکتا تھا۔ لیکن میں نے والد (یعنے دوست محمد) سے یہ کہا آپ ایسا ہرگز خیال نہ کریں بلکہ اپنے وعدے پر جمے رہیں اگر آپ عہدشکنی کریں گے تو آپ کا نام ذلت سے زبان زد ہو جائیگا۔ (عبدالرحمن کے چچا کہتے ہیں) اس امید پر کہ مجھے اس کا کچھ صلہ ملے گا میں ہندوستان گیا تھا۔

جب میرے چچا کو پسپا ہونے کی خبریں آئیں تو وہ بنوں بھاگ گئے اور سوات میں داخل ہو کے مزار دلیا یعنے احمد کے مزار پر پہنچے۔ یہاں کچھ عرصہ قیام کیا اور پھر دیر اور کوتل لاہور کے رستہ سے چترال میں داخل ہوا اور وہاں سے درہ دورا کوتل میں ہو کے بدخشاں چلا آیا اور پھر کتغان اور غوری ہوتا ہوا باجگاہ میں پہنچ گیا۔ چچا کے بحفاظت پہنچنے سے میں بہت خوش ہوا اور میں نے

خدا کا شکر ادا کیا کہ اپنے والد کی جگہ میں اُن سے دوبارہ ملا۔ ہم نے فوراً سرداران کابل سے نامہ و پیام شروع کیا اور غوربند کے رستہ سے کوہستان داخل ہوئے۔ میں پہلے لکھہ چکا ہوں کہ سردار شریف خاں قید کر لیا گیا تھا اور اس کا بھائی امین ہم سے لڑنے کے لئے توتم درہ پر بھیجدیا گیا تھا۔ لیکن جب میرے چچا کا خط اُس کے پاس پہنچا وہ بھاگا ہوا آیا۔ چچا کو سلام کیا اور اپنے بھائی کو جو ہمارے ساتھ تھا گلے سے لگایا۔

شیر علی بھی کس قدر کوتاہ اندیش ہے کہ ایسے آدمیوں کو ہم سے جنگ کرنے کے لئے بھیجتا ہے جو اُن کے بھائیوں کے دوست ہوں

امین خاں نے اپنے لشکر کو جدا کر دیا اور کل لشکر کابل چلا گیا۔ میں چاریکار سے سعد آباد ہوتا ہوا توتم درہ میں داخل ہوا۔ اس اثناء میں برف پڑنے لگی تھی اور روز بروز اُس کی شدت بڑہتی تھی۔ رسالہ کی مدد سے میں نے اونٹوں کا راستہ نکالنے کے لئے رستہ کو صاف کیا پھر پیادہ فوج بھی باسانی گزر گئی اس کے بعد توپخانہ بہزار دقت پار اُتارا گیا۔

ہمارا سفر اس قدر سخت تھا کہ ہم سارے دن میں صرف دو گھنٹے چل سکتے تھے اس صورت سے ہمنے بہت ہی آہستہ قدم بڑہایا اخیر بہزار صعوبت بمقام ترخامال پہنچے۔ شیر علی کی فوج مقام خواجہ پر مقیم تھی میں نے فوراً پہاڑیوں کی چوٹیوں پر مورچہ بندی کر لی اور یہاں سے دشمن کی نقل و حرکت دیکھتا رہا لیکن دشمن کی فوج کا مطلق پتہ نہ لگا۔ میں نے دُوربین سے دیکھا کہ کابل کی حفاظت کے لئے کچھہ بھی تیاری نہیں کی گئی

شب کو اُسی پہاڑی پر آرام کیا علی الصباح شیر علی کے بیٹے کا ایک خط کابل سے آیا جس میں یہ لکھا تھا کہ تم چالیس روز تک کابل پر حملہ نہ کرو تو میں تمہارے والد کو بھی قید سے رہا کر دیتا ہوں اور تمہیں ترکستان دیدیتا ہوں۔ میں نے شیر علی کے بیٹے کی یہ بات مان لی اس کی وجہ یہ تھی کہ سخت برف کی وجہ سے میں کابل پر حملہ نہیں کر سکتا تھا دوسرے میرا یہ ارادہ ہو گیا تھا کہ اگر شیر علی کے بیٹے نے اپنے وعدہ کو ایفا کیا تو میں بدخشاں واپس چلا جاؤنگا۔ اسی اثناء میں سردار محمد رفیق خاں اور جنرل شیخ میر جو سردار ابراہیم کے مصاحبوں میں تھے آپس میں جھگڑ بیٹھے شیخ میر کے ساتھیوں کی تعداد بہت بڑی تھی اس نے محمد رفیق کو جو شیر علی کے عاقل وزیروں

میں تھا شکست دی اور پھر شیخ میر نے یہ چاہا کہ کسی طرح رفیق کو قتل کر ڈالا جائے رفیق اپنی جان کے خوف سے بھاگ کے سید ہا تگاؤں میں آ کے پناہ گیر ہوا۔ اور جب میں چار اکار میں پہنچ گیا وہ ہم سے آ کے مل گیا اور اس نے شیر علی کی بدانتظامی کے سارے کچے چٹھے کو ہمارے آگے کھول دیا۔ یہ شخص اب سے ہمارے ساتھ ہو گیا۔ چونکہ چالیس دن کا مُعاہدہ ہو گیا تھا کہ جنگ نہ ہو ہم اپنی فوج کے ساتھ کوہستان واپس چلے آئے۔ میرا چچا چار اکار میں مقیم رہا جو کابل سے ۲۷ میل ہے۔

بہت ٹھیک موقع پر مارچ کا مہینہ شروع ہوا اور شیر علی کے بیٹے کے وعدہ کا وقت بھی منقضی ہو گیا۔ جب مجھے ایفائے وعدہ کی کوئی امید نہ رہی میں کابل پر بڑھا اور قلعہ دورہ مست پر پہنچا عظیم دین خاں جو ایک ہزار ملیشا کے ساتھ میری یلغار کو روکنے کے لئے بھیجا گیا تھا چند ہی گولوں میں اس کے ہوش اُڑ گئے اور وہ سیدھا بیرنگ کابل چلا گیا۔ اخیر ماہ فروری ۱۸۶۶ء میں میرا چچا بڑے جاہ و حشم سے کابل میں داخل ہوا اور جب سردار شیر خاں کے مکان میں پہنچا تو سرداران کابل اور وزرا نے اُسے سلام کیا۔ ادھر سردار ابراہیم خاں پسر شیر علی نے کابل کے قلعہ کی خوب مورچہ بندی کر کے اس میں قیام کیا میں نے اس قلعہ کا محاصرہ کر لیا نوروز کے بعد جنرل شیخ میر اور دوسرے سرداروں نے قلعہ کے دروازے کھولدیئے شیر علی کا بیٹا جب ہم قلعہ میں داخل ہوئے ہیں اپنی حرم سرائے میں بیٹھا تھا جب اس نے ہمارے داخلہ کی خبر سُنی حرم سرائے سے باہر نکلا اور ہمیں سلام کیا اس صورت سے ہم نے کابل فتح کر لیا اور شیر علی کا بیٹا قندھار بھاگ کے چلا گیا۔

چھ ہفتے تو خاموشی سے گزر گئے کہ اچانک ہمیں خبر آئی کہ شیر علی فوج کثیر کے ساتھ کابل پر بڑھ رہا ہے میں نے بھی دو دو ہاتھ کرنے کی تیاری کی اور اپنے سواروں کو تین ڈیوِژنوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک ڈیوِژن کابل میں چھوڑ کے دو باقی ماندہ ڈیوِژنوں کے ساتھ مقام کوہ سرخ سنگ پر بڑھا۔ اپنے چچا کی سرکردگی میں کابل میں ڈیوِژنوں کے چھوڑنے کی وجہ یہ تھی کہ جلال آباد سے فتح سنگھ کی ایک لڑکی کابل پر حملہ کرنے کی غرض سے بڑھ رہی تھی اس کے علاوہ تین ہزار سوار جنہیں میں نے بعد ازاں ملازم رکھا تھا چچا کے پاس چھوڑ دیئے میرے ساتھ اس وقت تیس توپیں

اور نو ہزار سپاہ تھی میں نے میر رفیق خاں کو اپنے ساتھ غزنی چلنے کا حکم دیا جب غزنی پہنچا تو میں نے نظر درد ک کو دیکھا کہ قلعہ بندی کئے ہوئے پڑا ہے۔ میں نے جاتے ہی اُس قلعہ کا محاصرہ کر لیا لیکن یہ قلعہ بہت ہی مضبوط تہا اور میرا چھوٹا تخچر والا توپخانہ اس کا کچھ نہ کر سکتا تھا۔ جب یہ بات تھی تو میں نے کچھ عقل کی بات نہ سمجھی کہ مفت میں اپنا گولہ باروت برباد کروں کیونکہ سامان میگزین میرے پاس تھا بھی بہت کم۔ قلعہ میں امیر شیر علی کے خطوط برابر پہنچ رہے تھے اس سے اہل قلعہ اور بھی دلیر بن گئے تھے۔

شیر علی نے خط میں یہ لکھا تھا کہ چالیس ہزار سپاہ کے ساتھ میں تمہیں خلاصی دلوانے آرہا ہوں گیارہ روز بغیر جنگ کے گزر گئے یہاں تک کہ غزنی سے ایک دن کی راہ پر شیر علی کا لشکر رہ گیا۔ میرے مخبر چھپے ہوئے تھے اُنہوں نے خبر دی کہ شیر علی چالیس ہزار شایستہ فوج کے ساتھ بڑھا چلا آتا ہے۔ یہ سُن کے میں نے میر رفیق خان سے مشورہ کیا ہم دونوں نے اس پر اتفاق کیا کہ اس کثیر تعداد شایستہ فوج سے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا سخت غلطی ہے۔ مشورہ کرکے ہم ایک تنگ درہ میں چلے گئے جو ہمارے قلیل تعداد فوج کے لئے بہت ہی مناسب تھا۔ میر رفیق نے صلاح دی کہ قدم پیچھے نہ ہٹانا چاہئے مبادا ہماری فوج یہ سمجھے کہ یہ تو اب بھاگتے ہی ہیں ہم کیوں ان کا ساتھ دیں اور وہ تتر بتر ہو کے بھاگ جائے میں نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا اور میر رفیق کو جواب دیا میری کل فوج شایستہ ہے جہاں جہاں میں جاؤں میرے ساتھ ساتھ جائے گی اور کبھی مجھ سے روگردانی نہیں کرنے کی سعد آباد بڑا ہی تنگ درہ تھا اور ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک بلند بلند پہاڑیاں کھڑی تھیں ہم شب کو وہاں پہنچ گئے۔

شیر علی نے جب ہمارے پس پا ہونے کی خبر سنی تو دس ہزار ہراتی اور قندہاری سپاہ کو ہمارے عقب پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور کابل کے راستہ پر بھی قبضہ کر لیا ترکیب یہ تھی کہ اگر ہمیں کل شکست مل جائے تو ہم بچکے کابل نہ جا سکیں۔ اس دس ہزار فوج سے میری فوج ہراول سے مقابلہ ہوا جس کی تعداد کل چھ سو تھی۔ میرے سوار ہراول بڑی بہادری سے لڑے اور قدم بقدم پیچھے ہٹتے گئے یہاں تک اُنہوں نے مجھے کہلا کے بھیجا کہ ٹڈی دل فوج نے گھیر لیا ہے

جلدی مدد بھیجو۔ قاصد کے پہنچتے ہی دو بٹالن پیادہ فوج کی ان کی امداد کے لیے روانہ کیں اور اچانک شیر علی کے سواروں پر جو ایک جگہ جمع ہو کے جا رہے تھے فیر کر دیئے۔ چونکہ وہ ایک ہی جگہ اکٹھے تھے بہت سوں کا ستراؤ ہو گیا اور وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ میری فوج مال غنیمت لے کے اور فتح کا باجہ بجاتی ہوئی میرے پاس آئی پھر میں اپنی فوج کے ساتھ سعد آباد پر بڑھا۔

جب شیر علی نے اپنی فوج کی فاش شکست کی خبر سُنی فوراً دس ہزار دوسری فوج اُن کی امداد کے لیے روانہ کی یہاں تیا پانچا ہو چکا تھا اور میں بہت تیزی سے سعد آباد چلا آ رہا تھا جب اس تازہ دم فوج نے دیکھا کہ میدان جنگ خالی ہے اور عبدالرحمٰن اپنی فوج کے ساتھ پیچھے ہٹ رہا ہے تو وہ فوج فتح کی خبریں لیکے شیر علی کے پاس پہنچی اور بیان کیا کہ ہماری کثیر تعداد دیکھکر عبدالرحمن کی کمر ٹوٹ گئی اب وہ نوک دُم بھاگا چلا جاتا ہے۔ شیر علی یہ سنکے کھِل گئے اور فتح کی خوشی میں پھولے نہیں سمائے فوراً فتح کی توپوں کے سر ہونے کا حکم دیا اور اپنے رسالہ کو روانہ کیا کہ عبدالرحمن کا تعاقب کر کے اُسے زندہ پکڑ لا۔

جوں ہی ہم شاہ گاہ صبح کے نو بجے پہنچے کہ یہ رسالہ اچانک ہماری آنکھوں کے آگے نمودار ہوا۔ میں بارہ۱۲ خچر کی توپوں چار بٹالینوں کے ساتھ سامان باربرداری اور رسد کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ سامان کے جانب راست میر رفیق کو ایک ڈویژن کے ساتھ تعینات کر دیا تھا اور جنرل نظیر عبدالرحیم کے ساتھ سامنے کی طرف مقرر تھا۔ جب دشمن کا رسالہ بہت قریب پہنچ گیا تو میں تیزی سے آگے بڑھا اور جلدی سے ایک غار میں جو راستہ کے کنارہ پر تھا ایک بٹالن چھپا دی اور اُنہیں حکم دیدیا کہ جس وقت وہ میری توپوں کی آواز سنیں فوراً فیر کر دیں پھر اپنے سواروں کو آہستہ آہستہ آگے بڑھنے کا حکم دیا میں نے دیکھا کہ دشمن کا رسالہ اس گڑھے کے پاس سے گزر رہا ہے جہاں میں نے بٹالن چھپادی تھی میں اپنی بارہ۱۲ توپیں اُنکے سامنے لے آیا اور حکم دیا کہ توپوں پر فوراً بتی پڑے۔ توپوں کی آواز سُنتے ہی میری پوشیدہ بٹالن نے جو انتظار میں بیٹھی تھی قریب سے رسالہ پر فیر کر دیئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے ایکہزار سوار آناً فاناً میں کھیت رہے اور بقیۃ السیف بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن بہت جلد وہ پھر پلٹے اور اب میرے

پیچھے پیچھے ہو لئے لیکن انہیں عقب سے حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ کچھ عرصہ تک تو وہ پیچھا کرتے رہے جب میری زد پر آ گئے تو پھر اپنے سواروں کو اُن پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ حملہ کا نتیجہ میری فوج کے حق میں بہتر نکلا ایک سو پچاس سوار قید کر لئے۔ میں نے ان قیدیوں کو یہ کہہ کے "بھائی میرے شایستہ لشکر سے جنگ کرنا بڑا کٹھن کام ہے" فوراً چھوڑ دیا۔ فوج کی شجاعت اور میرا مہربانی آمیز برتاؤ دیکھ کے یہ لوگ شیر علی کے پاس چلے گئے لیکن رستہ میں اُنہوں نے غضب یہ کیا کہ رعایائے وردک میں سے سو آدمیوں کے سر کاٹ کے اپنے ساتھ لیتے گئے اور جا کے وہ سر شیر علی کے قدموں پر ڈال دیئے کہ یہ سر اُن لوگوں کے ہیں جن کا تعلق افغانی سواروں سے ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد مقتولین کے ورثا روتے پیٹتے شیر علی کے پاس آئے اور اُنکے سپاہیوں کی بے رحمانہ کارروائی کی شکایت کی کہ ہم بالکل بے گناہ رعایا ہیں۔ یہ ظالم بلاوجہ ہمارے آدمیوں کے سر کاٹ لائے ہیں۔ شیر علی نے فوراً سرگروہ فوج کو بلایا کہ یہ کیا بات ہے اور اس کی اصل حقیقت کس طرح ہے۔ اس شخص نے کہا اصل یہ ہے کہ عبدالرحمٰن کے سواروں سے لڑنا بڑا ہی کٹھن کام ہے اگر جنگل ہوتا تو وہ ہمیں گھیر کے پیس ڈالتا وہ تو یہ خیر ہوئی کہ پہاڑ اور گھاٹیاں تھیں جہاں سے ہم بچ بچا کے چلے آئے۔

امیر شیر علی غزنی کی طرف روانہ ہوا اور یہاں اس نے چار روز آرام لیا۔ پانچویں روز میرے باپ کو قلعہ میں قید کر کے آپ سعد آباد پر بڑھا۔ آخرالذکر مقام پر میں نے بہت مضبوطی سے مورچہ بندی کر لی تھی اور قلعہائے کوہ پر اپنی توپوں کو نصب کیا تھا اور اب میں دو دو ہاتھ شیر علی سے کرنے کے لئے بالکل آمادہ تھا۔ چار دن سفر کرنے کے بعد شیر علی ہمارے مورچوں کے سامنے آ کے مقیم ہوا میں نے پیشتر ہی سے ایک گاؤں اُنچی نامی سامان خورونوش جمع کرنے کے لئے لوٹ لیا تھا اس وقت بیس روز کا سامان میرے پاس موجود تھا لوٹنے کی وجہ یہ ہوئی کہ گاؤں والوں نے میری فوج کے ہاتھ کسی قسم کا سامان فروخت کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ میری فوج کی تعداد صرف سات ہزار تھی اور امیر شیر علی کے پاس پچیس ہزار فوج اور پچاس توپیں تھیں۔ غرض توپوں پر بتی پڑی اور اب ایک خطرناک جنگ کا آغاز ہوا توپوں کے دھوئیں سے آفتاب بالکل چھپ گیا تھا چار بجے سہ پہر تک برابر جنگ جاری رہی۔ اس جنگ میں میرا سنگین نقصان ہوا یعنے ہزار سپاہی

سپاہی مقتول اور مجروح ہوئے مگر شیر علی کا نقصان اس سے بھی سہ چند ہوا۔ مجھے فوراً معلوم ہوا کہ خداوند تعالیٰ نے آج کے دن مجھے کامیاب کیا۔ میں نے ایک رسالہ کو بھیجا کہ آندھی اور مینہہ کیطرح غزنی پر بڑھ کے میرے باپ کو قید سے رہائی دے۔ رسالہ کے پہنچنے سے پہلے پہرہ والوں نے میری فتح کی خبر سنکے میرے باپ کو چھوڑ دیا تھا اور دست بستہ اُس کے آگے ہاتھ باندہ کے کھڑے ہو گئے تھے وہ سردار جو میرے باپ کے ساتھ رہا ہوئے ان کے نام یہ ہیں۔ سردار سرور خاں۔ پسر سردار علیم۔ سردار شاہ نواز خاں۔ سردار سکندر اور اس کا چچا۔ محمد عمر برادر سردار سلطان خاں گورنر ہرات۔ یہ فاش شکست کھا کے امیر شیر علی قندہار بھاگ گیا اور وہ رسالہ جو میرے باپ کا تھا اور اب امیر شیر علی کی طرف سے جنگ کر رہا تھا اس سے علیحدہ ہو کے ہماری سرپرستی میں چلا آیا۔

اس جنگ سے پہلے میں نے اپنے چچا کو لکھا تھا کہ آپ آ کے میری مدد کریں اگرچہ میرے بلانے سے وہ ضرور آگئے لیکن پھر بھی جنگ میں شریک نہ ہو سکے دور سے کھڑے ہوئے جنگ کا تماشا دیکھتے رہے۔ اُن کا بیٹا محمد عزیز جس کی عمر صرف سترہ برس کی تھی بڑی بہادری سے میرے پہلو بہ پہلو دشمن سے جنگ کرتا رہا۔ والد نے بھی مجھے خط لکھا جس میں اُنہوں نے میری اس شاندار فتح پر اظہار خوشنودی کیا۔ اس خط کو پڑھ کے میں بہت خوش ہوا اور میں نے خدائے قادر و مطلق کی حمد و ثنا کی اس خط کا جواب میں نے یہ دیا کہ اگر جناب اجازت دیں تو میں قدمبوسی کے لئے حاضر ہوں اُنہوں نے یہ لکھا کہ میں مناسب نہیں سمجھتا کہ تم اپنی فوج چھوڑ کے یہاں آؤ میں خود تمہارے پاس آتا ہوں۔

چار روز تک میری سپاہ شیر علی کا سامان اور خزانہ لوٹتی رہی پانچویں روز میرے والد آ کے پہنچ گئے۔ اپنی سپاہ کو ساتھ لیکے میں والد کی پیشوائی کو گیا۔ جوں ہی والد کے قریب پہنچا گھوڑے پر سے اُتر کے اُن کے قدموں پر بوسہ دیا اور خدائے توانا و بزرگ کا ان کی خلاصی پر بہت شکر کیا دوسرے روز میں نے ارادہ کیا کہ ہرات تک شیر علی کا تعاقب کروں میرے والد اس بات پر راضی ہو گئے کہ تیرے چلے جانے کے بعد کل کام تیری جگہ انجام دوں گا۔ میرے چچا اس پر راضی نہ ہوئے۔ مجھے اُس بات سے سخت غصہ آیا میں نے کہا سنئے چچا جان اگر آپ کو یہہ

خوف ہے کہ جنگ ہو جائے گی تو آپ اُس وقت تک مجھ سے آ کے نہ ملیں جب تک میں شیر علی کو گرفتار نہ کر لوں۔ پہلے تو والد راضی ہو گئے تھے لیکن بعد میں وہ بھی اپنے بھائی کے ہمزبان بن گئے اور انہوں نے کہا بہتر یہی ہے کہ ہم سب مل کے کابل چلیں۔ اخیر ہم سب کابل پہنچے لوگوں نے بڑے جوش سے ہمارا استقبال کیا اور بہت کچھ خیرات کی۔ میں محل میں داخل ہوا اور اپنے باپ کے نام کا خطبہ پڑھا۔ تمام سرداران کابل نے جمع ہو کے میرے والد کو مبارکباد دی کہ خدا نے آپ کو امیر کابل بنایا اور چونکہ آپ امیر دوست محمد خاں کے بڑے بیٹے ہیں اور حق وراثت آپ ہی کو سب سے زیادہ پہنچتا ہے اس لئے ہم نے بخوشی آپ کو امیر قبول کیا۔ ان سرداروں نے یہ بھی کہا کہ شیر علی کو تو چند فوجی افسروں نے بنا لیا تھا ہم نے تو کبھی اُس کی سلطنت کو پسند نہیں کیا اور ہم نے اُس کے اس بے رحمانہ فعل پر کہ اس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا ہمیشہ اس سے نفرت کی آپ سے زیادہ موزوں تخت کابل پر ہم کوئی نہیں پاتے ہیں شیر علی کے بیٹے کے مارے جانے کا بڑا افسوس ہے کہ شیر علی ہی کی وجہ سے اس کی جان گئی اور ہم بھی جبراً قہراً اس کے ساتھ شریک تھے۔

موسم خزاں میں والد نے مجھے اطلاع دی کہ امیر شیر علی نے فوجیں آراستہ کر لی ہیں اور اب وہ کابل کی طرف بڑھے گا میں نے جواب میں یہ لکھا کاش آپ مجھے فتح کے بعد ہرات تک اس کا تعاقب کرنے سے نہ روکتے تو آج دوبارہ جنگ کے لئے اُسے تیاری کرنی نصیب نہ ہوتی۔ پھر میرے والد نے دریافت کیا کہ اگر ضرورت ہوئی تو تم کتنے روز میں کابل پر آ سکتے ہو۔ میں نے اس بات کو پہلے ہی سے سوچ لیا تھا کہ شیر علی ضرور جمعیت کر کے کابل پر ایک دفعہ اور بھی حملہ آور ہوگا اس لئے میں نے ہر قسم کی تیاری کر لی تھی۔ والد کو لکھ دیا کہ میں ہر طرح تیار ہوں اور ملتے ہی اطلاع سے کابل کیطرف کوچ کر سکتا ہوں۔ یہ سنکے والد بہت متعجب ہوئے اور کہا کہ یہ پہلی دفعہ ہے کہ ایک افغانی فوج عین دن کے دن ساز و سامان سے درست میدان جنگ میں اعلان ہوتے ہی بڑھ آئے۔ میں والد ہی کی خدمت میں حاضر تھا کہ میں نے سرداران فوج کو تیاری جنگ کا حکم دیا فوراً بارہ ہزار فوج کابل کے پاس جمع ہو گئی۔ اُنہیں دیکھ کے مقام وہ تجری روانہ ہونے کا حکم دیا۔ والد نے میری تیاری افواج کی اچھی طرح جانچ کر لی تھی کسی بات کی بھی کسر نہ تھی۔ پھر والد نے اپنے بھائی

کی طرف خطاب کر کے کہا کہ کیا تمہاری فوج عبدالرحمن کے ساتھ جانے کے لئے تیار ہے۔ چچا نے جواب دیا کہ سوائے خیموں کے اور کوئی چیز تیار نہیں ہے۔ ہاں ایک مہینہ تیاری فوج کے لئے درکار ہے میں نے اُن سے وعدہ کیا کہ غزنی میں تمہارا انتظار کروں گا پھر اپنے والد کے ہاتھوں پر بوسہ دیکے روانہ ہو گیا۔ وہاں جا کے بیس روز انتظار کرنے کے بعد مجھے خبر لگی کہ شیر علی مقام قلات توخی میں پہنچا ہے یہ سُنتے ہی میں نے والد کو خط لکھا کہ میرے چچا مجھ سے کب آ کے مل جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ اس کے پاس تین ہزار سواروں سے زیادہ نہیں ہیں مجھے خیال گزرا کہ اتنی تھوڑی سی امداد کی امید پر میں کیوں اپنی اتنی بڑی فوج کو بیکار رہنے دوں میں نے یہ لکھ کے بھیجدیا کہ رسالہ کی تعداد چار ہزار سے زیادہ میرے پاس نہیں ہے اگر کسی صورت سے چچا کو آنے میں دیر ہو جائے تو میری امداد کے لئے فوراً رسالہ روانہ کر دیا جائے۔ اس خط کو بھیجنے کے بعد مقام موکر روانہ ہوا۔ یہ سنکے شیر علی نے قلات میں مورچہ بندی کر کے وہاں قیام کیا۔ موکر میں بارہ روز چچا کا انتظار کر کے میں اخیر قلات روانہ ہوا۔

دوسرے روز دس ہزار سوار شاہ پسند خاں اور فتح محمد خاں کی ماتحتی میں شیر علی نے لشکرگاہ کی آس پاس کی آبادی لوٹنے کے لئے مقرر کئے ایک مخبر کی زبانی مجھے معلوم ہوا کہ یہ لوگ چھ میل کے فاصلہ پر ایک جگہ چھپ گئے ہیں جب میں آگے بڑھا تو یہ خبر آئی کہ شیر علی کے یہ کل سوار مقام چشمہ پنجک کے ایک پرانے قلعہ میں شب کو مقیم رہے تھے۔ میں نے فوراً حکم دیا کہ جنرل نظر خاں اور عبدالرحیم ایک ہزار فوج رسالہ اور ایک ہزار تورانی سواروں۔ دو بٹالن اور چھ توپوں کے ساتھ قلعہ میں شب خون ماریں۔ اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی۔ دشمن ششدر رہ گیا تین سو مقتولین اور ایک ہزار قیدی چھوڑ کے بھاگ گیا۔ میری فوج میں صرف ایک شخص مقتول ہوا کیونکہ دشمن نے ہرگز جنگ کرنیکی کوشش نہیں کی بلکہ اُس پر بدحواسی ایسی چھائی کہ وہ افتاں وخیزاں قلعہ کے باہر نکلا اور بمشکل اپنی جان بچائی۔ ان قیدیوں کو میں نے غزنی بھیجدیا۔ یہ سنکے شیر علی کی کمر ٹوٹ گئی اور وہ سمجھ گیا کہ اس کی تقدیر پھر گئی اسی غم واندیشہ میں گیارہ روز تک بغیر جنگ کے پڑا رہا اس اثنا میں میرا چچا فوج سوار اور پیادہ لیکے آ گیا جو کچھ گزرا تھا میں نے اُس سے بیان کر دیا۔ اب اس وقت دو راستے ہمارے آگے تھے ایک قلات غلزئی کی راہ سے قندہار کو جاتا تھا اور دوسرا ہوتا کی

جرگے کی عملداری میں ہو کے نوا ارغستان میں جاتا تھا اور پھر یہاں سے منڈہ حصار سے ایک راستہ قندھار میں جانے کا نکل آتا تھا۔ ان دو رستوں کو ایک بلند پہاڑ نے علیحدہ علیحدہ کر دیا تھا میری سمجھ میں آیا کہ اگر ہم افغانستان کے راستہ سے بڑھیں تو جو محنت شیر علی نے قلات کو قلعہ بندی کرنے میں کی ہے وہ سب رائیگاں جائے گی میں نے یہ تجویز اپنے چچا سے بیان کی انہوں نے میری رائے سے اتفاق کیا ہم دونوں اسی مجوزہ راہ سے روانہ ہوئے۔

میری روانگی کی یہ صورت تھی سامان میں نے سب سے پہلے روانہ کر دیا تھا اور سختی کے ساتھ حکم دیا تھا کہ جب تک میں نہ پہنچ لوں جانوران بار برداری سے ایک بھی نہ اُتارا جائے اس کے بعد جنرل نظیر خاں۔ عبدالرحیم اور چند دوسرے عہدے دار تھے میں اپنی فوج کے بازو بہ بازو چل رہا تھا تاکہ پہلو کے حملہ کی روک تھام کر سکوں۔ جب مقام دیوالک یہ کل لاؤ لشکر پہنچا تو میں نے ٹھیرنے کا حکم دیا میں اور میرا چچا پاؤ میل کے قریب پیچھے رہ گئے ہمارے پاس دو توپیں اور دو سو سوار تھے ایک سوار نے مجھے اطلاع دی کہ بھیڑوں کا ایک گلہ آرہا ہے میں نے دوربین سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ بھیڑوں کے بھیس میں دشمن کی فوج آرہی ہے فوراً میں نے اپنے دو سو سواروں کو حکم دیا کہ دس پانچ بار سامنے والی پہاڑی پر چڑھو اور اُترو تاکہ دشمن یہ سمجھ لے کہ فوجوں کے دل بادل اُترے چلے آتے ہیں اِدھر عبدالرحیم کو کہلا بھیجا کہ جلدی پہنچ اور جنگ کے لئے تیار ہو جا۔ اسی اثنا میں شیر علی کی کل فوج مفصلہ ذیل تعداد میں نمایاں ہو گئی۔ دس ہزار پشت رود سے تین ہزار ہرات سے دس ہزار قندھاری چار ہزار شیر علی کا کابلی باڈی گارڈ۔ یہ کل فوج ہم پر یلغار کرتی ہوئی آرہی تھی میرے افسر میرے پاس آئے اور کہا آپ سوار ہوں اور اپنی فوج سے مل جائیں میں نے اس رائے سے اس بنا پر مخالفت کی کہ دشمن نے ہماری کمی تعداد کو دیکھ لیا ہے اب اُسے یہ فکر ہوگا کہ ہماری پوری تعداد کو معلوم کرے ہم اس کے رسالہ کو جو اسی تلاش میں نکلیگا بہت آسانی سے کاٹ ڈالیں گے۔ وہ آگ روشن رکھے گا تاکہ ہماری نقل و حرکت کا اسے علم ہو جائے پس ہم فوراً اسی عرصہ میں اس کا فیصلہ کر دیں گے۔ افسروں نے اسبات سے اتفاق کیا لیکن اُن بیچاروں کو یہ معلوم نہ ہوا کہ اس تدبیر پر کس قدر پریشان ہوں اور مجھے اس معاملہ کا کتنا فکر ہے۔ دوسری طرف دشمن فوجی ترتیب کے ساتھ تلا کھڑا تھا لیکن آگے بڑھتے ہوئے اس لئے ڈرتا تھا کہ ہماری ٹھیک

تعداد اُسے نہیں معلوم ہوئی تھی اس کے علاوہ میری فوج اتنی دور تھی کہ قاصد کا پہنچنا اور پھر امداد کا آنا بڑا وقت چاہتا تھا۔ اخیر دور سے میں نے عبدالرحیم کو دیکھا کہ بھاگوں بھاگ میری مدد کو آرہا تھا۔ کہ اس کے پہنچتے پہنچتے دشمن کی فوج کا ایک حصہ میری دو توپوں پر آپڑا۔ توپیں چلیں ضرور لیکن کچھ کارگر نہ ہوئیں۔ دشمن دو توپچیوں کو مار کے اور ایک کو مجروح کر کے توپوں کو گھسیٹ کے لیچلا جب میں نے دیکھا کہ توپیں چلیں فوراً پیادہ فوج کی دو بٹالن ایک سمت اور دو بٹالن عبدالرحیم کی سرکردگی میں بھیجیں کہ اس توپ لیجانے والوں کو گھیر لے۔ اخیر جنگ ہوئی دشمن کے پانسو سپاہی اور بہت سے گھوڑے میدان جنگ میں کام آئے اور ہم نے اپنی توپیں چھین لیں۔ میں نے قلات کے جنوبی سمت سواروں کا تعاقب کیا۔ دشمن سہ پہر کے وقت تو تھالہ گاؤں میں پہنچا اور پھر اُس نے بتاک سر پہاڑیوں پر قیام کیا ہم بھی اُسکے قریب ہی خیمہ زن ہوئے اور یہ مقام ایسا موزوں تھا کہ ہم قلعہ قلات میں شیر علی کو اچھی طرح دیکھ سکتے تھے اور کچھ خوردبین کی بھی یہاں ضرورت نہ رہی تھی۔ یہ بھی میں نظر کر رہا تھا کہ جس وقت شکست یافتہ سپاہ پہنچی ہے باقی ماندہ فوجوں کی ہمت ہار گئی اپنے سورچوں میں شیر علی کی فوج شکستہ دل انسان کی طرح زبردستی قدم اُٹھا رہی تھی اور اس کے ہر قدم سے معلوم ہو رہا تھا کہ یہ پوری مایوس ہو چکی ہے میں نے فوجوں کے آراستہ کرنے میں بہت سخت تکلیف اُٹھائی اس موزوں مقام کو تلاش کیا جہاں توپوں کو نصب کرنا چاہیئے تھا۔ میری فوج میں بارہ بٹالن چھ چھ سو سواروں کی تھی دو ہزار رسالہ کے سوار اور ایک ہزار دُرانی سوار تھے باقی کی فوج کیمپ میں مقیم تھی۔ میں شام تک پہاڑی پر کھڑا رہا اور پھر دشمن کی آنکھ بچا کے نیچے اتر آیا اتنے میں اندھیرا ہو گیا اور میں کل فوج کے ساتھ اپنے کیمپ کی طرف واپس پھرا جہاں میں ٹھیک دو بجے شب کو پہنچا۔ خداوند تعالےٰ کی عنایت سے بارش ہونی شروع ہوئی دس بجے صبح تک موسلا دھار مینھ برسا تمام سڑکوں پر کیچڑ ہو گئی اور خیمے بھیگ کے چوڑا ہو گئے دو روز تک ہمیں ٹھیرنا پڑا اس کے بعد ہم قندھار روانہ ہوئے ہمارے پیچھے شیر علی نے بھی باگیں اُٹھائیں۔ ہم میں اور شیر علی کے بیچ میں پہاڑ کا ایک سلسلہ فاصل تھا ایک طرف میری فوج بڑھ رہی تھی اور دوسری طرف شیر علی اپنی فوج کے ساتھ قدم اُٹھا رہا تھا۔ شیر علی سے پہلے قندھار پہنچنے کی مجھے امید تھی اور اس کا یہ ارادہ تھا کہ ہمارے ساتھ ساتھ رہے

اور ہم جہاں ٹھیریں وہیں وہ بھی قیام کرے۔ ہم اس صورت سے پانچ روز تک سفر کرتے رہے میری فوج اور دشمن کی فوج میں پانچہزار قدم کا فاصلہ تھا لیکن ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر حملہ کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔

پانچویں تاریخ ہم ایک ایسے مقام پر پہنچے جو جنگ کی جان تھا شیر علی نے بھی یہیں ڈنڈے ڈیرے ڈالدیئے۔ چند توپیں پہاڑی کی چوٹی پر نصب کیں اور اُن پر جھنڈے کھڑے کر دیئے اور دشمن کو دہوکا دینے کے لئے پہاڑی کے پیچھے توپیں چھپادیں۔ کل زائد سامان تو آگے کی طرف روانہ کیا اور جنرل نظیر اور عبدالرحیم کو میں نے حکم دیا کہ تین بٹالین اور ایک ہزار ملیشا پیادہ فوج کے ساتھ اس گڑھے پر قبضہ کرلیں جدھر سے شیر علی گزرنے کو تھا۔ جب یہ دیکھا کہ میں نے راستہ پر قبضہ کرلیا ہے تو مجبوراً شیر علی نے نقارہ جنگ پر چوب پڑنے کا حکم دیا۔ جب شیر علی نے یہ دیکھا کہ عبدالرحمن کے چند سپاہی پہاڑ کی چوٹی پر ہیں سامان آگے جاچکا ہے تو وہ اپنے افسروں سے کہنے لگا کہ ایک ہی حملہ میں دشمن کا تیا پانچا کرلو کیونکہ چند سپاہی اس وقت پہاڑ کی چوٹی پر دکھائی دیتے ہیں اخیر میرے چند سپاہیوں پر حملہ ہوا میں موقع کی تاک میں لگا ہوا تھا فوراً اپنی پوشیدہ فوج کو حکم دیا کہ دشمن پر حملہ کرے وہ پوشیدہ مقام سے نکل آئی بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی طرفین کے بہت سے لوگ مقتول ومجروح ہوئے اسی اثنار میں جنرل نظیر اور عبدالرحیم کو حکم دیا کہ دشمن کے بازو اور عقب پر حملہ کیا جائے۔ تھوڑی دیر میں شیر علی کی سپاہ تتر بتر ہو کے قندہار فرار ہوگئی میں نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ ان کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے۔ علاوہ سامان کے ۲۵ توپیں بھی ہمارے ہاتھ لگیں۔ پھر میں اپنے لشکرگاہ میں چلا گیا جو تیرہ میل دور تھا اور وہاں خوب سنا کے سویا کیونکہ پندرہ روز سے میں دو تین گھنٹے سے زیادہ ذرا نہ سویا تھا چھوٹی چھوٹی لڑائیوں اور فوجی مشکلات نے مجھے آرام لینے کی مطلق فرصت نہ دی تھی دوسرے روز شام کو میں سو کے اٹھا۔ کھانا کھایا اور پھر صبح تک سورہا۔ اتنے عرصہ سونے پر میری طبیعت بہت درست ہوگئی میں نے اپنی نمایاں فتح پر خدائے توانا و بزرگ کا شکریہ ادا کیا۔

دوسرے روز قندہار روانہ ہوا میرے چچا ساتھ ساتھ تھے۔ روانگی سے پانچ روز بعد شہر میں داخل ہوا۔ شیر علی سیدھا ہرات بھاگ کے چلا گیا۔ قندہار پہنچنے پر میرے چچا کا ارادہ کابل جانے کا ہوا

میں نے اُنکی خدمت میں عرض کیا کہ آپ بطور گورنر کے قندہار میں رہیئے اور مجھے کابل چلا جانے دیجیے۔ میں نے باربرداری کے جانوروں کا انتظام کیا کیونکہ میرے جانور سفر اور جنگ سے سخت کمزور ہو گئے تھے اور اب اُنہیں ضرورت تھی کہ چرنے چھوڑ دیا جائے تاکہ خوب ڈبل ہو جائیں۔ میں ایک شخص فتح محمد پسر سلطان احمد خاں کا ذکر کرتا ہوں جو میرے چچا کی فوج میں ایک افسر تھا۔ جنگ ہرات میں اس کے باپ کو شیر علی نے قید کر لیا تھا۔ میرے والد نے اُسے خلاصی دلوا کے ہزارہ جات کا گورنر بنا دیا تھا۔ یہ شخص گورنری چھوڑ کے بھاگ کھڑا ہوا اور شیر علی سے آکے ملگیا۔ اُس نے اپنے رسالہ کا افسر بنا کے مجھسے جنگ کرنے کے لئے بھیجا۔ ایسے شخص کا کیا کہنا جو اپنے محسن سے روگردانی کر کے اُس شخص سے مل جائے جس نے اُسے گرفتار کیا تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

شمشیر نیک ز آہن بد چوں کند کسے ناکس ز تربیت نہ شود ای حکیم کس
باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید در شور بوم خس

چوتھا باب

تتمہ جنگ شیر علی

امیر عظیم

۱۸۶۷ء سے ۱۸۶۸ء تک

اب میں اپنے ناظر سوانح کی توجہ بلخ کی طرف پھیرنا چاہتا ہوں۔ میں ذکر کر چکا ہوں کہ اس ملک کے فتح کرنے کے بعد میں نے فیض محمد کو نظیر حیدر خاں اور جنرل علی عسکر خاں کے ساتھ گورنر مقرر کر دیا تھا۔ جب میں مقام تھمن میں پہنچا تو فیض محمد اور جنرل نظیر کی اس وقت ٹھن رہی تھی یہ سن کے میں نے ان دونوں کو خط لکھا کیا غضب کی بات ہے کہ ایسے نازک موقع پر کہ میں کابل پر حملہ کرنا چاہتا ہوں تم آپس میں کٹے مرتے ہو۔ موسم سرما میں فیض محمد کو لکھ کے بھیجا کہ تو ایک ہزار الداؤ یابو مجھے بھیجدے اس غدار نے دیکھا کہ میں جنگ میں مبتلا ہوں فوراً انکار کر دیا۔

سعد آباد کی فتح کے بعد میرے والد نے اُسے لکھا کہ مجھسے آکے مل اُن سے ملنے کے لئے بھی نہیں آیا۔ اس کے بعد میرا چچا زاد بھائی سردار سرور خاں اور غلام علی آٹھ ہزار سپاہ کے ساتھ ہزارہ کا

انتظام کرنے کے لئے بہمن بھیجے گئے اسی اثنا میں شیر علی قندہار سے غزنی پر بڑھ رہا تھا اور جیسا کہ میں اوپر بیان کر چکا ہوں میرا اُس کا مقابلہ قلات پر ہوا تھا۔

اس عرصہ میں سردار فیض محمد ہماری جان کے لئے عذاب ہو گیا کہ میرے والد نے سرور خاں کو اسپر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ سردار یک لخت بہمن سے بلخ روانہ ہوا۔ دونوں فوجوں کا مقابلہ اباکلی پر ہوا۔ اس میں سرور خاں کو شکست ملی اور وہ میدان سے بھاگ کھڑا ہوا لیکن باجگاہ میں پھر سنبھلا اور اپنے منتشر آدمیوں کو جمع کر کے اور بھی ایک بار حملہ آور ہوا۔ مگر غدار فیض محمد کے لشکر نے پھر اُسے پارہ پارہ کر دیا اخیر سرور بھاگ کھڑا ہوا فیض محمد نے بہت سپاہی اور افسر گرفتار کر لئے اور کمبخت نے نائب غلام اور غلام علی کو معہ دو تین اعلےٰ افسروں کے قتل کر ڈالا۔ پھر اُس نے کتغان اور بدخشاں کی طرف باگیں اُٹھائیں۔ جن ممالک کو اُس نے خفیف جنگ کے بعد جہاندار شاہ سے چھین لیا۔ میر جہاندار بھاگا ہوا میرے باپ کے پاس شاکی کابل آیا۔ والد کے پاس فوج ہی نتھی کہ اُس کی امداد کے لئے دیتے۔ ادہر یہ خبر آئی کہ فیض محمد آندہی اور مینہ کیطرح کابل پر بڑھا چلا آتا ہے والد نے مجھے لکھہ کے بھیجا کہ تو جلد پہنچ اور اس کا سدّ راہ ہو۔ خط دیکھتے ہی اگرچہ میں مرض سے بہت کمزور ہو گیا تھا لیکن بلا تامل روانہ ہو گیا مجھے گردے کے درد کا عارضہ تھا اور اس موذی درد نے یہ کیفیت کر دی تھی کہ گھوڑے پر سوار نہ ہوا جاتا تھا بلکہ میں تخت رواں پر بیٹھہ کے نکلتا تھا غرض اسی حالت میں روانہ ہو گیا اور ایک منزل کی دو منزل کرتا ہوا پانچویں روز غزنی پہنچا۔

غزنی پہنچتے ہی والد کا خط مجھے ملا کہ اب کچھہ جلدی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ غدار فیض محمد بلخ اور کتغان واپس چلا گیا ہے۔ میں یہ خبر سن کے بہت خوش ہوا اس لئے میری طبیعت تو اچھی ہو گئی تھی لیکن میری سپاہ تھک کے چور ہو گئی تھی۔ پانچ روز تک غزنی میں قیام کیا اور پھر کابل روانہ ہو گیا۔ والد نے بہت سے امرار کو میرے استقبال کے لئے بھیجا میں ان سے بخندہ پیشانی ملا اور دوستانہ باتیں کیں میں نے والد کے دست مبارک پر بوسہ دیا اور والدہ ماجدہ کے حضور حاضر ہو کے آداب عرض بجالایا۔ دریائے کابل کے سواحل پر ڈنڈے ڈیرے ڈالدیئے دن میں ایکبار والدین کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا لیکن شب باشی کیمپ ہی میں ہوتی تھی۔ موسم گرما تک یہی حالت رہی یہانتک کہ گرمی شروع ہوتے ہی کابل میں ہیضہ پھوٹ پڑا۔ والد نے مجھے رائے دی کہ میں

بالا حصار چلا جاؤں کیونکہ خیموں کی آب وہوا اچھی نہ رہی تھی۔ میں نے اپنے سپاہیوں کو چھٹی دیدی وہ سب اپنے اپنے گھر واپس چلے گئے اور میں بالا حصار روانہ ہوگیا۔

کچھ ہی عرصہ کے بعد والد مبتلائے ہیضہ ہو گئے اور اس ملک کے جاہل لوگوں نے اُن ہی ادویات کا استعمال کرایا جو وہ جانتے تھے۔ ان دوائیوں سے نتیجہ یہ ہوا کہ ہیضہ کا بخار شروع ہوگیا۔ اور اب والد بہت ہی مریض ہو گئے۔ اسی اثنار میں یہ خبریں آئیں کہ شیر علی بلخ جا پہنچا ہے اور فیض محمد کی فوجوں کو ساتھ ملا کے کابل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ یہ سنتے ہی میں نے اپنے چچا کو لکھا کہ والد کی حالت تو بہت ہی خطرناک ہے اور شیر علی کابل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اگرچہ میں تنہا اُس سے جنگ کرنے کو کافی ہوں لیکن میں والد کو اس حالت میں چھوڑ کے کابل کے باہر نہیں جا سکتا جبتک آپ میری جگہ پر نہ آجائیں۔ دنوں تک اس خط کا کوئی جواب نہ آیا میں نے مخبر روانہ کئے کہ شیر علی کی یلغار کی خبر لائیں کہ اب وہ کتنی دور ہے میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ جب وہ کابل سے دو دن کی راہ پر رہجائیگا تو ناچار میں ہی اُس سے جنگ کرنے کے لئے جاؤنگا میں تیاری کر رہا تھا کہ یکایک یہ خبریں آئیں کہ شیر علی وپنج شیر واپس چلا گیا مجھے بہت ہی حیرت ہوئی کیونکہ اس کا ارادہ تھا کہ کوہستانی راستہ سے کابل میں اچانک داخل ہو جائے یہہ سنتے ہی میں والد سے رخصت ہوا جنہوں نے رخصت کرتے وقت میری کامیابی کی دُعا مانگی اور میں یلغار کرتا ہوا مقام چارہ کار میں پہنچا۔ میرا چچا بھی اس اثنار میں غزنی پہنچ گیا اور یہاں اس نے اس نظر سے قیام کیا کہ جبتک جنگ ختم نہ ہو جائے یہاں سے جنبش نہ کرے۔

چارہ کار پہنچے پر میں نے سنا کہ فیض محمد کا ارادہ وادئ پنج شیر میں ہو کے آنے کا ہے۔ یہہ سنتے ہی میں روانہ ہوگیا اور راتوں رات سفر کرکے علی الصباح مقام گل بہار اور قلعہ الہ داد پر پہنچا یہ مقام دہانہ وادی پر واقع ہے۔ کل فوج میرے ساتھ تھی فیض محمد بھی پہنچ چکا تھا اور اس نے ایک بلند پہاڑی پر مورچے بنا لئے تھے۔ بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ جوں ہی اس نے کابل کی فوج کو اپنے سامنے دیکھا حیران و ششدر رہگیا کیونکہ کوہستانی سرداروں نے اُسے بلایا تھا کہ ہم تجھے اپنے ملک میں سے رستہ دیتے ہیں تو یہاں سے نکل جائیو تو اُسے امید نہ تھی کہ یہاں میری کوئی مزاحمت کرے گا۔ اب یکایک اس پر بلا نازل ہوگئی۔ ادہر شیر علی کا خط اس

پاس پہنچا کہ جب تک میں نہ پہنچ لوں ہرگز آگے نہ بڑھیو میں انشاءاللہ دو روز میں تیرے پاس آجاتا ہوں۔ فیض محمد کی جان نکلی جاتی تھی وہ یہ خط دیکھ کے سخت برہم ہوا اور اس نے شیر علی کو لکھا تو یہ کیا لکھتا ہے کمبخت جلدی چلا آ... اگر تو جلدی نہ پہنچا تو پھر میری اور تیری خیر نہیں ہے اگر تو نے ذرا بھی تساہل کیا تو عبدالرحمٰن مجھے اور تجھے قتل کر ڈالیگا۔ ساری رات فیض محمد پہاڑ کی چوٹی پر مورچہ بندی کرتا رہا صبح ہوتے ہی میں نے اسپر حملہ کر دیا۔ جنگ بہت ہی خطرناک ہوئی اور کئی گھنٹے تک ہوتی رہی چونکہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر مورچہ زن تھا اس لیے وہ فائدہ میں تھا مگر اخیر میں نے اُس کے کئی مورچوں پر قبضہ کر لیا۔ جوں ہی اس نے یہہ سنا کہ آگے والے مورچوں پر عبدالرحمٰن کی فوج قابض ہوگئی وہ یکایک پہاڑی کے پیچھے سے نکل آیا میں قریب ہی کھڑا تھا فوراً میں نے نشانہ لگا کے فیض محمد کو گولی ماری۔ گولی پیٹ میں لگ کے معدہ کو چیرتی ہوئی نکل گئی وہ وہیں ٹھنڈا ہو کے گر پڑا۔ وہ نمک جو اُس نے ہمارا کھایا تھا اس طرح گولی کی صورت میں اس کی پشت میں سے نکل گیا اور ایک غدار کی زندگی کا اس صورت سے جو اس کی مناسب حال تھی خاتمہ ہوگیا۔ میں نے قریب قریب اس کی کل فوج کو گرفتار کر لیا۔ یہ سنکے شیر علی ان دو ہزار آدمیوں کے ساتھ جنھیں وہ ہرات سے لایا تھا بلخ بھاگ گیا میں نے فیض محمد کی لاش اُس کے بڑے بھائی ولی محمد اور اس کی ماں کے پاس کابل بھیجدی اور پھر چار روز کے بعد خود بھی کابل واپس چلا گیا۔

غزنی میں چند روز کے بعد چچا نے میری فتح کی خبر سُنی جوں ہی میں کابل پہنچا سعیدہا والد کے پاس گیا دیکھا کہ اُن کی حالت بہت خراب ہے۔ حرمسرائے کی بیگموں نے غل مچا کے کہا عبدالرحمٰن آیا ہے اس سے ایک بات تو کر لو۔ والد کی زبان بند ہو چکی تھی لیکن اتنا ہوش باقی تھا کہ بمشکل اپنا ہاتھ میری طرف پھیلایا یہ صورت دیکھ کے مجھے رونا آگیا۔ پھر میں اپنے کیمپ میں واپس چلا آیا جنگی فرائض کی تکمیل اسی طرح کیے جاتا تھا ہاں دن میں دو دفعہ والد کو دیکھنے محل میں آیا کرتا تھا تیسرے روز جمعہ تھا جب میں اُن سے ملنے گیا ہوں اسی روز سعید میں اُنہوں نے اس دنیا سے فانی سے کوچ کیا۔ "انا للہ و انا الیہ راجعون"۔ میرا دل غموں سے چور ہو گیا اور میں خوب پھوٹ پھوٹ کے رویا۔ لیکن پھر میں نے خدا کی مرضی پر صبر کیا۔

تجہیز و تکفین کے بعد جنازہ ہوشمند خاں کے قلعہ میں دفن کیا گیا جو والد ہی کی ملک سے تھا۔ مٹی دے کے میں شکستہ دل کابل واپس آیا اور غربا کو کھانا کھلایا۔

تین دن کے بعد میں نے اپنے چچا محمد عظیم سے کہا کہ جبتک والد زندہ رہے آپ اُن کے چھوٹے بھائی کی طرح دیکھے جاتے تھے اب میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے میں چاہتا ہوں آپ اُن کی جگہ بیٹھیں اور آپ کی جگہ میں لیلیتا ہوں اور اپنی جگہ پر آپ کے بڑے صاحبزادہ کو کر دیتا ہوں میرے چچا نے جواب دیا "حق وراثت تجھے پہنچتا ہے کیونکہ تو امیر مرحوم کا بیٹا ہے۔ میں تیرے آگے مثل تیرے ملازموں کے رہوں گا" اس کا جواب میں نے یہ دیا "سنیئے چچاجان آپکی سفید ڈاڑھی اور میرا بھتیجا ہونا اسبات کے ہرگز شایاں نہیں ہے کہ آپ اپنے کو میرا ملازم کہیں۔

چار روز تک یہ مسئلہ زیر بحث رہا اخیر پانچویں روز امرائے کابل اور سرداران صوبہ جات کو بلاکے میں نے حکم دیا کہ خطبہ میرے چچا کے نام کا پڑھا جائے۔

جب یہ سب کچھ ہو چکا تو سب سے پہلے میں نے بیعت کی اور میرے بعد کل سردار بیعت ہوئے اور ہم سب نے اُنہیں امیری کی مبارکباد دی۔ پھر میں کیمپ میں چلا آیا چالیس روز تک ملا قرآن مجید پڑھ پڑھ کے والد کی روح کو ثواب پہنچاتے رہے اس عرصہ میں میں نے مساکین کو کھانا کھلایا اور خوب خیرات بانٹی۔

والد کی وفات کے چند مہینے بعد غمازوں نے میری طرف سے چچا کو برانگیختہ کر دیا اور یہ سمجھایا کہ جب تک میں کابل میں رہوں گا آپ کی وقعت نہیں کرنے کا مناسب یہی ہے کہ آپ عبدالرحمن کو بلخ بھیجدیں اور اپنے صاحبزادہ کو عبدالرحمن کی جگہ مقرر کر دیں۔ میں ان بدخواہوں اور نمک حراموں کے نام معہ ولدیت لکھہ دیتا ہوں جن کے ہاتھ میں امیر کی نکیل تھی جس طرف چاہتے امیر کو پھیر دیتے تھے۔ نمکحراموں کے نام مفصلہ ذیل ہیں۔ سرفراز خاں غلزئی۔ صاحب جاداک غلام جان۔ ملک شیر گل غلزئی۔ نواب خاں۔ صوفی خاں کیانی۔ محمد اکبر خاں غلزئی۔ میر اکبر خاں غلزئی۔ میر اکبر خاں کوہستانی۔ میر جان عبدالخالق پسر احمد کشمیری جس کا ذکر سابق میں ہو چکا ہے اور ملک جبار خاں۔ ان بداندیشوں نے چچا کو میری طرف سے ایسا برہم کر دیا کہ ایک دن جب میں سلام کو گیا تو دربان نے مجھے اندر جانے سے روک دیا کہ امیر صاحب آرام فرما رہے ہیں میں دروازہ

پر بیٹھ گیا۔ صبح سے تیسرا پہر ہوگیا۔ اتنی دیر تک میں یہ تماشا دیکھتا رہا کہ تمام عہدہ دار اور خدمتگاروں کی برابر آمد و رفت ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ دستر خوان بچھایا گیا مجھے تعجب ہوا کہ کیا آج چچا جان مُردوں سے شرط باندھ کے سوئے ہیں کہ اُٹھنے کا نام ہی نہیں لیتے۔ غرض جب دستر خوان بچھا تو مجھے اندر آنے کی اجازت ملی اندر جا کے میں نے دیکھا کہ کل سردار چچا کے گرد بیٹھے ہوئے ہیں۔ میں پیچھے ایک طرف بیٹھ گیا جب میری کھانے کی صلاح کی گئی تو میں نے کہا کہ کھانا کھالیا ہی ایک کونہ میں خاموش بیٹھا رہا اور لوگ کھانا کھاتے رہے۔ پھر درباریوں میں سرگوشی شروع ہوگئی مجھ سے یہ ذلت گوارا نہ ہوسکی میں اُٹھ کے باہر چلا آیا۔ اسی اثنا رمیں چچا نے مجھے کہلا بھیجا کہ تو بلخ چلا جا میں نے اب بھی چچا کو یقین دیا کہ بہتر یہی ہے کہ آپ اپنے صاحبزادہ عبداللہ کو عبدالرحیم جنرل نظیر اور دوسرے جنگی افسروں کے ساتھ جو بلخ ہی کے رہنے والے ہیں چوبیس توپیں دیکے روانہ کردیں اور مجھے تنہا کابل ہی میں رہنے دیں۔ تاکہ بوقت ضرورت کام آؤں۔ میں نے یہ خیال کیا تھا کہ اگر شیر علی ہرات سے کابل پر حملہ آور ہوا تو میں رستہ میں اس کا سدِ راہ ہوں گا میرے چچا نے اس عاقلانہ رائے کا یہ جواب دیا بلخ کا انتظام بغیر تمہارے ہونا محال ہے جب میں نے یہ دیکھا کہ یہ اپنی ضد پر تُلا ہوا ہے اور رنگ دوسرا ہے میں دس روز کے بعد ناچار بلخ روانہ ہوگیا۔ موسم جاڑے کا تھا برف سے تمام راستے ڈھکے ہوئے تھے۔ مجھے رستہ میں سخت تکلیف اُٹھانی پڑی۔ تین سو سپاہیوں کے ہاتھ پیر برف کی نذر ہوئے۔

کابل سے روانہ ہونے کے پہلے امیر نے محمد اسمٰعیل پسر سردار امین کو ایک بٹالن چھ توپیں اور پانچہزار رسالہ کے ساتھ اور کرنیل سہراب کو چار سو سواروں اور چار توپوں کے ساتھ باجگاہ پر مجھسے ملنے روانہ کیا۔ یہ افسر آئے اور مجھے سلام کیا میں نے اُن سے کہا مناسب ہے کہ تم میرے ساتھ بلخ چلو اور مجھے مدد دو تاکہ میں بلخ میں انتظام قائم کردوں۔ موسم بہار میں میں تمہیں وہاں سے رخصت کردوں گا۔ یہ دونوں راضی ہوگئے لیکن اسی اثنا رمیں میرے چچا کا خط کرنیل سہراب کے پاس آیا کہ تو فوراً کابل واپس چلا آ خواہ عبدالرحمٰن اجازت دے یا نہ دے۔ چند روز کے بعد گورنر تہمن کا خط میرے پاس آیا جس میں لکھا تھا کہ کابل سے یہ احکام آئے ہیں کہ میں کابل حاضر ہوں کیونکہ مجھے موقوف کردیا گیا ہے۔ یہ وہ شخص تھا جسے میں نے گورنر

مقرر کیا تھا۔ میں نے صرف یہ جواب دیا کہ امیر کے احکام کی فرمانبرداری کرنی مجھپر فرض ہے۔
جب میں مصیبتیں جھیلتا ہوا اور پریشانی اٹھاتا ہوا ایبک پہنچا تو میر کتغان مجھہ سے ملنے آیا اور بہت
سے ہدیئے میرے آگے پیش کئے۔ ان ہدیوں میں چارسو اونٹ ایک ہزار گھوڑے بھی تھے۔
اس سامان کو لیکے تاشکرغان روانہ ہوا۔ میں نے دیکھا کہ شیر علی کی بے انتظامی کی وجہ سے ملک
کی حالت ہی ناگفتہ بہ ہے۔ بلخ کے میر جنھوں نے بخارا۔ کولاب اور حصار میں پناہ لی تھی شیر علی
نے انھیں اپنے اپنے ممالک میں آجانے کا حکم دیدیا تھا اور ان کے ہاتھ ملک اور توپیں فروخت
کرکے نقد روپیہ حاصل کرلیا تھا۔
میر یہ سمجھے کہ شیر علی کو ملک فروخت کرنے کا اختیار ہے سبنے روپیہ دے دیا اور پھر افغانیوں
کو لوٹنا شروع کیا کہ شیر علی تمھیں ہمارے ہاتھہ فروخت کرگیا ہے۔ افغانیوں نے جواب دیا کہ تم ہو
کس خبط میں عبدالرحمن ہمارا امیر ہے ہم نہیں جانتے کہ شیر علی کون بلا ہے میروں نے نہ مانا۔ نوچ
کھسوٹ کرنے لگے۔ اخیر افغانیوں نے تلوار سنبھالی خوب جنگ ہوئی طرفین کی بہت سی جانیں
ضایع ہوگئیں۔ اتنے میں میں پہنچ گیا۔ میری آمد کی خبر سنتے ہی سب میر مقامات اکچا اندکوہی شیرغان
اور میمنہ میں بھاگ کے چلے گئے اور ادہر ادہر سے جمعیت اکھٹی کرکے قلعہ نملک کو خوب مضبوط
کرلیا کہ اگر میں حملہ آور ہوں تو مجھہ سے جنگ کریں۔
میں تاشکرغان سے مزار اور وہاں سے تختہ پول چلا گیا۔ چند روز کے بعد اسمٰعیل کے توپخانہ اور
پیادہ فوج کے افسروں نے مجھہ سے درخواست کی کہ اسمٰعیل کا خیال آپ کی نسبت کچھہ ٹھیک نہیں
معلوم ہوتا بہتر ہے کہ آپ ہمیں اپنی ملازمت میں لیلیں میں نے جواب دیا بغیر امیر کے حکم کے میں کچھہ نہیں
کرسکتا ہاں میں امیر کا استمزاج لیتا ہوں اگر وہ راضی ہوئے تو تمھیں اپنی ملازمت میں لیلوں گا۔
میں نے امیر کو اس معاملہ میں خط لکھا۔ اس کا جواب امیر نے یہ دیا کہ جو شخص میرے نور عین اسمٰعیل کے
خلاف لگائی بجھائی کرتا ہے وہ اول درجہ کا مکار اور غدار ہے۔ یہ خط میں نے افسروں کو دکھایا اور
پھر یہاں سے میں نملک روانہ ہوگیا۔
اہل قلعہ مجھسے جنگ کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ میں نے قرآن مجید کی قسم کھائی کہ میں جنگ کرنیکی غرض
سے نہیں آیا ہوں مجھے تم سے کوئی پرخاش نہیں ہے خواہ نخواہ کیوں بیگناہوں کی جانیں ضایع کی

جاتی ہیں اور کیوں غریب باشندوں کو برباد کیا جاتا ہے۔ مگر میروں نے ایک نہ سُنی وہ نادانی
سے یہ سمجھ گئے تھے کہ عبدالرحمن اپنی پوری قوت سے بھی اس قلعہ کو فتح نہیں کر سکتا وہ جانتے
تھے کہ ۳۳ گز لمبی اور پچاس گز چوڑی کھائی کبھی نہیں پھلانگی جا سکتی۔ یہ احمق اپنی اسی حماقت پر
تُلے رہے ناچار دوسرے روز میں نے اپنی توپوں کو موقع پر نصب کر کے علے الصباح حملہ کا حکم دیا
نو بجے تک دروازہ قلعہ اور دو منارے اُڑا دیئے گئے میری فوج نے دس ہزار بوریاں ریت
کی کھائی میں ڈالیں تاکہ ایک پشتہ تیار ہو جائے اس ریت سے وہ بآسانی دیواروں کے نیچے
پہنچ گئے۔ دشمن اور رعایا نے بانسوں کے گٹھوں میں آگ دیکے میری آگے بڑھتی ہوئی فوج پر پھینکنا
شروع کیا۔ اور جب فصیل قلعہ پر چڑھنے لگے تو بھالوں سے حملہ کیا۔ تو بھی میری بہادر سپاہ نے اس کی
پروانہ کی اور برابر آگے بڑھی چلی گئی یہاں تک کہ قلعہ کے پہلے حصہ میں داخل ہوگئی اگرچہ میرے سات سو
سپاہی قلعہ تک پہنچنے میں ضائع ہوئے۔ قلعہ کے دو ہزار پانسو مفسدوں کو قتل کر دیا گیا صرف ایک شخص
بچا تھا جو خود ندے کوئیں میں گر پڑا تھا اس نے مجھسے بیان کیا کہ جب آپ ادہر بڑہے ہیں تو میروں نے پچیس
بہادر سپاہیوں کو جمع کیا تھا جنہوں نے وعدہ کر لیا تھا کہ ہم اپنی جانیں قربان کرنے کو موجود ہیں۔ انہیں میروں
نے خلعتیں۔ اسلحہ اور بہت سی نایاب چیزیں بطور صلۂ خدمت عنایت کی تھیں۔

میں نے قلعدار کا ناخاں پسر اشن سد ور میر بلخ سے دریافت کیا کہ جب میں نے بطور قسم تمہارے
پاس قرآن مجید بھیجا تو تم نے میری اس سخت قسم کو کیوں نہیں قبول کیا اس نے جواب دیا "اس بات
کو تم بخوبی سمجھ سکتے ہو کہ آج تک اس قلعہ کو کسی نے فتح نہیں کیا پھر کیونکر یقین کر لیتے کہ یہ قلعہ اب
فتح ہو جائے گا اس لئے ہم نے تم سے صلح کرنی نہ چاہی" اس میں شک نہیں کہ بات بھی یوں ہی
تھی کیونکہ میرے چچا نے کامل اٹھارہ مہینے اس کا محاصرہ کیا تھا اور جب سامان خورد ونوش ہو چکا تو
مجبوراً اہل قلعہ سے صلح ہی کرتے بن پڑی۔ خدا کی عنایت سے میں نے اس ناممکن الفتح قلعہ کو چھ گھنٹے
میں فتح کر لیا۔ اور جو بے رحمیاں کہ افغانوں میں ہو چکی تھیں اُنکا پورا انتقام لیلیا۔ دوسرے روز میں نے
اس شخص کو چھوڑ دیا تاکہ میروں کو قلعہ کے فتح ہونے کی جاکے خبر دے۔ اس کے بعد اکچا کی طرف بڑھا۔
باشندے مجھسے ملنے کو آئے سلام کیا اور عرض رساں ہوئے کہ میروں کا قصور معاف کر دیا جائے
میں نے اس لحاظ سے اُن کا قصور معاف کر دیا کہ شیر علی سے قیمت دیکے اُنہوں نے ملک خریدا تھا۔

پھر تیمنہ بھاگ گئے - سوائے میر حکیم خاں کے سب نے میری اطاعت قبول کر لی اور میر سری پول محمد خاں نے میرے لئے گرانقدر تحفے بھیجے پہلے میں اس شخص کا ذکر کر چکا ہوں جب میں بخارا میں رہا تھا تو اس ضمن میں اس کا بھی ذکر آیا تھا میں نے اُس کے ہدیوں کو واپس کر دیا اور ایک شخص کو جدید گورنر بنا کے بھیجا کہ اُسے خارج کر کے اس کے ملک پر قبضہ کر لیا جائے - جب نیا گورنر پہنچا تو یہ شخص میمنہ بھاگ گیا -

شیر غان پہنچ کے میں نے سابق میر حکیم خاں کو اس کی قدیم جگہ مقرر کر دیا اور ایک جدید گورنر کا تقرر اندکوہی پر کر دیا - میری یہ مہربانی اور شفقت دیکھ کے میر حکیم خاں نے اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کرنی چاہی پہلے تو میں نے انکار کیا لیکن پھر قبول کر لیا - میر حکیم خاں کے مخالفین نے مجھ سے کہا ذرا حکیم سے ہوشیار رہنا یہ ہماری حکومت کا مخالف ہے یہ باتیں ایسی ہی تھیں جیسی اُسکے افسروں نے مجھ سے کہی تھیں میں نے اُن سے کہا کہ تم ایک یادداشت پر مہریں لگا کے امیر کو بھیجو - دیکھو وہ کیا کہتا ہے - اُنکے علاوہ میں نے بھی خط لکھے لیکن چچا نے مطلق پروانہ کی بلکہ اُلٹا مجھ ہی کو احمق بنایا - پھر مجھے حکم بھیجا کہ میں فوراً میمنہ روانہ ہو جاؤں لیکن چونکہ یہ غیر عاقلانہ حکم تھا میں نے اس کی تعمیل نہیں کی کیونکہ میری فوج طولانی اور سخت سفر کے بعد تو اتنی تکلیفیں اُٹھا کے یہاں پہنچی تھی اور پھر اُسے جنگ کرنا اور قلعہ کو فتح کرنا پڑا اسلیئے مناسب تھا کہ وہ دیر تک آرام لیتی -

اس کا جواب اُس نے یہ دیا کہ مجھے یقین ہے کہ شیر علی اپنے بیٹوں سردار اور عزیز سے جنگ کرنے کیلئے قندہار پر فوج بھیجے گا اور اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اسکے بیٹوں کو شکست ملے گی - اور پھر ان تمام باتوں کا مجرم مجھے قرار دیا جائیگا میں نے جواباً لکھا کہ تم میمنہ میں مجھے کچھ امداد بھیجو اور مجھے اپنے قریب رہنے کی اجازت دو کہ شاید شیر علی قندہار پر حملہ آور ہو میں نے یہ بھی لکھا کہ میمنہ کا محاصرہ تو مہینوں طول کھینچے گا اور شیر علی کو ایسی حالت میں کابل پر بڑھنے کا اچھا موقعہ مل جائے گا - میرے چچا نے میری کسی رائے کو نہ مانا اور مجھے یہ لکھ کے بھیجا کہ تو اگر میرا دوست ہے تو فوراً میرے حکم کی تعمیل کر اور اگر دوست نہیں ہے تو جو کچھ تیرے جی میں آئے کر گزر - یہ دیکھ کے میں شکستہ خاطر ہو گیا اور میں نے ناچار اپنے چچا کو یہ لکھا - اگر مجھے شیر علی کی پرخاش کا کچھ خوف نہیں ہے تو میں آپ سے بھی مطلق نہیں ڈرتا - پھر مجھے یہ خیال آیا کہ جب میں نے اُسے بادشاہ بنایا اور اپنے کو ماتحت قرار دیا تو ہر بات میں اسکی اطاعت کرنی لازمی ہے - اس بنا پر میں تمام اطراف میں گورنروں کا تقرر کر کے اندکوہی سے

میمنہ روانہ ہوا اور اسی اثنا میں میں نے ایک خط امیر کابل کو بھیجا کہ میں نے آپ کے حکم کی تعمیل تو کر لی ہے لیکن عنقریب اس غلطی کا آپ بڑا خمیازہ اٹھائیں گے۔

میں میمنہ سے ایک دن کی راہ پر ایک گاؤں میں پہنچا۔ اتنے میں امیر کا خط میرے نام آیا کہ شیر علی کے بیٹے قندہار پر حملہ آور ہو رہے ہیں اور انہوں نے مقام لارا پر قبضہ کر لیا ہے۔ تو فوراً اپنی نصف فوج تو کابل بھیجدے اور نصف فوج میمنہ کے محاصرہ میں رہنے دے اور میرے نورچشم اسمٰعیل کو بھی فوج کے ساتھ کابل روانہ کر دے میں نے اس کا جواب دیا کہ میں پہلے آپکو اطلاع دے چکا تھا کہ اس قسم کے حادثات پیش ہونگے مگر اُسوقت میری باتوں کو نہ سنا اب نہ تو میں نصف فوج آپ کی مدد کے لئے کابل بھیج سکتا ہوں نہ باقیماندہ نصف فوج سے میمنہ کا محاصرہ رکھ سکتا ہوں نہ میں خود آپکی امداد کو آسکتا ہوں میں برابر بڑھا چلا گیا اور میں نے قلعہ کے باہر کی جانب مورچہ بندی کر لی اور اپنا خیمہ ایک بلند پہاڑی پر جس کا نام تال اشی کان تھا نصب کیا اس قطع زمین پر یہ سب سے بلند پہاڑی تھی یہاں سے قلعہ کا فاصلہ کل پندرہ سو قدم رہگیا تھا۔ جب میں نے محاصرہ شروع کیا تو مجھے ایک اور خط میرے چچا امیر کابل کا پہنچا جس میں لکھا تھا (یعنے امیر لکھتا ہے) محمد یعقوب نے میرے بیٹے عزیز کو شکست دے کے گرفتار کر لیا یعقوب نے صوبہ کنشت رد بھی فتح کر لیا اب تو جس طرح پر بھی تجھ سے ہو اپنی نصف فوج میری مدد کو بھیجدے میں نے اب بھی انکار کر دیا کہ میں قلعہ کا محاصرہ کئے پڑا ہوا ہوں اور ایک کثیر تعداد دشمن سے میرا مقابلہ ہے میرے پاس اتنی فوج کہاں ہے کہ میں نصف فوج آپ کو بھیجدوں۔

میں نے بڑی خونخواری سے قلعہ پر حملہ کیا لیکن میں اسے فتح نہ کر سکا اس لئے کہ محمد اسمٰعیل نے اُن سے کہہ دیا کہ میں فلاں وقت حملہ کرونگا لیکن پھر بھی میری حملہ کی قوت سے انہوں نے یہ جانچ لیا کہ اگر دوبارہ حملہ ہوا تو وہ قلعہ کو اپنے ہاتھ میں نہ رکھ سکیں گے۔ میمنہ کے امیر نے اپنے بیٹے کے ساتھ چند سرداروں اور علما کے ہاتھ قرآن دیکے میرے پاس بھیجا۔ قرآن مجید گویا بجائے قسم کے تھا کہ ہم چالیس ہزار سکہ شاہی سالانہ بطور خراج کے ادا کرتے رہیں گے اور ساتھ ہی بہت سے گھوڑے اور دیگر چیزیں میرے پاس بطور ہدیہ کے بھیجیں میں نے کابل کی مشکلات کی وجہ سے ان شرطوں کو منظور کر لیا۔ میری منظوری کی خبر میمنہ کے امیر نے سنی تو وہ خود میرے سلام کو آیا

میں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور چھ توپیں جو قلعہ میں تھیں میرے ہاتھ لگ گئیں حسین خاں میر تیمینہ نے اور میروں کی بھی مجھ سے سفارش کی جن کا قصور میں نے معاف کر دیا۔

میرے چچا نے اسمٰعیل کو لکھا کہ میں نے تجھے پانچ خط بھیجے کہ تو واپس چلا آ لیکن تو نے ایک کی بھی تعمیل نہیں کی میں نے یہ خط اسمٰعیل کو دیدیا اور اُس سے کہا کہ پہلے چار خط میں نے اس سبب سے تجھے نہیں دکھائے کہ تیری فوج کی مجھے ضرورت تھی اب چونکہ فوج کی ضرورت نہیں رہی ہے اسواسطے تم جا سکتے ہو۔ دوسرے روز وہ بلخ روانہ ہو گیا اور میں نے بھی اس کے پیچھے پیچھے باگیں اٹھائیں مجھے اُس کا ارادہ کچھ بد معلوم ہوتا تھا اس کا خیال یہ تھا کہ عبدالرحمٰن سے پہلے پہنچ کے بلخ کو لوٹ لوں اس اندیشہ سے میں بھی بڑی تیزی کے ساتھ بڑھا چلا گیا اور اُس سے پہلے بلخ میں میری ہی سپاہ پہنچی۔ جب میں بلخ پہنچا تو کرنیل شہراب کا ایک خط میرے نام آیا جس میں یہ لکھا تھا کہ آپ کے چچا کی ہدایتوں کے بموجب میں سردار شریف خاں کو تختہ پول لے آیا ہوں اور وہ بہ حفاظت قید خانہ میں رکھا گیا ہے۔ یہہ شریف خان اسمٰعیل کا چچا تھا مجھے خیال ہوا غالباً اسمٰعیل اس کی رہائی کی کوشش کرے گا اس بنا پر میں نے اُسی شب دو بٹالن اور ایک توپخانہ روانہ کیا اور سخت ہدایتیں کر دیں کہ دن رات سفر کر کے تختہ پول کی مورچہ بندی کر لیں فوج روانہ ہوئی اور ریتیلے جنگل میں سے ہوتی ہوئی اکشا اور بلخ کو عبور کرتی ہوئی تختہ پول پہنچی اسمٰعیل دوسرے دن شہر پر حملہ کرنے کی غرض سے اور اپنے چچا کو چھڑانے کے لئے تختہ پول پر بڑھا لیکن جب اس نے دیکھا کہ میری فوج نے پہلے ہی سے مورچہ بندی کر لی ہے اس نے حملہ کرنے کا خیال چھوڑ دیا اور مزار پر واپس آگیا یہاں پہنچ کے گورنر مزار کو دھمکی دی کہ کل سرکاری روپیہ میرے حوالہ کر دے ورنہ ٹکڑے اُڑا دونگا اخیر اس بیچارہ نے تیس ہزار تنگاز اُس غارتگر کے حوالے کئے۔ اس کے بعد تاشقرغان پہنچا اور وہاں بھی خزانہ کو لوٹنا چاہا لیکن لوگ اس کے ارادہ سے پہلے ہی سے واقف ہو گئے تھے اُنہوں نے مورچہ بندی کر کے اُس سے مقابلہ کی تیاری کی اسمٰعیل نے جب دیکھا کہ اُن سے مقابلہ کرنا ٹیڑھی کھیر ہے فوراً اپنی باگیں بہمن کی طرف پھیر دیں اور رستہ میں جو کوئی آیا اُسے لوٹ لیا میرے چچا کو بسنت کی خبر ہی نہ تھی کہ ان کا نور چشم کیا کیا غضب ڈھا رہا ہے اُنہوں نے اس کو بہمن میں لکھا کہ جہاں تک جلد

ممکن ہو تو کابل چلا آ کیونکہ میں شیر علی سے جنگ کرنے کے لئے غزنی جاتا ہوں وہ قندھار فتح
کرکے قلات کی طرف بڑھا چلا آتا ہے نورچشم نے اپنے پدر بزرگوار کو اس کا یہ جواب دیا کہ میری دو
بٹالن اور توپخانے کے سوار یہ کہتے ہیں کہ جب تک ہمیں سال بھر کی تنخواہ نہ ملیگی ہم کابل کیطرف
قدم نہ اُٹھائینگے اسی اثنار میں امیر کابل کو یہ خبر پہنچی کہ اسمٰعیل اُن کا نورچشم تختہ پول سے روانہ
ہوگا اس پر چچا جان نے مجھ کو لکھا کہ واقعی تم سچ کہتے تھے اسمٰعیل بڑا غدار اور بدمعاش نکلا
میں نے یہ جواب دیا کہ میں اب بھی آپ کی ایسی خدمات انجام دینے کے لئے موجود ہوں
جس کی امید آپ اپنے نورچشم سے بھی نہیں کر سکتے۔ میں نے یہہ بھی لکھا خدا کیواسطے کابل
کو نہ چھوڑنا منتظر رہو میں ایک مہینہ میں تمہاری مدد کو آجاؤں گا۔ بعد ازاں میں نے دو ہزار
بہادر آدمی غلام علی پوپل زئی کی ماتحتی میں روانہ کئے کہ میرے آنے تک اس کی مدد کریں۔

دوسرے روز مجھے بخار چڑھ آیا اور اکیس روز تک مجھے ہوش نہ رہا بائیسویں روز بخار اُترتے
ہی میں سیدھا کابل روانہ ہوگیا حالت مرض میں میں نے عبدالرحیم اور جنرل نظیر کو دوسرے
افسروں کے ساتھ اس کام پر مقرر کردیا تھا کہ کوچ کرنے کی جہانتک ممکن ہو جلدی تیاری کریں
اُنہوں نے حسب ہدایت کل تیاری کر رکھی تھی میں سیدھا تاشکرغان روانہ ہوا اور وہاں سے
ایبک گیا جہاں میری حرم کا ایک خادم اُسی جھوڑ کر فقیر کا بھیس بدلے ہوئے مجھسے ملا اور مجھے یہ خبر دی
کہ امیر عظیم غزنی چلا گیا ہے اور سردار اسمٰعیل نے کوہستان کے چند سرداروں کے ساتھ کابل کا
محاصرہ کرلیا ہے۔ قلعہ کابل میں صرف دو سو سوار تھے جو چھ روز تک بڑی بہادری سے مقابلہ
کرتے رہے لیکن جب اطاعت کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا تو کابل کے باشندے اسمٰعیل کے
پاس گئے اور شہر کے دروازے کھولدیئے اسمٰعیل نے شہر میں داخل ہوتے ہی محل میں سے میرے
خاندان اور میرے چچا کے خاندان کو نکال باہر کیا اور شیر علی کے امیر ہونے کا اعلان دیدیا
اُس چھوکرے نے مجھسے یہ بیان کیا کہ آپ کی والدہ ماجدہ کا بہت بُرا حال ہے۔ غوری سے
سردار سرور خاں کا یہ خط آیا کہ میرے لشکر کو غزنی پر شکست ہوئی۔ اور بھاگتے وقت چونکہ فوج
تتر بتر ہوگئی تھی اس لئے اُسے یہ نہ معلوم ہوا کہ امیر کس طرف بھاگے ہیں وہ کسی اور طرف
نکل کے چلا گیا اور امیر کسی دوسری طرف اس خبر سے میں بہت ہی آزردہ ہوا میں نے

فوراً نظیر حیدر بلخ کے گورنر کو لکھا کہ تو میرے چچا کے تلاش کرنے کے لئے آدمی بھیج اُس نے میرے حکم کی تعمیل کی اُس کے آدمیوں نے ملجاب میں چچا کا پتہ لگا لیا جو ہزارے میں ہو کے اس مقام پر پہنچے تھے اس کے بعد میں نے گورنر بلخ کو یہ لکھا کہ تو ایک لاکھ تنکا نہ سواری کے گھوڑے اور جس چیز کی میرے چچا کو ضرورت ہو اُن کے پاس پہنچا دے اور یہ کہدے کہ عبدالرحمٰن کابل پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اسی اثنا میں میں نے جنرل نظیر کو لکھ کے بھیجا کہ تو باجگاہ پر حملہ کرنے کا ارادہ ملتوی کر دے۔

جب ہم غوری میں پہنچے تو میر جہاں دار شاہ نے اپنی بھانجی کا مجھسے نکاح کرنا چاہا۔ یہ لڑکی میر شاہ جاٹ کی بیٹی تھی میں نے انکار کر دیا اور کہا کہ میرے چچا نے جو تعلق اس خاندان سے پیدا کر لیا ہے میں اسی کو کافی سمجھتا ہوں۔ لیکن اس کے اصرار پر میں نے ناچار منظور کر لیا۔ میر محمد شاہ نے (جسے فیض محمد نے میر جہاں دار شاہ کا ملک دیدیا تھا) مجھے تحایف بھیجے وہ تحفے میں نے واپس کر دئے اور لکھ بھیجا کہ اُسے ملک کی بابت فیصلہ کرنا چاہئے آیا وہ رکھے گا یا چھوڑے گا۔ میر جہاندار کی بابتہ یہ ہے کہ میں نے شہاب الدین خاں کو دو سو سوار دیکے .. بھیجا کہ اس کے ملک پر قبضہ کر لے میں غوری میں رہا اور کتغان کا معاملہ درست کیا پھر میں نے اپنے چچا کو لکھا کہ وہ مجھ سے آ کے مل لیں چچا نے جواب بھیجا کہ تم میرے پاس آؤ چونکہ میں غوری میں اس لئے تھا کہ ہندوکش اور کابل کے راستہ پر قابو ہو میں یہاں سے نہ جا سکا۔ میرے چچا نے میری اس توضیح کو پسند کر لیا۔ وہ خود میرے پاس آیا اور میں نے اُنکو مبارکباد دی۔ اُنہیں کابل پر دوبارہ قبضہ کرنیکا بہت فکر تھا اُنہوں نے مجھسے باصرار کہا کہ تو شیر علی پر حملہ کر میں نے اُن سے کہا کہ ہمیں موسم بہار تک انتظار کرنا چاہئے۔ اسوقت برف گر رہی ہے ہمیں کسی معاملہ میں کامیابی نہیں ہو سکتی میرے چچا نے اپنی وہی قدیمی ضد سے کہا کہ اگر تو شیر علی پر حملہ نہ کریگا تو میں بخارا چلا جاؤں گا میں نے کہا حضرت آپ سے میں وعدہ کرتا ہوں کہ چھ مہینے میں میری کل فوج لڑائی کے لئے تیار ہو جائیگی اور پھر میں نہایت استحکام سے اس کی طرف بڑھوں گا مگر یہ میرے وعدے اور معقول باتیں میرے چچا کی سمجھ میں نہ آئیں۔ ناچار میں بادل ناخواستہ اپنے چچا کے ساتھ بہمن کی طرف بڑھا میری فوج بدکک اور شولکتو میں سے ہو کے گزری بہمن سے ہم گردن ڈال میں پہنچے۔ یہاں

شیر علی کے تین ہزار سپاہی مقیم تھے میرے پہنچتے ہی یہ سپاہ سر سرِ چشمہ بھاگ گئی۔ میرے فوجی افسروں نے مشورہ دیا کہ میں اس فوج کا تعاقب کروں تاکہ شیر علی کا دل بالکل ٹوٹ جائے میں تو راضی ہو گیا لیکن میرے چچا نے نہ مانا اور مجھ سے اصرار کیا کہ میں تورا اور ڈیڑہ سوختہ کے رستہ سے غزنی پر بڑھوں۔ سفر کے سخت مصائب اور موسم کی تکلیفیں اٹھاتا ہوا غزنی پہنچا خدا نظر ورت نے قلعہ کی بہت مضبوطی سے مورچہ بندی کر رکھی تھی۔ ہم روزہ بن خیمہ زن ہوئے میرے چچا نے پہلے ہی سے اپنے بیٹے سرور کو سرفراز غلزئی کی طرف جو تازان کی سیدہ میں ہے روانہ کر دیا تھا اُسے رعایائے اندر کی وفاداری پر بڑا بھروسہ تھا اور جب وہ ان کے قلعہ سے ایک دن کی راہ پر رہ گیا تو اُنہیں امداد کے لئے خط لکھا۔ چند روز کے بعد وہ ہمارے لشکر گاہ میں آئے اور اُنہوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم آپ کو کوئی مدد نہیں دے سکتے۔ نہ انہوں نے ہماری خلعتیں قبول کیں اب میرے چچا کو کھلا کہ وہ کتنے دھوکے میں تھے۔

شیر علی نے جب سُنا کہ ہم غزنی میں ہیں وہ ہم پر حملہ کرنے کی غرض سے بڑھا ہمارے لئے تو اُس وقت بہتر ہوتا کہ ہم خود اُسپر کابل میں حملہ کرتے اور اب تو اُسی کا پاسہ زبردست تھا۔

جب وہ شاہ گاؤں میں پہنچا تو اُسے معلوم ہوا کہ راستہ میں گز گز بھر برف پڑی ہوئی ہے نہ اُس کے پاس سامان خور و نوش رہا تھا اور نہ کئی روز سے اُس نے آفتاب کی صورت دیکھی تھی اس کے مقابلہ میں ہم ایک ایسی سطح زمین پر ٹھیرے ہوئے تھے کہ وہاں آفتاب نکلا ہوا تھا اور سامان خور و نوش کے کوٹھے بھرے ہوئے تھے۔

ایک دن ہمنے حسب معمول فوج بدرقہ کے ساتھ جس میں دو بٹالینیں اور چھ توپیں تھیں سامان خور و نوش کے لئے اونٹوں کو روانہ کیا اس مٹھی بھر فوج کا مقابلہ شیر علی کی دس ہزار فوج سے ہو گیا۔ میں دوربین سے یہ سارا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ جب میں نے دیکھا کہ دشمن کی کثیر تعداد فوج قریب آگئی ہے میں نے دو ہزار فوج اس کی امداد کے لئے روانہ کی۔ یہ سپاہ بہت قریب پہنچ گئی اور عقب سے دشمن پر ننگی تلواریں گھسیٹکر حملہ کیا۔ میری فوج بدرقہ کی کمر ہمت اس امداد سے مضبوط ہو گئی اور اب اُنہوں نے بڑی دلیری سے گولہ باری کی۔

دشمن گھیر لیا گیا اور اس کی کثیر تعداد فوج کاٹ ڈالی گئی۔ شیر علی کی فوج شایستہ نہیں تھی۔ وہ

بھاگتے وقت وحشیوں کی طرح ایک دوسرے پر گرتے ہوئے بھاگے اس صورت سے ہماری توپوں نے اُن کا اور بھی ستراؤ کر دیا۔ ایک ہزار گھوڑے۔ چار توپیں اور بہت سے سپاہی گرفتار ہو گئے۔

اسی شب شیر علی نے دس ہزار سپاہ مقام نانی اور شندک پر میرے بار برداری کے جانوروں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجی۔ یہ جانور فتح محمد کی سرکردگی میں آرہے تھے۔ جب مجھے اس معاملہ کی خبر لگی میں نے مخبر مقرر کئے کہ وہ مجھ سے شب کے مقام قیام سے اطلاع دیں۔ میں نے دو ہزار سپاہ چھ خچروں کے توپخانے اور چھ گھوڑے کے توپخانے پیادہ فوج کی دو بٹالین اور پانسو ملیشا کو عبدالرحیم اور جنرل نظیر کی ماتحتی میں روانہ کیا کہ اچانک شیر علی کی فوج پر جا پڑیں۔ تمام رات سفر کر کے علی الصباح انہوں نے دشمن پر حملہ کیا اور دشمن کو نوک دُم بھگا دیا یہ لڑائی ایسی کامیاب ہوئی کہ ہراتی ہرات بھاگ گئے۔ قندہاری قندہار بھاگ گئے اور اپنے پیچھے تین ہزار مجروح مقتول اور قیدی چھوڑ گئے۔

اس نمایاں فتح کے بعد میں نے شیر علی کے جنگی افسروں کو لکھا کہ میں تم سے ملنے کا بہت شایق ہوں تم کیوں مجھ سے جنگ کرتے ہو انہوں نے جواب میں لکھا کہ ہمیں تمہارے چچا سے سخت نفرت ہے۔ ہم اس کی بے رحمیوں کی وجہ سے شیر علی سے مل گئے ہیں۔ ہاں اگر تمہارا چچا تمہارے ساتھ نہ ہوتا تو ہم قطعی اطاعت کر لیتے۔ میں نے یہ خط اپنے چچا کو دکھایا۔ اور میں نے اُن سے کہا کہ حضرت جب تک میں کابل میں رہا یہ لوگ ہمارے وفادار دوست بنے رہے لیکن جب میں وہاں سے چلا آیا تو آپ کے بیرحمانہ برتاؤ نے انہیں ہمارا دشمن بنا دیا۔ بھلا اس کا جواب چچا جان کیا دے سکتے تھے۔

شیر علی کو جب کھانے پینے کی سخت تکلیف ہوئی تو اُس نے اپنا لشکرگاہ زناخوان کی طرف تبدیل کر دیا۔ یہ مقام شاہ گاؤں سے بہت قریب ہے یہاں چھ یا سات قلعے بنے ہوئے ہیں اس صورت سے اس نے کچھ خوراک بہم پہنچائی۔ اسی اثناء میں میرے چچا نے خیال کیا کہ زناخوان پر حملہ کرنا چاہیئے اور جب ہم زناخوان فتح کر لیں گے تو پھر شیر علی بھوکا مر جائے گا اور سامان خورونوش یہاں سے جمع نہ کر سکے گا۔ میں نے چچا کو سمجھایا کہ ایسے موسم میں کہ تمام راستے

گہری گہری برف سے ڈھکے ہوئے ہیں یہ عقلمندی کی بات نہ ہوگی کہ ہم اپنی جگہ کو چھوڑ دیں نہ تو اس برفستانی قطعہ زمین پر اچھی طرح مورچہ بندی ہوسکتی ہے اور نہ میری سپاہ شب کو قیام کرسکتی ہے۔ میرے چچا نے اپنی عادت مستمرہ کے مطابق میری بات کو نہ مانا اور کہا کہ زنا خوان پر حملہ کرکے اس کے قلعوں کو ایک دم فتح کرلینا چاہیئے۔ یہ قلعے بہ نسبت میرے شیر علی کے لشکرگاہ سے زیادہ قریب تھے۔ اگر میں اُنھیں چند گھنٹے میں فتح کرلیتا تو بیشک بڑی اچھی بات تھی لیکن مجھے یقین تھا کہ صبح ہوتے ہی شیر علی اپنی کل فوج کے ساتھ مجھپر حملہ کرے گا۔ اگر میری اس وقت فتح نہ ہوئی تو کامیابی کا موقعہ میرے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ میں نے اسبات کی بھی ضرورت سمجھی کہ میرا لشکر برف کے اوپر دن بھر سفر کرے اور رات کو کسی مقام پر قیام ہو۔

میں نے یہ بھی ارادہ کیا کہ نصف فوج تو میں اپنے چچا کی ماتحتی میں چھوڑوں اور نصف فوج سے میں شیر علی کا مقابلہ کروں لیکن پھر خیال آیا کہ نصف فوج شیر علی کا مقابلہ نہیں کرسکتی یہ ساری باتیں میں نے اپنے چچا کو سمجھادیں اس پر بھی وہ برابر اصرار کرتا رہا اور اس نے میری کوئی بات نہ سُنی ناچار میں طوعاً وکرہاً اور جبراً قہراً آفتاب غروب ہوتے ہی روانہ ہوگیا۔

قلعہ کے پاس پہنچکر میں نے اس کے سامنے مورچہ بندی کی۔ جب میری ملیشا فوج اہل قلعہ کو دوستانہ طور پر راضی کرنے سے ناکام ہوئی تو میں نے جنرل نظیر کو پانچ بٹالین ۲ توپیں دو ہزار ملیشا پیادہ فوج اور ۴۰۰ رسالے کے ساتھ روانہ کیا اس غرض سے کہ ارد گرد کی پہاڑیوں پر ہماری فوج قابض ہوجائے اور ہم شباشب مورچہ بندی کرکے مناسب مقامات پر توپیں نصب کرلیں اور صبح کی جنگ کے لئے ہر طرح سے تیار ہوجائیں کیونکہ میں خوب جانتا تھا کہ کل صبح مجھے ایک انقطاعی جنگ لڑنی پڑے گی۔ اب اندھیرا ہوگیا تھا اور سردی اس بلا کی پڑ رہی تھی کہ الحفیظ الامان۔ ہمیں سخت تکلیف رہی اور ہم رات بھر برف میں گھسے رہے۔

آفتاب خونی طشت لیکے نکلا صبح کی روشنی نمودار ہوئی مگر قلعہ اب بھی ناقابل گزر تھا میں نے اپنے چچا کے پاس قاصد بھیجا کہ فوراً ایک ہزار رسالے اور پانسو کتغانی سواروں کے ساتھ یہاں چلا آئے اور سلطان مراد کو بھی تین بٹالینوں اور گھوڑوں کے ساتھ روانہ کردے میں نے اُسے لکھا کہ شیر علی ہم پر حملہ کرے گا نتیجہ خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن اس جنگ کو انقطاعی جنگ

سمجھنا چاہئے کیونکہ یہ تمام باتوں کا فیصلہ کر دے گی۔ میرے چچا نے میرے خط کا جواب دیا کہ سردی اس بلا کی پڑ رہی ہے کہ میں ابھی روانہ نہیں ہو سکتا ہاں یہ ضرور ہے کہ ذرا بھی سردی کم ہوگی تو میں فوراً روانہ ہو جاؤنگا۔ میرے قاصد نے باصرار اُن سے کہا آپ کیا غضب کرتے ہیں ایسا مت کیجیے تین گھنٹے میں آپ زناخوان پہنچ سکتے ہیں صبح ہوتے ہی جنگ شروع ہو جائیگی اگر آپ وقت پر نہ پہنچے تو بڑا ہی غضب ہوگا مگر چچا جان نے اصلا توجہ نہ کی۔

چونکہ سردی بہت تھی جنرل نظیر خوب شراب چڑھا گیا اور اُسے دین و دنیا کے کچھ ہوش نہ رہے اور نہ اُسے توپوں کی خبر رہی اور نہ اُن کے موقعہ سے نصب کرنے کا ہوش رہا۔ صبح ہوتے ہی ایک سوار میرے پاس بھاگا ہوا آیا کہ شیر علی معہ اپنی کل فوج کے آگیا ہے۔ اِسوقت میرے پاس صرف چالیس سوار تھے میں اُنہیں ساتھ لیکے گھوڑا دوڑاتا ہوا پہاڑی پر گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ توپیں تو پڑی ہوئی ہیں لیکن نہ توپچیوں کا پتہ ہے اور نہ میگزین کا۔ میں پہاڑی پر اور اونچا چڑھ گیا دیکھا کہ شیر علی کا لشکر بہت قریب آگیا ہے۔ اور اُس کی ترتیب بہت ہی درست ہے۔ مگر میرے جنرل نظیر کو ابھی تک ہوش نہ تھا وہ عالم بیخودی کا لطف اُٹھا رہا تھا اور اسے آپے کی ذرا بھی خبر نہ تھی میں نے اُسے جگایا۔ اور جھنجھوڑ کے ہوشیار کیا اور یہ جملے کہے "تو نے یہ کیا غضب کیا اب تو اس آنیوالی آفت کا ذمہ وار ہے۔ توپچی کہاں ہیں سپاہ کہاں گئی اور باربرداری کے جانور کہاں چلدئیے۔" جنرل نظیر بارے بیدار ہوا اور یہ جواب دیا کہ "سردی چونکہ بہت تھی اس لئے میں نے ان لوگوں سے کہدیا کہ جاکے سو رہو وہ ابھی آجاتے ہیں۔ میں نے کہا، ان کے آتے آتے تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ کیا ہوتا ہے" میں اس قدر شکستہ خاطر اور مایوس ہو گیا تھا کہ اُسکی عجیب حرکات پر مجھے ہنسی نہیں آئی۔ چونکہ ہمارے پاس جنگ کرنے کے لئے فوج نہ تھی اور جو چند سوار میرے پاس تھے وہ بھی اِدھر اُدھر بھاگ گئے تھے۔ فوج تو کچھ تھی ہی نہیں دشمن کی فوج آگے بڑھی اور اس نے ہماری توپوں پر قبضہ کر لیا مجھے چاروں طرف سے دشمن نے گھیر لیا تھا میں اُن سواروں کے ساتھ ترکیب سے مل گیا جو ایک چھوٹے سے گروہ کا تعاقب کر رہے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اُنہیں پکڑلو پھر آگے جاکے میں نے بھیس بدل لیا اور اپنے سواروں میں ملکے سید ہاشم اپنے چچا کے پاس آیا اور اُن سے یہ کہا۔ "آپ اگر میرا کہنا مانتے تو آج کو مجھے اس حال میں نہ دیکھتے" لائیے میری اشرفیاں جو میں

آپ کے پاس رکھوا گیا تھا دیدیجے چچا صاحب بولے" عبدالرحمن میں تو سوگیا تھا تمہاری کُل اشرفیاں مع خزانہ والا لیکے چلدیا۔ یہ جواب سنکے میں اُن کا منہ تکتے کا تکتا رہگیا۔ اب میں بلخ واپس نہ جا سکتا تھا کیونکہ راستے برف سے ڈھکے ہوئے تھے اخیرنا چار ہم وزیری پہاڑیونکی طرف واپس پھرے۔ جوں ہی ہم نے وزیری پہاڑیوں کی طرف چلنے کی ٹھان لی دشمن کے دوسو یا تین سو سوار نمودار ہوئے۔ اُنہیں دیکھتے ہی میں چار سواروں کے ساتھ ایک ندی میں ہوکے پار ہوگیا لیکن دشمن کے سواروں نے تعاقب کرکے باقی ماندہ میرے آدمیوں کو گرفتار کرلیا۔ شام کو میرے چچا عبدالرحیم کے ساتھ مجھ سے آکے ملے۔ ان کے پاس اس وقت تین سو سوار تھے رات کو ہم قلعہ زرمت میں پہنچے۔ سخت ماندہ ہوگئے تھے ہمارے دل ٹوٹ چکے تھے اور ہم بالکلیہ برباد ہوچکے تھے (جنوری ۱۸۶۹ء) دو گھنٹے گاؤں میں قیام کرنے کے بعد ہم پھر گھوڑوں پر سوار ہوئے آٹھ بجے دن کے سرروزا میں پہنچے۔ اس قصبہ کے باشندے یہ سمجھے کہ ہم شیر علی کی فوج میں سے ہیں اُنہوں نے ہم پر فیر کردئے لیکن جب اُنہوں نے پہچان لیا وہ معافی کے طلبگار ہمارے پاس آئے اور اُن کے ملکوں اور ملاؤں نے ہمارے اور ہمارے گھوڑوں کیلئے خوراک بہم پہنچائی۔ ایک مُلّا نے مجھے تانبے کا کٹورا بطور ہدیہ کے دیا اور دوسرے نے ایک صراحی میں نے ایک حقّہ خریدا دو دن سے ہلاس ہی نہ سونگھی تھی اور نہ حقہ پیا تھا۔ حقہ پی کے طبیعت کو کسی قدر فرحت ہوئی۔ اس وقت جو کچھ دنیا میں میرے پاس تھا صرف تانبے کا کٹورا۔ ایک صراحی ایک حقہ ایک کمبل۔ ایک فوجی وردی۔ ایک تلوار۔ ایک رفل پٹی۔ ایک طپنچہ اور ایک سواری کا گھوڑا بس سوائے ان چیزوں کے اور میں کسی چیز کا مالک نہ تھا۔ اس سے چند روز پہلے میرے پاس آٹھ لاکھ تو بخارا کی اشرفیاں تھیں اور بیس ہزار انگریزی اشرفیاں بیس ہزار درہم گیارہ لاکھ روپیہ کابلی اور پانچ لاکھ کندری جو ہندوستانی روپیہ کے برابر ہوتا ہے دس ہزار خلعتیں اتنے کھانے کے ظروف جن میں دو ہزار آدمی باسانی کھاسکیں کیونکہ ہمیشہ دو ہی ہزار آدمی میرے ساتھ ایک دسترخوان پر کھایا کرتے۔ تھے ایک ہزار اونٹ غرض میرے پاس اتنا سامان تھا کہ افغانستان میں ایک شخص کے پاس بھی نہ تھا۔ مگر ان قیمتی اشیار کے جانے کا اب مجھے زیادہ صدمہ نہ رہا تھا میرا غم اپنے وفادار ملازموں کی خیرخواہی سے کافور ہوگیا تھا جو مجھے یہاں اپنی جان

پرکھیل کے لے آئے میں تو اُن کی قسمتوں سے بالکل لاعلم تھا۔
سہ پہر سر روزا سے روانہ ہوا۔ ایک شخص امیر محمد نامی کو بطور رہنما کے اپنے ساتھ لیلیا۔ ہم یہاں سے
روانہ ہو کے آٹھ بجے شب کے مقام برمال پہنچے گھوڑوں پر سے اُترے۔ دیکھا کہ کچھ حصہ زمین سے
برف پگھل گئی ہے ہم نے جنگل سے لکڑیاں لا کے وہاں روشن کیں اور ہاتھ سینکنے لگے برمال
کے قلعہ سے چند آدمی نکل کے آئے اور مجھ سے جھگڑا کرنے لگے میں تنہا تھا اور میرے چچا اور سوار
آگے بڑھ گئے تھے۔ اپنا موقعہ دیکھ کے میں نے ایک گھوڑے کو پکڑ لیا جسپر ایک سالی شخص
سوار ہوتا تھا میں نے جھٹ رکاب پر پیر رکھ ہی دیا اور جست کر کے اُس پر بیٹھ گیا وہ شخص مجھے
لپٹ گیا اور چاہا کہ اپنے گھوڑے پر سے پھینک دے فوراً میں نے تلوار نکال لی۔ ننگی تلوار دیکھتے
ہی وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ میں دوڑ کے اپنے چچا سے جاملا وہ مجھے دیکھ کے بہت ہی متعجب ہوئے
میں نے اُن سے کہا آپ نے یہ کیا غضب کیا کہ مجھے تنہا چھوڑ کے چلے آئے اس کا جواب
اُنہوں نے کچھ نہ دیا ہم میں سے ایک شخص بھی رستہ نہ جانتا تھا ہم سب متحیر تھے کہ کدہر
جائیں۔ باہم صلاح کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہئے میں نے کہا شب بھر یہیں قیام کرو جب دن
نکل آئے تو یہاں سے روانہ ہو جاؤ خود بخود راستہ مل جائے گا میری رائے سے سب نے اتفاق
کیا ہم سب ایک پہاڑی پر سو رہے۔ آگ سلگانے پر میرے چچا نے یہ کہا کہ خواہ مخواہ لوگ ہمارا
پیچھا کریں گے اس سے بہتر ہے کہ ہم سردی کی تکلیف برداشت کریں اور آگ نہ جلائیں۔
میں نے جل کے کہا چچا جان میں ایسا بزدل نہیں ہوں کہ لوگوں کے پیچھا کرنے سے ڈر جاؤنگا اگر
آگ نہ جلی تو میرے آدمیوں کے ہاتھ پیروں کی انگلیاں جھڑ پڑینگی۔ آگ روشن ہوتے ہی
کوئی چالیس آدمی خروتی جرگہ کے ہمارے پاس آئے اور کہا کہ ہم بہت دیر سے آپ کی تلاش
کر رہے تھے اب آگ جلی تو ہمیں پتہ لگا کہ آپ یہاں ہیں۔ اُنہوں نے کہا آپ سردی میں
کیوں تکلیف اُٹھاتے ہیں ہمارے گھر موجود ہیں وہاں چل کے آرام کیجئے چنانچہ ہم اُن کے گھروں
پر گئے کھانا کھایا اور طبیعت خوش ہوئی اُن لوگوں نے ہماری بڑی خاطر داری کی اور جہانتک
اُن سے ہوسکا مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ اس خاطر و مدارات پر میں اُن کا
بہت ہی ممنون ہوا۔ علی الصباح ایک رہنما لیکے ہم روانہ ہو گئے غروب آفتاب پر پھر کوئی جرگہ کی بستی

میں پہنچے وہ ہمیں دیکھ کے حیران ہو گئے اور اُنہوں نے چاہا کہ بہت جلد بستی کا دروازہ بند کردیں
کہ ہم اندر نہ آنے پائیں لیکن میں گھوڑا دوڑا کے جھٹ دروازہ میں داخل ہو گیا میرے بعد میرے
آدمی بھی آگئے ناچار اُنہوں نے ہمارا خیر مقدم کیا اور ہمیں مبارک باد دی اور ہم سے کہا آپ بطور
مہمان کے ہمارے ہاں رہیں اور ہماری دعوت قبول کریں ہم نے اُنکی دعوت سے انکار کیا صرف
چارپی کے آگے روانہ ہو گئے افسوس ہے اسوقت کوئی رہنما نہ تھا آگے جا کے راستہ بھول
گئے اور پھر بیٹے ٹوئیاں مارنے لگے۔ میں آگے بڑھ گیا اور اپنے آدمیوں سے کہدیا کہ میرے پیچھے
چلے آؤ چلتے چلتے ہم ایک بستی میں پہنچے جہاں ایک راستہ بتانے والا مل گیا۔
ہم چار میل آگے بڑھے ہوں گے کہ ہمیں ایک سوار ملا اور اس نے دریافت کیا تم لوگ کون ہو
،، اسے جواب ملا عبدالرحمٰن ،، یہ سنتے ہی وہ گھوڑا دوڑا کے میرے پاس آیا اور میرے قدموں پر
بوسہ دیا اُس نے کہا میں آپ کے والد کا قدیم ملازم ہوں اور آپ کے دادا جان کی خدمت میں
بھی رہ چکا ہوں اور بہت سی باتوں کو یاد دلایا جو میرے بچپن میں گزر چکی تھیں۔ اس نے درخواست
کی کہ آپ مجھے اپنے ساتھ رکھیں میں راستہ بتانے میں آپ کی مدد کروں گا۔ چنانچہ میں نے
اُس پر بھروسہ کیا اور اُسے اپنے ساتھ لیلیا۔ اس نے کہا وزیری ملک یہاں سے دو دن
کی راہ پر ہے مگر مجھے ایک پہاڑی راستہ معلوم ہے جہاں سے ہم سہ پہر تک اس ملک میں
پہنچ جائیں گے۔ میرا چچا ڈر گیا کہ یہ شخص ہمیں دہوکا دیتا ہے وہ بضد ہو کے کہنے لگا کہ میں تو دور
کے راستہ سے جاؤں گا حالانکہ مجھے اُس پر پورا بھروسہ تھا اور میں جانتا تھا کہ سچ بول رہا
ہے میں اُسی پر اڑا رہا کہ ہم تو پہاڑ ہی پر سے چلیں گے اخیر اسی راستہ پر پڑلئے۔ جب
چوٹی پر پہنچے تو ایک کثیر تعداد فوج نظر پڑی جو دوسری طرف سے ہمارے پیچھے آرہی ہے
فوج کو دیکھتے ہی میرے کل ساتھی بھاگ کے اِدہر اُدہر تتر بتر ہو گئے صرف چالیس بہادر سپاہی
میرے ساتھ رہ گئے۔
اُنہوں نے اور چند سواروں نے دشمن کا مقابلہ کیا جوں ہی یہ لوگ جنگ کرنے کیلئے مستعد
ہوئے وہ سب بھاگ گئے اُن میں سے دس رہگئے تھے اخیر میں جب بندوقوں کے فیر ہوئے
تو وہ بھی چلدیے۔ یہ بلا بھی اوپر کی اوپر ٹل گئی ہم نے آگے قدم بڑھایا اور پھر چند سوار اور میرے

چچا بھی مجھ سے مل گئے۔ جن چالیس بہادر آدمیوں کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے ان کے نام حسب ذیل ہیں۔ عبدالرحیم خاں۔ پروانہ خاں (جواب ڈپٹی کمنڈرانچیف ہے) عبداللہ خاں (جواب وبسرا سے بدخشاں اور کتغان کا ہے) جان محمد خاں (جواب میراخرانچی ہے) فرامرز خاں (کمنڈرانچیف ہرات) سید محمد (کرنیل باڈی گارڈ) محمد شیر خاں (کرنیل رسالہ) احمد خاں رسالدار حیدر خاں (جسے میں نے قندہار کا کمنڈرانچیف بنایا لیکن وہ کاکر بھاگ گیا اور کوئی بات نہیں ہوئی تھی صرف اپنے مظالم کی وجہ سے اُسے بھاگنا پڑا تھا) کمانڈنٹ نائب اللہ خاں (کرنیل مارسلیری جواب کابل میں ہے) کرنیل محراب خاں (برادر جنرل نظیر) اور میر عالم خاں (جو بلخ میں توپخانہ کا جنرل ہے)

جب ہم دوسرے پہاڑ پر چڑھے تو ہمیں دوسو آدمیوں نے گھیر لیا جو اسی جرگہ سے تعلق رکھتے تھے ہماری تعداد تین سو تھی۔ میں گھوڑے پر سے اُتر کر اُن سے جنگ کی تیاری کرنے لگا لیکن جنگ ہونے سے پہلے میں نے اُن سے یہ کہا تم بلاوجہ کیوں ہم سے لڑتے ہو اس میں تمہارا کیا فائدہ ہوگا اُنھوں نے جواب دیا تم نے ہمارے پانچ آدمیوں کو مجروح کر دیا ہے اُن کا انتقام لینے آئے ہیں۔ میں نے اپنے آدمیوں کو تین حصّوں میں تقسیم کیا کہ ایک حصّہ کو جانب راست روانہ کیا اور ایک کو بلند زمین پر جانب چپ اور تیسرے حصّہ کے ساتھ میں بذات خود دشمن پر حملہ آور ہوا چونکہ اب ہم نے اُنھیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اس لئے اُنھوں نے اسی میں نجات سمجھی کہ وہ بھاگ جائیں وہ تتر بتر ہو کے چل دیئے اور ہم آگے روانہ ہوئے۔

بہت جلد ہمیں وزیری قلعہ مرغا نامی نظر پڑا۔ میرے چچا نے ملکوں کے نام خط لکھا کیونکہ وہ اِن لوگوں سے واقف تھے۔ خط پہنچتے ہی سو سوار ہمارے استقبال کے لئے آئے اور ایک ہزار پیادہ آدمیوں نے اپنی زبان میں ہماری مبارکبادی کے گیت گائے۔ دو روز تک اُنھوں نے ہمیں کھانا کھلایا اور گھوڑوں کو بھی دانہ گھاس دیتے رہے ہم نے چاہا کہ اس مہربانی کا کچھ صلہ بطور زرنقد اُنہیں دیں لیکن اُنھوں نے انکار کر دیا سردار عبداللہ پسر عبدالرحیم نے دو سو اشرفیاں مجھے دیں بس یہی روپیہ تھا جو اس وقت میرے پاس تھا اسکے علاوہ ایک حبّہ بھی نہ تھا۔ عبداللہ نے یہ اشرفیاں اپنی کارتوسوں کی پیٹی میں بھر رکھی تھیں اس وجہ سے وہ کالی ہو گئی تھیں دو دن

آرام لینے کے بعد ہم پھر روانہ ہوئے اور ملک کے دوسرے حصہ میں قیام کیا جہاں ہم سے کہا گیا کہ سامان خور و نوش کی قیمت دلوائیں۔ جب میں اشرفیوں کو دینے لگا تو دیسیوں نے صاف انکار کر دیا یہ سمجھ کے کہ تانبے کی اشرفیاں ہیں اور روپے مانگنے لگے۔ مجھے خبر لگی کہ شیر خاں کے پاس ایک ہزار روپے ہیں میں نے یہ اشرفیاں اُس سے بھنانی چاہیں اس نے یہ کہکے صاف انکار کر دیا "حضرت جب کوئی شخص آپ سے یہ اشرفیاں نہیں لیتا پھر مجھ سے کیوں لینے لگا"۔ جب پانی سر سے گزر گیا تو میں نے بالجبر اس سے وہ ایک ہزار روپیہ لیلیا اور اس کے بدلہ میں سو اشرفیاں دیدیں۔ اس روپے سے میں نے آدمیوں اور جانوروں کے لئے خوراک خریدی۔

دو دن کے بعد ہم ملک آدم خاں وزیری کے قلعہ میں داخل ہوئے جس نے بڑی گرمجوشی سے میرا خیر مقدم کیا اور شب کو اپنے قلعہ میں رکھا دوسرے روز ہم دوسری بستی میں پہنچے۔ ان لوگوں نے بھی ہمارا استقبال کیا اور ہماری دعوت کی اس کے بعد وہ ملک جو بطور رہنما کے ہمارے ساتھ تھے رخصت ہو کے اپنے اپنے ملک کو واپس چلے گئے۔ اب ہم ہندوستانی حدود کے پار بمقام دوآ میں داخل ہوئے۔

میں ایک واقعہ کا ذکر کرتا ہوں جو کچھ عرصہ ہوا مجھپر گزرا تھا۔ اس شب جب میں وزیری ملک ملک میں داخل ہوا تو یہ سمجھنا چاہیئے کہ شکست سے اب تک میں نے کچھ کھایا نہ تھا۔ بھوک کے مارے میری جان نکلی جاتی تھی میں نے اپنے سواروں سے کہا کہ میرا تو بھوک سے پتلا حال ہے کچھ اور انتظام نہ ہوسکے تو اس وقت گوشت کا ایک ٹکڑا ہی نعمت غیر مترقبہ ہوجائے گا ان لوگوں کے پاس صرف ایک ہی روپیہ تھا اس روپیہ سے وہ کچھ گوشت کچھ مکھن اور کچھ پیاز میرے لئے خرید کے لائے ہمارے پاس پکانے کے برتن نہ تھے اور اس ملک کے لوگ مٹی کے برتنوں میں کھانا پکایا کرتے تھے بہ مشکل میرے آدمی کہیں سے لوہے کی ایک کڑاہی لائے جس میں میں نے خود بیٹھ کے گوشت پکایا اور کچھ یخنی بھی کرلی۔ میں نے لکڑیوں سے باندھکے کڑاہی کو معلق کر دیا اور اس میں سے پکا ہوا گوشت نکالنے لگا ایک کتا تاک لگائے بیٹھا تھا موقع پا کے جھپٹا اور الگ کڑاہی کی کڑاہی اُڑا کے لیگیا میں دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا

میرے سوار اس کتے کے پیچھے دوڑے لیکن وہ سارا گوشت خراب کر چکا تھا دوسرے اسکا بہت سا حصہ اس کے پیٹ میں چلا گیا تھا۔ خدا کی قدرت کا ایک جدید سبق میں نے اس واقعہ سے سیکھا۔ اس سے تین روز پہلے ایک ہزار اونٹ میرے پاس تھے جن پر صرف میرے پکانے کھانے کے برتن لدتے تھے اور اب وہ کیفیت ہے ایک کتا معہ برتن اور گوشت اٹھا کے لیگیا اور میں تکتے کا تکتا رہ گیا۔ مجھے ایسے عجیب واقعہ سے ہنسی بھی نہیں آئی صبر شکر کر کے روکھی روٹی کھالی اور پڑ کے سو رہا۔

مقام ڈوا میں سردار محمد خاں جسے میرے چچا نے اپنے ماموں کے پاس بھیجا تھا چالیس سوار لیکے ساتھ پہنچا اس کے ساتھ جنرل علی عسکر خاں اور سواز دلا بھی تھے۔ چند روز کے بعد ڈوا ہی میں عید ہوئی بستی کے لوگوں نے بھی ہمارے ساتھ آکے نماز پڑھی اُن لوگوں کو میں نے مٹھائی اور پگڑیاں دیں اور اُنہیں مبارک بادیاں دی گئیں۔ میرے اخراجات بہت بڑھتے جاتے تھے کیونکہ اب ہماری تعداد چھ سو کے قریب ہوگئی ہے خرچ کے بار سے دبا چلا جاتا تھا اتفاق سے عبدالرحیم کا ایک ملازم کابل سے آگیا اور مجھے دو ہزار اشرفیاں لاکے دیں اس کی وفاداری اور خیر خواہی کا سب پر اثر پڑا یہ شخص پہلے عبدالرحیم کا خزانچی تھا اور اب اس کے پاس جوتیاں تک بھی نہ تھیں کمبخت برہنہ پا کابل سے آیا پیروں میں گوڈر بندھا ہوا تھا اور خون جاری تھا تمام پیر چھلنی ہو رہے تھے۔ اشرفیاں دے کے اُس نے کہا مجھے کابل واپس جانے کی اجازت دی جائے تاکہ عبدالرحیم کے کنبہ کی خبر لوں اور اگر ممکن ہو تو وہاں پہنچ کے آپ کی بھی کوئی خدمت کروں۔ میں نے بخوشی اُسے کابل جانے کی اجازت دی چلتے وقت اپنا گھوڑا دینا چاہا لیکن اُس نے صاف انکار کر دیا کہ نہیں اس وقت آپ کو ضرورت ہے میں تو پا پیادہ چلا جاؤں گا۔ ان دو ہزار اشرفیوں کو بھنایا تو بیس ہزار روپے میں بھنیں۔ اس روپے سے ادویات سامان خورد نوش خریدا۔

اسی اثنا میں میرے چچا کے پاس اضلاع بنوں اور پشاور کے انگریزی حکام کے خطوط پہنچے جن میں لکھا تھا کہ آپ ڈوا میں کیوں ٹھیرے ہوئے ہیں انگریزی عملداری میں آکے پناہ گزین کیوں نہیں ہوتے۔ میرے چچا نے اس کا جواب یہ دیا" ہاں اگر ہندوستان کا وایسرائے

براہ راست ہمیں لکھے اور دریائے انڈس کے اُس پار ہمارا استقبال کرے ہم یوں نہیں آسکتے
ہاں اگر یہ کل صورتیں ہوں گی تو ہم آسکتے ہیں۔ اس خط پر چچا نے مجھ سے کہا تم اپنی مہر کردو میں نے
جواب دیا، "میں نے انگریزی دوستی میں کبھی کوئی فائدہ نہیں دیکھا آپ تو ایک دفعہ ہو کا پا چکے
ہیں تعجب ہے پھر اُسی طرف رجوع کرتے ہیں اگر آپ جانا چاہتے ہیں جائیں میں ساتھ نہیں
جانے کا۔ یہ تو بتائیے کہ راولپنڈی چھوڑنے کے وقت سے آپ کی رائے انگریزوں کی نسبت
کیوں تبدیل ہوگئی آپ خود ان کی سرد مہری کی مجھ سے شکایت کرچکے ہیں۔ چچا نے جواب دیا کہ جو
کچھ تو کہتا ہے صحیح ہے بیشک یہ ارادہ تھا کہ اب کبھی انگریزوں کے ملک میں نہ جاؤں گا لیکن کیا
کروں پھر کہاں جاؤں ادھر اُنہوں نے خود بلایا ہے میں نے کہا شان جوانمردی کے خلاف ہے
کہ دل میں کچھ اور زبان پر کچھ آپ اُنہیں صاف جواب لکھئے۔ چونکہ مجھے آپ لوگوں سے کسی
قسم کی فائدہ کی امید نہیں ہے اس لئے میں آپ کی گورنمنٹ کی سرپرستی میں نہیں آنا چاہتا۔
اخیر میری بات مان لی اور اسی مضمون کا ایک خط لکھا میں نے خط پر بھی اپنی مُہر ثبت نہیں کی
اور چچا سے کہدیا کہ مجھے جانتا ہی کون ہے میں ایسا کہاں کا بڑا چڑھا آدمی ہوں یہ سن کے چچا سخت
غصہ میں آگئے اور مجھ سے شکایت کرنے لگے۔ مجھے بھی غصّہ آگیا اور میں نے فوراً اپنی مُہر توڑ ڈالی اور
قاصد سے مخاطب ہو کے یہ کہا، "توزبانی انگریزی افسروں سے کہہ دیجو میں آپ سے کچھ تعلق رکھنا
نہیں چاہتا وہ میرے دشمنوں کے دوست ہیں اس لئے میرے دشمن ہیں"، وہ قاصد پشاور اور
بنوں چلا گیا اور اس نے ضرور میرا پیغام پہنچا دیا ہوگا۔
پانچ روز تک ہم توا میں مقیم رہے اور وہاں سے کانی گرم روانہ ہوئے پانچ روز سفر کرنے کے
بعد وہاں پہنچے۔ سات دن یہاں قیام کیا اس عرصہ میں ہمارے گھوڑے تازہ دم ہو گئے۔
اس جگہ گھاس خوب سرسبز اگی ہوئی تھی۔ مجھے یہاں بخار آگیا پانچ روز تک ہوش نہ آیا پھر روانہ
روانہ ہوگیا یہاں دو دن ٹھیرا اس کے بعد دریائے گومل سے پار اُتر گیا جب میں دریا کی
دوسری طرف پہنچا تو میں نے ایک شخص کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا جو رومال ہلا رہا
ہے میں نے علی عسکر خاں کو بھیجا کہ جا کے دریافت کریں یہ شخص کیا چاہتا ہے۔ جب عسکر خاں
وہاں پہنچا تو اسے سخت تعجب ہوا کیونکہ یہ ایک خاتون تھی جسے بارہ سال کی عمر میں افغانستان

سے وزیری چرا کے لیگئے تھے۔ اب اُس خاتون کی عمر بیس سال کی تھی اور وہ کسی ترکیب سے بچکے نکل آئی تھی اور ہماری حفاظت چاہتی تھی میں نے اُسے اپنی نگرانی میں لیلیا اور اُسے ضروری سامان اور سواری کے لئے ایک گھوڑا دیا اور تسلی دی تو گھبرا نہیں انشاء اللہ میں تیرے ماں باپ کے پاس تیرے وطن پہنچا دوں گا۔

پھر ہم وہاں سے روانہ ہوئے اور شیرانی والوں میں جاکے مہمان ہوئے یہ ایسی بستی تھی کہ جہاں صرف دو جھوس کے چھپر پڑے ہوئے تھے اور کچھ نہیں تھا۔ ان لوگوں کے پاس چانولوں کا ایک دانہ بھی نہ تھا۔ صرف ایک بھیڑ۔ چار بکریاں اور تین مرغ تھے جن کو انہوں نے فروخت کرنے کے لئے رکھ چھوڑا تھا اور خدا کے فضل سے ہم تین سو تھے۔ ہمارے اور ساتھی بنوں کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ ہم نے ان جانوروں کو خریدا اور کسی نہ کسی طرح رات کاٹی۔ وہ تیسرے دن ہم کاکر زہوب کی بستیوں میں سے ایک بستی میں داخل ہوئے۔ یہاں ہمنے افراط کے ساتھ آٹا۔ مکھن اور بکری کا گوشت خرید لیا۔ اور دو دن کی خوراک کا کھانا ہمیں پکا لیا آگے چلکے بھی ایسے ہی کرتے رہے۔

پھر ہم ایک دوسرے گاؤں میں جس کا نام دہبر نگ تھا پہنچے۔ یہاں ہمارے پاس کھانے پینے کا سامان بہت کثرت کے ساتھ ہو گیا۔ ضرورت سے زیادہ گاؤں والوں نے لاکے ہمارے سامنے ڈالدیا اور اُس کی خریداری پر زور دینے لگے۔ میں نے صاف انکار کر دیا۔ یہ دیکھ کے وہ اپنا سامان ویسے ہی کل زمین پر چھوڑ کے چلدئے۔ دوسرے دن صبح کو آکے دیکھا تو اُن کا سامان ویسا ہی پڑا ہوا ہے اور کسی نے ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ اخیر مجبور ہو کے اور یہ سمجھ کے کہ ہم ان پر جبر نہیں کر سکتے وہ کل سامان بڑی بے دلی سے اُٹھا کے لیگئے اور جب تک ہم رہے ہمیں بہت بُرا بھلا کہتے رہے۔ ہم چند ہی میل چلتے ہوں گے کہ کیا دیکھتے ہیں دو ہزار آدمیوں کا گروہ ننگی تلواریں لئے ہوئے رستہ پر ہمارا انتظار کر رہا ہے۔ اُن میں سے ایک نے آکے میرے چچا کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔ وہ تلوار نکالنے ہی کو تھا کہ میں اُس پر جھپٹ پڑا اور اپنا رنفل اس کی چھاتی سے لگا کے فیر کرنے کا ڈراوا دیا۔ اس نے فوراً باگ چھوڑ دی۔ میں نے دریافت کیا کہ اخیر تمہارا منشاء کیا ہے اس نے کہا تمہیں نہیں معلوم کہ اس گاؤں کا نام زہوب ہے اور اگر تم

لوگ فی کس ہمیں روپیہ نہیں بھروگے ہم تمہیں رستہ نہیں دیں گے۔ میں نے کہا اگر ہم تمہیں کاگر کا سارا ملک بخشدیں پھر تو ہمیں جانے دوگے اور یہ کہکے میں سنبھل گیا اور جنگ کے لیئے آمادہ ہوگیا اب تو وہ چونکے اور کہنے لگے ہم تو مذاق کررہے تھے اور ہمیں آگے بڑہنے کا موقع مل گیا۔ دن کی منزل ابھی دور تھی کہ ایک سن رسیدہ آدمی ہمیں راستہ میں دکھائی دیا اُسکی بھوری بھوری زلفیں کندھوں پر لٹک رہی تھیں۔ اس کے سر پر ایک سفید عمامہ اور ہاتھ میں ایک مضبوط لکڑی تھی۔ اور اس کے ساتھ اس کے دس مرید بھی تھے۔ ابھی یہ مقدس صورت پورے طور سے سامنے نہیں آئی تھی کہ میرے چچا کے پاس دو آدمی آئے اور اُنہوں نے بیان کیا کہ ہم ملک کے سردار ہیں۔ یہ دونوں آدمی اس ضعیف صورت کو دیکھہ کے سجدہ میں گر پڑے اور انہوں نے کہا کہ یہ سید ہے۔ یہ سنتے ہی میرے چچا نے گھوڑے سے اُترکے اس سن رسیدہ آدمی کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور اسے اپنے پہلو میں جگہہ دی۔ میں اس سے پہلے بھی ایسے سینکڑوں مکّار دیکھہ چکا تھا اور خود اس کی صورت سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کچھہ دال میں کالا کالا ہے اور یہ تقویٰ وطہارت خالی از شر نہیں ہے۔ میری یہ بھی عادت تھی کہ جس گاؤں میں جاتا تھا وہاں کے لوگوں میں سے ایک کو کچھہ روپیہ دے دلاکر بستی کے حالات پوچھہ لیا کرتا تھا۔ ایک جاسوس کی باتوں سے مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ یہ بدمعاش بڑا زبردست رہزن ہے۔ اس کے ساتھہ سو آدمیوں کا ایک خونخوار گروہ ہے۔ اسوقت وہ اپنے ساتھہ چالیس آدمیوں کو ہمارے مال واسباب پر ہاتھ ڈالنے کے لیئے لایا ہے۔ میں نے چچا کے کان میں یہ بات ڈالدی۔ لیکن وہاں کیا تھا۔ اس ماجرے کو سرتاپا غلط سمجھا اور اپنے بیٹے سرور کو بلا کے کہا آج یہ مقدس پیر ہمارے ہاں رات کو مہمان رہیں گے آفتاب چھپنے ہی کو تھا کہ چند آدمیوں نے ان چشموں کو جہاں سے ہمارے نوکر چاکر گھوڑوں کو پانی پلانا چاہتے تھے آکے گھیرلیا۔ یہ دیکھتے ہی میں چوکنا ہوا۔ اور میں نے بھی ایک چال کی کہ اپنے گھوڑوں کے چھوٹے قافلے بناکے بستی کے ادہر اُدہر مختلف وقتوں میں پانی پلانے کے لئے بھیجدیئے۔ اور ان چشموں کو جہاں وہ لٹیرے گھوڑوں کا انتظار کررہے تھے خالی چھوڑدیا۔ اس صورت سے ہمارے تین سو کے تین سو گھوڑے صحیح وسلامت منزل پر پہنچ گئے۔ میرے چچا اور اُنکے لڑکے کے پاس تقریباً پچاس گھوڑے تھے۔ جو لوگ ان کی نگرانی اور خدمت کے لئے

مقرر تھے اُنہوں نے کہا کہ جو لوگ چشموں کو گھیرے ہوئے ہیں وہ گھوڑوں کو پانی پلانے سے
منع کرتے ہیں اس پر وہ پیر صاحب جوش میں آ کے کہنے لگے میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں دیکھوں
تو وہ لوگ کیسے تمہارے نوکروں کو پانی نہیں پلانے دیتے۔ پیر صاحب آگے بڑھے اور جب کچھ
دور پہنچے تو سائیسوں سے کہا تم لوگ اب ڈولوں سے پانی بھر لو۔ وہ غریب پانی نکالنے میں رہے
اودھر پیر صاحب معہ تیس گھوڑوں کے غائب اور اُن کے کُل آدمی بھی اُن کے ساتھ غائب
ہو گئے بہ مشکل بیس گھوڑوں کو میرے سواروں نے جن میں سے پانچ زخمی بھی ہوئے بچایا۔
جس وقت نوکروں نے آ کے یہ ماجرا سنایا میں بھی موجود تھا اور میں نے زور سے قہقہہ لگایا۔
میں نے کہا،، میں آپ سے تیسرے پہر کو کہہ چکا تھا آپ نے میری نہ مانی آپ اس مثل کو کہ ،، دنیا
میں بہت سے شیطان بہ شکل انسان ہیں اور سب کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہیں دینا چاہیئے،، بالکل
بھول گئے میرے چچا اور ان کے بیٹے سرور کی رات گھوڑوں پر افسوس کرتے اور مجروحین کی
مرہم پٹی میں بسر ہو گئی۔ دوسرے کوچ میں میرے چچا کے آدمی اور سواروں کے پیچھے منزل طے
کرتے رہے۔ گیارہویں روز کلکر کے ایک گاؤں میں پہنچے وہاں میرے سپاہیوں نے خوراک کا
بندوبست کیا اور میں اپنے لئے ایک فربہ بھیڑ تلاش کرتا رہا۔ اخیر ایک بھیڑ ملی اس کے مالک کو
بیس روپیہ کابلی جس کا اس سے فیصلہ ہو چکا تھا دئے۔ ہم لوگ اس بھیڑ کو ذبح کرنے کو تھے کہ
اس کے مالک نے کہا اب میں نہیں بیچتا۔ میں نے ارادہ فسخ کر دیا۔ میری بھیڑ مجھے دو میں نے
کہا لیجائیے پھر کہنے لگا نہیں نہیں اب میں نے اپنا ارادہ پھر بدل دیا بالآخر وہ بھیڑ میری خاطر
ذبح ہوئی۔ اس کے دیکھتے ہی بھیڑ کے مالک نے روپے پھینکدئے اور کہنے لگا میری بھیڑ کو زندہ
کرو۔ میں نے جواب دیا کہ مجھ میں یہ طاقت نہیں ہے اس کا زندہ کرنا میری طاقت سے
باہر ہے۔ اچھا تم روپے اور بھیڑ دونوں لیجاؤ۔ لیکن وہ اپنی ہٹ پر قایم رہا اور مجھے اُسکے زندہ
کرنے کے لئے برابر مجبور کرتا رہا۔ جب میں نے دیکھا کہ کوئی بات نہیں بنتی تو ایک تدبیر سوچی اور
ایک مولوی کو جو میرے قریب کھڑا تھا بلایا۔ میں نے کہا یہ شخص بہت دیر سے آپ کی نسبت
بُرے بُرے الفاظ بک رہا تھا پھر اس بھیڑ والے کو مخاطب بنا کے میں نے کہا مجھے تمہاری
جتنی طبیعت چاہے گالیاں دو لیکن اس متبرک آدمی کی بیوی کو بُرا نہ کہو۔ یہ مقدس آدمی اپنے

وقت کا پیغمبر ہے یہ سنتے ہی وہ مولوی آگ بگولا ہو گیا اور غصہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔
مولوی صاحب نے بھیڑ کے مالک کو سور کہا اس نے بھی اس کا جواب دیا۔ دونوں میں خوب کٹا چھنی ہوتی رہی۔ میں روپے اور بھیڑ دونوں کو لیکے چلدیا اور ان دونوں کو انقطاعی فیصلہ کرنے کے لئے یہیں چھوڑ دیا۔ آدھے آدمی اس کی طرف ہو گئے اور آدھے مولوی کی طرف خوب آپس میں لڑے اور پھر لوگوں نے بیچ بچاؤ کرا دیا۔ گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد وہی بھیڑ والا آیا اور میرے سامنے بطور نذرانہ دو دودھ کے بھرے ہوئے لوٹے۔ بہت سی روٹیاں دسترخوان میں لپٹی ہوئیں اور ایک حلوان بھیڑ کا پکا پکایا گوشت پیش کیا۔ تھوڑی دیر پہلے وہ بالکل وحشی تھا اب اس کے حرکات و سکنات سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک مہذب اور معقول آدمی ہے میں نے کہا بھیڑ کا حیلہ ڈھونڈھ کے تم نے مجھسے کیوں جھگڑا کیا اس نے جواب دیا کہ سرور خاں نے قندہار میں اس سے برا برتاؤ کیا تھا اس لئے اس نے اس کا بدلا نکالا میں نے کہا سرور خاں تو یہاں موجود ہے۔ تم کو اس سے لڑنا تھا نہ کہ مجھسے وہ کہنے لگا کہ سرور خاں کو قندہار میں حاکم تو تم ہی نے بنایا تھا اس لئے میں نے تم ہی سے اس کا انتقام لیا اسی طرح کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں وہ اپنے گھر چلا گیا اور میں آرام کرنیکے لئے اپنی جائے قیام پر چلا آیا۔ دوسرے روز جب ہم روانہ ہوئے تو ہوا بہت تیز چل رہی تھی اور ہر طرف گرد و غبار اُڑ رہا تھا جس گاؤں میں ہمارا ٹھیرنے کا ارادہ تھا وہاں کا ملک دو سواروں کو لیکے ہمارے استقبال کے لئے آیا لیکن ملاقات ہونیسے پہلے اس نے اپنے ایک آدمی کے ہاتھ یہ کہلا بھیجا تھا کہ شاہ جہاں بادشاہ آپ سے رستہ میں ملیں گے آپ کو چاہئے کہ گھوڑے سے اُتر کے اُن سے معانقہ کریں۔ میرے چچا نے مجھسے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ میں نے کہا کہ مجھے آگے جانے دیجے۔ پہلے دیکھ لوں پھر اسکے بعد کوئی رائے قائم کروں گا تھوڑی دور جانیکے بعد میں نے دو آدمیوں کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا ان دونوں میں سے ایک سے میں نے پوچھا کہ تمہارا بادشاہ کہاں ہے۔ اس نے بتلایا کہ یہ جو میرے ساتھ ہیں۔ یہ شخص جسے بادشاہ بتلایا گیا تھا ایک سن رسیدہ آدمی تھا۔ اس کا کوٹ بھیڑ کی کھال کا تھا۔ اس میں جا بجا سرخ کپڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔ اس کا عمامہ کسی میلی چیز کا بندھا ہوا تھا۔ دیکھنے سے قے آتی تھی۔ دوسرے یہ کہ

کوئی سر پر کلاہ نہ تھی۔ پیروں میں اون کی جرابیں تھیں مگر جوتا نہیں تھا جس گھوڑے پر وہ
سوار تھا اُس کی ہڈیاں پسلیاں نکل آئی تھیں۔ زین لکڑی کا رکھہ چھوڑا تھا اور اس کے پیروں
میں گھنٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ باگ بالوں کی تھی۔ اور اُس کے پیروں پر بھی گھنٹیاں باندھ رکھی
تھیں۔ یہ تماشا دیکھہ کے میں بہت ہنسا اور ان کے بادشاہ سے میں نے کہا ہمارے امیر نے
آپکی زبانی عزت کرلی ہے۔ یہ بڑی زبردستی ہوگی اگر پھر بھی آپ اُنہیں گھوڑے سے
اُترنے کی ہدایت کریں۔ میرے اس کہنے پر اُس فرضی اور مصنوعی بادشاہ نے کچھہ چوں وچرا
نہیں کی پھر میں نے اپنے چچا کے پاس آکے اس عجیب شخص کی کیفیت بیان کی اور کہا شاہ
جہاں اسبات پر راضی ہے کہ آپ گھوڑے پر سے نہ اُتریں۔ غرض میرے چچا جان وہاں
پہنچے۔ چچا کا گھوڑا اس عجائب الخلقت صورت کو دیکھہ کے بھڑکا اور چراغ پا ہونے لگا۔
چچا نے غل مچا کے کہا عبد الرحمن مجھے سنبھال میں چلا۔ میں نے کہا حضرت دو بادشاہوں کے
معاملہ میں میں دخل دینے والا کون۔ چچا نے پریشان ہو کے کہا خدا کے لئے مجھے سنبھال ورنہ
گھوڑا مجھے پھینک دیگا۔ عبد الرحمن بھلا یہ کوئی مذاق کا وقت ہے میری جان پر بن رہی ہے
اور تجھے ہنسی سوجھی ہے۔ میں نے کہا اچھا اس شرط پر میں آپ کے گھوڑے کو پکڑتا ہوں کہ
آپ اس کے صلہ میں مجھے کچھہ دلوائیں چچا نے کہا دو تلواریں ہیں اُن میں سے ایک تو لیلے
میں نے منظور کرلیا اور پھر گھوڑے کو پکڑ کے درست کردیا۔ پھر میں شاہ جہاں کے پاس گیا اور اس سے
کہا آپ میرے ساتھ تشریف لائیں تاکہ ہم ملکے آنے والوں کے استقبال کا انتظام کریں شاہ جہاں
بولا ایک دُنبے کی تو یخنی تیار ہے اور چالیس روٹی کے ٹکڑے ہیں میں نے کہا حضرت یہ سامان تو
بہت ہے لیکن ذرا چلئے تو سہی کہ ہم ہر معاملہ خود جا کے دیکھہ آئیں۔ غرض ہم دونوں گھوڑے
پر سے اُترے اور ایک میل تک چلے گئے میں نے ایک میل پر جا کے کہا اہا مجھے یاد آیا میں
اپنی کچھہ ضروری چیزیں بھول آیا ہوں آئیے واپس چلکے لے آئیں۔ غرض ہم واپس پھرے۔
واپس ہوتے وقت میں نے یہ بھی کہا تھا کہ کچھہ شکر بھی مجھے لانی ہے شکر کا نام سنکے شاہ جہاں
کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ میں اپنے چچا کے پاس آیا اور اُن سے کہا آپ نے اس جلیل القدر بادشاہ
کی نسبت کیا خیال فرمایا۔ چچا یہ سنکے ہنسنے لگے۔

گاؤں میں پہنچتے ہی ہم نے بادشاہ سلامت کو اِدھر اُدھر تلاش کیا خیر میں نے اُنہیں ایک پھوس کے چھپر میں دیکھا کہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھسے حضرت سلامت نے کہا کہ میں نے اپنے نوکروں کو ایندھن کے واسطے جنگل روانہ کیا ہے۔ تعجب ہے وہ سب ابھی تک غائب ہیں۔ توا شادی میں کوئی مانگ کے لیگیا ہے۔ روٹیاں بھی تو ابھی تک نہیں پکیں۔ میں نے کہا اگر آپ کے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں تو کچھ مضایقہ نہیں ہم تو آپ کے مہمان حاضر ہیں۔ میں نے پھر اپنا سامان منگایا۔ لوگوں سے میں نے پوچھا کہ کیا یہی تمہارے بادشاہ ہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا ہاں یہی ہیں۔ میں نے کہا واقعی آپ لوگ بڑے عقلمند ہیں کہ آپ کا بادشاہ ایسا ذی اختیار ہے۔ میں جتنی تعریف کرتا تھا اتنا ہی وہ لوگ مجھسے خوش ہوتے تھے اس روز تو ہمارا پڑاؤ جنگل میں ہوا۔ دوسرے دن بادشاہ صاحب ہمارے ہاں تشریف لائے اور کہنے لگے آپ لوگوں کا دوسرا پڑاؤ میرے ماموں زاد بھائی کے گاؤں میں ہوگا۔ وہ لوگ تو آپکی آؤ بھگت خوب کریں گے۔ میرے ماموں زاد بھائی کا نام دوست محمد ہے ہم لوگوں نے اس سے ایک ساتھی کی درخواست کی۔ پھر تو وہ خود ہی مستعد ہوگیا اور ہمیں راستہ بتانے کے لئے کمر کس لی۔

میں نے چچا سے کہا کچھ اس میں بھید ہے۔ اُنہوں نے مطلق خیال نہیں کیا اور ہم سب کے سب اس کے ساتھ ہو لیئے۔ دن بھر کی منزل طے کرنے کے بعد ایک پہاڑ کی کھو میں پہنچے۔ دوسرے دن پھر ایسے ہی ایک پہاڑ پر سے گزرے اور ایسے گاؤں میں آ پڑے جہاں کسی آدم زاد کا پتہ نہ تھا۔ تب تو میں نے چچا سے کہا کہ ہمیں یہ کہیں سے کہیں لیئے جا رہا ہے اور ہمارے گھوڑوں اور آدمیوں کو بغیر دانہ پانی کے مار ڈالے گا۔ اگر ہمارے پاس دو روز تک کچھ کھانے پینے کا سامان نہ ہوگا تو ہم کیا کریں گے۔ رات کو اس ویرانہ میں ٹھیر گئے دوسرے روز دوست محمد دو ہزار آدمیوں کو لیکر ہمارے ہاں آیا۔ پہلے ایک آدمی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ ہم لوگ حاضر ہیں۔ اس نے کہا آپ لوگ اس ٹیڑھے رستہ سے کیوں آئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے ماموں زاد بھائی کی حرکت ہے۔ اس کا منشا تھا کہ آپ لوگ ہمارے مہمان نہ ہوسکیں اور گاؤں کے باہر ہی باہر چلے جائیں جس سے ہماری سخت ذلت ہو۔ اب اسے

ہمارے سپرد کیجیے۔ وہ ہمارا دشمن ہے اُس نے تھوڑی دور پیچھے لوٹنے کی صلاح دی اور کہا کہ میں نے ہندوستانی پر تکلف دعوت کا سامان کیا ہے آپ لوگ چلکے اسے تناول فرمائیں۔ چچا سے میں نے کہا کہ آپ نے میری بات نہ مانی۔ اب ان دو بدمعاشوں سے کیسے چھٹکارا ہوگا۔ اتنی دیر میں دوست محمد کے وہ سپاہی جنہیں اس نے ہمارا اسباب لوٹنے کے لئے بھیجا تھا آپہنچے۔ جب ان پر گولیاں برسائیں تو وہ اُلٹے پیروں لوٹ گئے شاہ جہاں تو خوف کے مارے چھُپ گیا۔ میں نے چچا سے کہا رات ہی رات میں یہاں سے چلد یجئے۔ ورنہ دوست محمد سے لڑنا پڑے گا۔ خدا خدا کرکے شاہ جہاں کا پتہ چلا۔ ہم لوگوں نے اُس سے کہا جہاں سے تو ہمیں لایا ہے وہیں پہنچاوے۔ وہ اس ڈر سے بھاگا بھاگا پھرتا تھا کہ شاید ہم لوگ اسے دوست محمد کے حوالہ نہ کردیں۔ میں نے اسے اطمینان دلایا۔ رات ہی رات اگرچہ جاڑا شدت سے پڑ رہا تھا اس کے ساتھ چل نکلے۔

راستہ میں کہیں پانی اور اناج کا پتہ نہیں تھا۔ کوئی گاؤں ایسا نہیں ملا۔ دوسرے دن تیسرے پہر کو ایک گاؤں میں وارد ہوئے وہاں بھی یہی رونا تھا۔ میں نے اس شیطان کے بچے سے پوچھا کہ آخر گاؤں والے کہاں گئے۔ اس نے کہا بہار کے موسم میں وہ تو یہاں آجاتے ہیں اور جہاں ذرا سردی پڑی وہ پہاڑ فرن پر چڑھ جاتے ہیں۔ یہ پہاڑی سامنے رہی میں نے جھنجلا کے کہا تجھ پر خدا کی مار اب ہمارے آدمیوں اور گھوڑوں میں کہاں اتنی طاقت ہے کہ وہ ایسی چڑھائی پر چڑھ سکیں۔ کمبخت نے جواب دیا جو کچھ ہو اب بہتر یہی ہے کہ پہاڑی پر چڑھیں وہاں لوگوں سے ملیں اور وہ لوگ ہمیں آرام دیں گے۔ کھانے کا بندوبست کردیں گے لیکن میں خود نہیں جاسکتا وہ لوگ کل میرے خاندان کے دشمن ہیں۔ میں نے کہا اچھا آپ یہاں سے دفع ہوجئے۔ خدا کا شکر ہے کہ ایسے مفسد کے پھندوں سے نجات ملی شام کے قریب پہاڑ کے دامن میں پہنچ گئے اور اُن لوگوں سے جو وہاں رہتے تھے ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے ہمارا استقبال بڑے شوق سے کیا اور یہ سمجھے کہ یہ دشمن کے سوار ہیں۔ لیکن پھر بھی گھوڑے کے واسطے چارہ اور آدمیوں کیلئے کھانے پینے کا سامان اُنہوں نے بہم پہنچایا مگر کسی جنس کے دام نہیں لئے۔

ہم دو روز اُن کے مہمان رہے۔ پھر یہاں سے کوتل سرائے ہوکے پشمین روانہ ہوئے جب

ہم پشین کے پاس والے گاؤں میں پہنچے تو ایک مخبر نے کہا کہ یہاں کے حاکم نے مالگزاری کے چالیس ہزار روپے قندھار بھیجنے کے لئے اکٹھے کئے ہیں۔ میں نے چچا سے کہا کہ رات کو چھاپا مارنا چاہئے۔ گاؤں میں رات ہی رات پہنچ جاؤں گا۔ لیکن یہ سب منصوبے ٹوٹ گئے۔ دو چار ملازموں نے جا کے اس حاکم سے کہدیا۔ اس نے کچھ آدمی آس پاس کے گاؤں سے قلعہ کے مضبوط کرنے کے لئے بلالئے۔

میں نے خوش قسمتی سے پہلے ہی ایک مخبر کو روانہ کر دیا تھا اور اس سے کہدیا تھا کہ میرے آنے تک وہ انتظار کرے مگر یہ شخص بدحواس میرے پاس بھاگا ہوا آیا اور میرے چچا کے پانچ سواروں کی غداری کا حال بیان کیا۔ یہ سنتے ہی میں نے اپنا ارادہ فسخ کر دیا اور میں فوراً مقام کاریز وزیر کی طرف پھرا اور یہاں دو روز قیام کیا۔ یہاں کے باشندے اپنے کو سیّد وری کہتے ہیں۔ لیکن میں خیال نہیں کر سکتا کہ وہ اس لقب کے کس طرح مستحق ہو سکتے ہیں جبکہ اس قوم کی خاص علامتیں فیاضی۔ اخلاق اور رحم کی ہیں۔ مگر ان لوگوں میں یہ صفتیں بالکل مفقود ہیں۔ ہاں خوبصورتی تناسب اعضاء اور دولت مندی میں سب بڑھے چڑھے ہیں لیکن ایک دوسرے کے سخت مخالف اور آپس میں ایک کو ایک کھائے جاتا ہے اسی وجہ سے ان میں رات دن جھگڑے اور فساد ہوتے رہتے ہیں۔ یہاں سے روانہ ہو کے ہم نے مقام آبراغ میں قیام کیا۔ خشکی کے رستہ میں اس بلا کی بارش ہوئی کہ الٰہی توبہ۔ تمام دن مینہہ نے آنکھ نہ کھولی اور ہوا بہت خنک چلتی رہی۔ ہم جوڑ بجوڑ ہو گئے اور سردی سے ہمارے ہاتھ ٹھٹھر گئے۔ بمشکل ہم مقام مقصود پر پہنچے لوگ ہم سے مہربانی سے پیش آئے۔ دوسرے دن ہم وہاں سے بھی روانہ ہو گئے اور اب ہمارا سفر ایسے جنگل میں ہوا جہاں پانی کا نام بھی نہ تھا ہمنے یہاں سے واپس چلا آنا چاہا کیونکہ لوگوں نے ہمسے کہا کہ اگر تم خاران کے رستہ سے جاؤ گے تو تمہیں آرام ملے گا۔ اگرچہ یہ راستہ چار پانچ روز پہلے راستہ سے دور ہے مگر میں نے مناسب نہ سمجھا۔ دو سو اونٹ کرائے پر کئے اور ان پر کافی سامان خورونوش بار کیا۔ اور اسی بے آب و گیاہ جنگل میں روانہ ہوا۔ اللہ کی مدد سے ہر روز پانی برستا تھا اور ہماری تمام ضرورتوں کے لئے کفیل ہو جاتا تھا۔

ہم برابر دس روز تک اسی طرح سفر کرتے رہے۔ دسویں دن مقام چغائی نظر پڑا۔ پانی برسنے سے
سڑک بالکل ناہموار ہوگئی تھی گھٹنوں گھٹنوں پانی اور کیچڑ ہوگئی تھی اور اسی میں ہم کو بہزار خرابی
پیدل چلنا پڑا۔ منزل تک پہنچتے پہنچتے ہمارے جانوروں اور آدمیوں کا بُرا حال ہوگیا۔ ایسی
حالت میں میں نے خود تھوڑا سا گوشت پکایا اور ان آدمیونکو جنکے چہرہ سے مردنی برس رہی
تھی تقسیم کیا۔ گھوڑوں نے موقع پا کے آرام کیا اور ایسے پڑے کہ اُٹھائے سے بھی نہیں
اُٹھتے تھے۔ صرف میرا عربی النسل گھوڑا جو میرے دادا کے اصطبل کا تھا کھڑا رہا۔ دو دن تو ہم
سخت آفت میں مبتلا رہے۔ تیسرے دن اللہ اللہ کر کے چغائی میں پہنچے۔ جب بستی میں ہم داخل
ہوگئے تو وہاں کا خان ہمارے استقبال کے لئے نہیں آیا ہم کو سخت حیرت تھی کہ کیا معاملہ ہے
ہفتہ عشرہ کے بعد وہاں کے خان اور میر نے میرے چچا کے پاس یہ کہلا کے بھیجا کہ وہ لوگ
آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ اجازت ہونی چاہئے مجھے سخت ناگوار گزرا اور میں نے کہا اب تک
کہاں رہے کہ ملنے کا موقع نہیں ملا جسکے لئے آج وہ درخواست کرتے ہیں۔ خیر معلوم ہوا کہ
ان کے آدمی اپنے گھوڑے جنگل چرانے گئے تھے۔ اب گھوڑے چرا کے وہ واپس آئے ہیں۔
اور اُن میں سے ۵۰۰ سلام کرنے کے لئے حاضر ہیں۔ ہمارا اشارہ پاتے ہی خان قلعہ سے باہر
نکلا۔ آگے آگے وہ تھا اور اُس کے پیچھے ایک صف میں آدمیوں کی ایک جماعت تھی۔ خان
کے آگے دو نوعمر ناچنے والے لڑکے تھے ان کی عمر نو یا بارہ برس کی ہوگی۔ انکے چہروں سے
وحشت برستی تھی۔ اُن کے بال آپس میں گھتے ہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ کبھی کنگھا نہیں ہوا
اور نہ صابون یا پانی سے کبھی دھوئے گئے۔ دو چار آدمی ان لڑکوں کے ساتھ گاتے ہوئے
چلے آ رہے تھے اور گویا یہ ہمارا نہایت تزک و احتشام سے استقبال کیا گیا۔ اسی کی
تیاری میں پندرہ دن صرف ہوگئے۔ ہم چغائی میں پورے پچیس دن ٹھیرے رہے اس عرصہ
میں ہمارے گھوڑے خوب ہٹے کٹے ہوگئے۔ کیونکہ گھاس اور چارہ کی افراط تھی۔ پھر ہم
دریائے ہلمند کے کنارے کنارے ملک پلالیک کی طرف بڑھ گئے۔ چھ دن کے بعد "
خیں شاہ گل" میں داخل ہوئے اس کا نام شاہ گل ایک بلوچی سردار کے نام پر رکھا گیا ہے
دیکھا تو سوائے دو بڈھے آدمیوں کے بستی میں کوئی بھی نہ تھا۔ ہر طرف ہو کا عالم تھا۔

یہ دونوں بدسے ڈر کے مارے ہماری نگاہ سے بچنا چاہتے تھے۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ گاؤں کیوں ویران پڑا ہے تو انہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور کہا ہمیں کیا معلوم۔ ہم لوگ سوائے اپنے تنگ و تاریک گوشے کے اور کہیں نہیں جاتے۔ لیکن جب ہم نے اُنہیں دھمکی دی تو کہنے لگے کہ قنات کے میر عالم خاں نے اپنے افسر سردار شریف خاں سیستانی کی ماتحتی میں گاؤں والوں پر ڈاکہ ڈالنے کے لئے فوج روانہ کی تھی۔ اسی خوف سے تمام بستی والے اسی جگہ کہیں قرب وجوار میں چھپ گئے ہیں۔ میرے چچا نے اُن سے کہا کہ ہم اُن کی حمایت لیں گے تم لوگ وہ جگہ تبلادو جہاں وہ چھپے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے ہمیں وہاں پہنچادیا۔
شاہ گل ہمیں دیکھ کے باغ باغ ہوگیا اور ہماری امداد سے بے انتہا مسرور ہوا۔ رات کو اس نے ہماری دعوت کی رات کا نصف حصہ گزر چکا تھا کہ اتنے میں اس کے دو سپاہیوں نے آکے ہمیں اطلاع دی کہ سیستانی سوار قریب کی بستی میں آ گئے ہیں کل صبح وہ ہم پر حملہ کرینگے شاہ گل نے کہا میں تو اپنے ساتھیوں کو لیکے کل صبح ایک محفوظ اور مورچہ بند مقام پر پہاڑ کے قریب چلا جاؤں گا تاکہ ہم لوگ اس بلائے ناگہانی سے بچے رہیں۔ میرے چچا نے مجھ سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ میں نے کہا وہ لوگ جہاں چاہیں جائیں لیکن شاہ گل اگر ہمیں کوئی رستہ بتا نے والا دیگا تو ہم سیستانیوں سے جا کے ملیں گے شاہ گل نے رستہ دکھانے والا ہمارے ساتھ کردیا۔ وہ تو پہاڑ کی طرف چلدیا اور ہم لوگ دوسری طرف روانہ ہوئے کچھ عرصہ تک تو ہم گھوڑا بڑھائے ہوئے منزل طے کرتے رہے جب سواروں کے گھوڑوں کی دوڑ دھوپ سے گرد و غبار ہماری طرف بڑھنے لگا اور ہم نے اس گرد میں آدمیوں کو دیکھا تو فوراً جنگ کے لئے ہر طرح سے مستعد ہو کے میں چچا کے سامنے آکے کھڑا ہوگیا اور اپنے سپاہیوں کو فوجی ترتیب میں کھڑا کردیا۔ سیستانی یہ دیکھ کے گھبرائے اور ہمارے مقابلہ میں اُنہوں نے ایک قدم نہیں اُٹھایا اور اب ہمارا حال دریافت کرنے کے لئے وہ آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ ہم نے کہا کہ ہم سب افغان ہیں بلوچی نہیں ہیں۔ یہ سنتے ہی ان کا سردار ہمارے سلام کیلئے حاضر ہوا۔ چچا صاحب کو میں نے بلالیا۔ اب ہم نے سردار سے کہا کہ جو کچھ آپ دیکھتے ہیں یہ شاہ گل کی حمایت میں ہے۔ وہ اور اُس کی رعایا ہمارے زیر حکومت ہیں تم کو ان سے چھیڑ چھاڑ کا

کوئی حق نہیں۔
سیستانیوں کے حاکم نے کہا کہ ہم اس شرط پر اپنے ارادے سے باز آئیں گے کہ شاہ گل ہمیں اس وجہ سے کہ ہم نے اُس کی عزت برقرار رکھی۔ سلام کرے۔ میں نے شاہ گل کے ساتھیوں کو اس شرط پر کاربند ہونے کے لئے مجبور کیا۔ مگر دقت یہ تھی کہ شاہ گل کی بہن اپنے بھائی کو اپنے پاس سے نہیں جدا کرنا چاہتی تھی۔ وہ ڈرتی تھی کہ اُس کے بھائی نے قدم باہر رکھا اور وہ گرفتار ہوا۔ میں نے کہا کہ اگر شاہ گل کو تم لوگ میرے چچا کے ساتھ کر دو گے تو میں خود تمہارے ہاں رہونگا۔ اور گویا میں اس کا ضامن ہوتا ہوں۔ خدا خدا کر کے یہ لوگ اس بات پر راضی ہوئے۔ میں نے بھی اسے غنیمت سمجھا اور چچا سے اسے جلدی واپس بھیجنے کی بہت زور سے درخواست کی۔ میں نے اُن لوگوں سے پانچ روز کا وعدہ کیا تھا۔ یہاں سات دن ہوگئے لیکن شاہ گل کا کوئی پتہ نہیں اب یہ لوگ میرے پاس آئے اور اُنہوں نے میرے وعدہ کو بار بار یاد دلایا اور کہا ہم نے پانچ کی جگہ سات دن گزار دیئے ہمارے سردار کا کچھ پتہ نہیں۔ ضرور ہے وہ قید ہوگیا۔ میں نے ان کو بہت اطمینان دلایا اور کہا یہ بات نہیں ہے۔ ضرور کوئی اور سبب ہے۔ اچھا میں خود جا کے تمہارے سردار کو لاتا ہوں۔ یہ سنتے ہی وہ بہت غضبناک ہوئے اور کہنے لگے کہ جب تک ہمارا حاکم نہیں آئے گا اس وقت تک ہم تم کو نہیں جانے دینگے پھر تو میں چونکا اور اپنے دوسو سواروں کو لڑائی کے لئے تیار کیا۔ تھوڑی دیر میں وہ بھی سب ننگی تلواریں لئے ہوئے ہمارے قریب آن پہنچے۔ میں نے اپنے آدھے سواروں کو بندوق مارنے اور بقیہ نصف کو تلواروں سے حملہ کرنے کا حکم دیا۔ معاملہ کی صورت ہی بالکل بدل گئی۔ نہ تو ان کے وہ جوش رہے اور نہ اُنہوں نے ہماری طرف اپنا ہاتھ اُٹھایا۔ ہماری آمادگی دیکھکر وہ اپنے قلعہ کی طرف بھاگ گئے۔ میں نے دوسو اونٹ لئے اور اُن پر سب سامان لاد کے جس طرف شاہ گل گیا تھا ادھر روانہ ہوگیا۔ یہ لوگ میرے ساتھ ساتھ ہولئے اور مجھسے برابر اپنی قصور کی معافی مانگتے رہے۔ میں اُن کو سیستان لے گیا۔ اور پھر اس وقت اُن کے اونٹ واپس کئے۔ دو دن کی منزل طے کرنیکے بعد ہم لوگ گاؤں میں پہنچے۔ جاتے ہی میں نے اپنے چچا کو پوچھا اور یہ بھی دریافت کیا کہ شاہ گل کا کیا حشر ہوا جب

چچا صاحب سے ملاقات ہوئی تو میں نے شاہ گل کا قصہ پوچھا معلوم ہوا کہ میر عالم خاں کے دو افسر تھے ایک کا نام سردار شریف خان اور دوسرے کا نام موسیٰ یوسف ہزارہ تھا۔ آخر الذکر نے شاہ گل کو قید کر لیا اور میرے چچا کی باتوں کی مطلق پروا نہیں کی۔ میں فوراً اس حاکم کے پاس پہنچا اور بغیر اس کے کہ میں گھوڑے سے اُتر دل میں لئے اس سے ہاتھ ملایا اور پوچھا کہ شاہ گل کہاں ہے وہ خیمہ میں تھا میں نے فوراً آواز دی کہ "شاہ گل باہر آؤ" یہ سنتے ہی وہ باہر آ گیا۔ میں نے اس حاکم سے پوچھا کہ تم نے اسے کیوں زبردستی قید کیا۔ جس کے جواب میں اُس نے یہ کہا کہ میرا ارادہ اُسے اپنے اعلیٰ سردار میر عالم خاں کے پاس لیجانے کا تھا میں نے اس سے کہا تمہیں نہیں معلوم کہ میں بطور ضامن کے تھا اور میں نے تمہارے ساتھ صرف اس لئے بھیجا کہ وہ صحیح سلامت پھر واپس آ جائے تم نے بالکل خلاف کارروائی کی اور یہ شاہ گل تمہاری رعایا نہیں ہے۔ پھر میں نے شاہ گل اور اس کے ایک ملازم کو جو اس کے ساتھ قید ہو گیا تھا اپنے دس آدمیوں کے ساتھ ان کے وطن کو لوٹا دیا۔ شاہ گل کی رعایا اس کی سلامتی سے بہت خوش ہوئی۔

تین دن تو ہم اسی گاؤں میں پڑے رہے اب ہم سیستانیوں کے ساتھ اُن کے ملک کی طرف روانہ ہوئے۔ دوسرے دن ہمارا قافلہ دریائے ہلمند کے کنارے ٹھیرا۔ یہاں ایک قندہاری جرگے سے ملاقات ہوئی جن کے صرف پندرہ گھر تھے۔ ان بیچاروں پر بھی سواروں نے جن کا سردار ہزارہ سے تعلق تھا آفت ڈھا رکھی تھی۔ اور یہ وہی لوگ تھے جو ملک پلا ایک کے جرگوں پر حملہ آور ہوئے تھے۔ جس طرح ہو سکا ان بیچاروں نے اپنے مکانوں کو خوب مضبوط کیا اور ہر طرف سے اُنہیں محفوظ بنا لیا۔ پچاس ہزارہ سواروں کو جان سے مار ڈالا اور ستّو کو زخمی کیا۔ تھوڑی دیر میں دو تین کوس کے اندر جتنی بستیاں تھیں سب ایک رائے ہو گئیں اور اُنہوں نے اپنی مشتملہ قوت سے ان سواروں کو روکنا چاہا۔ جب معاملہ کی یہ صورت ہو چکی تھی اس وقت ہماری فوج گاؤں میں داخل ہوئی۔ میں نے نہایت آمادگی سے اپنے سپاہیوں کو ان ہزارہ سواروں پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور صرف یہی نہیں بلکہ میں نے ان بیچاروں کو ہر طرح کا اطمینان دلایا اور کہا کہ میں تمہارے دشمنوں سے تمہاری آیندہ سلامتی کی بابت

بھی فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں اُنکے قلعہ کیطرف پیدل روانہ ہوا۔ قلعہ خوب مضبوط بنا ہوا تھا اور فوجوں سے مسلح ہو رہا تھا۔ میرے ساتھ نہ تو کوئی سیڑھی اور نہ کوئی توپ تھی جس سے اندر جانے کا راستہ نکالا جاتا۔ بہرحال میں نے اپنے ایک ملازم کو صلح کی بات چیت کرنے کے لئے بھیجا جب میرا ملازم قلعہ کے اندر داخل ہو گیا تو اُس نے اُن سے کہا کہ تم پر تمام مصیبتیں صرف ایک ہزاری سردار کی شرارت سے آئیں۔ اس کو میرے آقا عبدالرحمن خاں نے اچھی طرح سزا دے دی ہے اور اُسے ٹھکانے پر پہنچا دیا ہے۔ اب تم لوگ بغیر کھٹکے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلو۔

جب ان مصیبت زدوں کو ساری کیفیت معلوم ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے اور مجھے سلام کرنے کے واسطے باہر نکل آئے۔ جب وہ میرے سامنے آئے تو میں ان سے بہت اچھی طرح پیش آیا اور اطمینان دیا۔ کہ وہ لوگ میرے بھائی ہیں کیونکہ وہ بھی افغانی ہیں اور میں بھی افغانی ہوں۔ اتنی باتیں سُننے سے ان کے اوسان درست ہو گئے اور ہمارے ساتھ اپنے اپنے گاؤں کو واپس آئے۔ اس سفر میں دو دن دو رات صرف ہوئے۔ یہ لوگ اپنے گاؤں سے جب ہم اُن کے ہاں ٹھیرے تو ہر طرح کا کھانے پینے کا سامان لاتے رہے لیکن سیستانیوں کو نہیں دیتے تھے اور مجبوراً ہم اپنے پاس سے کھلاتے رہے۔ بالآخر ہمارا قافلہ بجر پہنچا۔ یہاں سے اب یہ لوگ واپس ہو گئے۔ اور سیستانیوں میں سے وہ لوگ جو ضرورتاً سپاہ کا کام دیرہے تھے اپنے مکانوں کو لوٹ گئے۔ جو فوجی سپاہی تھے وہ اپنے سردار میر عالم کو ہمارے استقبال کی غرض سے بلانے گئے۔ جب سب سپاہی اس طرح ہم سے علیحدہ ہو گئے تو سردار شریف خاں نے اپنے قصبہ شریف آباد میں دو دن تک خوب ہماری دعوت کی۔

تیسرے دن میر عالم کے قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔ میر عالم ہمیں دیکھتے ہی فوراً باہر نکل آیا اور ہمارے استقبال کے لئے جلدی سے تیار ہو گیا۔ جب ہم قریب پہنچے تو مجھ سے اور میرے چچا سے وہ بغلگیر ہوا۔ اس کے بعد اس کے نئے قلعہ میں پہنچے۔ میر عالم نے تو ہمارے لئے بڑی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ اپنے قلعہ کے چاروں طرف ہمارے سواروں کے لئے سینکڑوں نئے خیمے کھڑے کر رکھے تھے۔ دو بڑے خیمے میرے اور میرے چچا کے لئے نصب کرائے تھے

ہماری مہمان نوازی اور خاطر مدارات کے لئے ایک ہوشیار آدمی کو ہماری خدمت میں رکھا ان لوگوں کے ہاں ہم بارہ دن تک مہمان رہے۔
پھر ہم قلاب سیستان روانہ ہوئے۔ جب ہم وہاں سے چلنے لگے تو میر عالم نے کل خیمے اور سامان کو ہمیں نذرانہ میں پیش کیا۔ اس نے نہایت عاجزی اور انکساری سے کہا کہ آپ لوگ ہمارے ہمسایہ ہیں۔ ہمیں آپ کی ہر طرح خاطر کرنی چاہیئے۔ ہم نے اس کی مہمان نوازی کا بہت اچھی طرح شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اس کی کیا ضرورت ہے۔ محض اس کے اصرار سے دو یا تین خیمے اپنے ساتھ لے لئے۔ اس نے اس کے علاوہ ایرانی سکّے کے دس ہزار روپے بھی بیر جند کی رستہ کے خرچ کے لئے دیئے۔ میں نے یہ کل روپے چچا کی خدمت میں اس غرض سے کہ ان کا خرچ میرے ذمہ نہیں تھا پیش کر دیئے۔ اب اسوقت بھی میرے پاس دو اشرفیاں جو عبدالرحیم خزانچی نے لا کے مجھے دی تھیں موجود تھیں۔ قلاب سیستان سے جسے وہاں کے لوگ ہاموں کہتے ہیں بندان پہنچے۔ یہاں سے نہہ کے رستہ سے صحرا لوت اور پھر بیر جند میں جا پہنچے۔ بیر جند میں میر عالم کے دو لڑکے رہتے تھے وہ لوگ بڑی خاطر سے پیش آئے۔ لڑکوں کی ماں نے خوب مہمان نوازی کی اور جب تک ہم رہے ہماری خوب خاطر مدارات ہوئی۔ پانچویں محرم کو ہم بیر جند میں پہنچے تھے۔ سات روز وہاں ٹھہرنے کے بعد بارہ ۱۲ کو مشہد کا رستہ لیا۔ یہاں آٹھویں امام حضرت امام رضا کا مزار شریف ہے۔ جب شہر سبزواریاں میں قدم رکھا تو اگلی عمارتوں کے آثار بہت دور تک نظر آئے۔ ہمارا دوسرا پڑاؤ ایک غلیظ جگہ نیسی میں ہوا۔ پانی بالکل کھاری اور کڑوا تھا۔ یہاں والے بڑے بڑے حوضوں میں برساتی پانی کو رکھ چھوڑتے تھے اور اسی کو پیتے تھے۔ شہر والوں نے دو بڑے کنوئیں بھی تیار کرائے تھے۔ کھانا پکانے میں تو ان کا پانی کام دیتا تھا لیکن پینے کے قابل نہ تھا۔ کچھ عجیب اتفاق ہوا کہ جب ہم اس شہر میں پہنچے تو میرے چچا کو بخار آنے لگا۔ جب تک ان کو کامل صحت نہیں ہوئی ہم وہیں پڑے رہے۔
ایک مہینہ تک رہنا ہوا۔ اس عرصہ میں جو کچھ میرے پاس تھا وہ اب قریب قریب ختم ہو چکا تھا میں نے چچا سے کہا کہ آپ ابھی بہت کمزور ہیں۔ آپ سفر نہیں کر سکتے۔ مجھے تو یہ مناسب

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے لئے ایک ہوادار تیار کراؤں۔ اس میں آپ بیٹھیں چچا نے کہا بھلا ہوادار یہاں کیسے تیار ہو سکتا ہے۔ بالکل غیر ممکن ہے۔ یہاں لکڑی کا نام نہیں۔ میں چپکا سنکے چلا آیا اور جس جگہ یہاں کے لوگ نماز پڑھتے تھے اسی عمارت میں سے لکڑی کے چار ٹکڑے کاٹے۔ جب وہاں والوں نے اعتراض کیا تو میں نے کہا کہ ہم سب پردیسی مسافر ہیں۔ ہم مرض کی مصیبت میں مبتلا ہو رہے ہیں۔ میں خدا کا مال اچھی طرح صرف کرنا چاہتا ہوں یعنی اس کے مصیبت زدہ بندوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں میری باتیں وہ سنکر خاموش ہو گئے اور ان کا اطمینان ہو گیا۔ شام تک ہوادار تیار کرا لیا اور ہم لوگ مقام تربت عیسے خاں میں پہنچے یہاں سے قادر شاہزادہ جو بہت صاف جگہ تھی وہاں مقیم ہوئے۔ یہاں کے شاہزادہ نے اپنے لئے بہت اچھا مکان بنوایا تھا۔ میں نے چچا کے لئے اس مکان کو تجویز کیا۔ انکو وہیں ٹھیرایا۔ اور میں خود اُن کا کھانا پکاتا اور ان کی تیمارداری کرتا رہا۔ خدا کے فضل سے ہمارے ساتھ کچھ آدمی بھی کم نہیں تھے۔ علاوہ اس کے چچا کا لڑکا سردار سرور خاں بھی تھا۔ لیکن سب سے زیادہ باوجودیکہ میرے چچا مجھسے محبت نہیں کرتے تھے میں اُن کی خدمت کرتا تھا اور مجھے اُن کے ساتھ زیادہ محبت تھی اس عرصہ میں سرور خاں صرف دو مرتبہ اپنے باپ کی مزاج پرسی کرنے کے لئے آیا اور باقی وہ اپنے رنج کے کام میں ہمیشہ لگا رہا۔ ایک دن میرے چچا کے پاس کسی نے زرد آلو بھیج دیئے۔ میں نے اُن سے کہا ابھی دو یا تین دن گزرے ہیں کہ بخار خدا خدا کر کے گیا ہے اب آپ یہ کھانے بیٹھے ہیں۔ آپ ان کو نہ کھائیے۔ مجھے دیکھئے کہ میں رات دن آپ کی خدمت کرتا رہا۔ رات کو سویا نہیں۔ ادھر اب جا کے اتنی فرصت ہوئی کہ میں نے تھوڑی دیر آرام کیا ہے۔ اس مرتبہ اگر آپ بیمار ہو جائیں گے تو پھر میری جان پر مصیبت آئے گی۔ اور مجھے آپ کی تیمارداری کرنی پڑے گی۔ میری کچھہ نہ سُنی اور ساری رکابی صاف کر گئے۔ یہ بات مجھے سخت ناگوار گزری اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ میری ساری عمر کی کمائی چچا کی خاطر برباد ہو گئی اور اب یہ نوبت ہو گئی کہ مجھے اُن کے آرام کے لئے اپنے ہتھیار فروخت کرنے پڑتے ہیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں تربت عیسے خاں جانا چاہتا ہوں جب مجھے اجازت مل گئی تو میں رات ہی رات وہاں جا پہنچا۔ دھوپ کی سختی اور روپیہ پیسہ کی کمی

سے میں اپنے گھوڑوں اور آدمیوں کو ساتھ نہیں لایا۔ تن تنہا چلدیا۔ یہاں کوئی رئیس کا لڑکا رہتا تھا وہ طہران گیا ہوا تھا۔ میں اس کے مکان میں ٹھیرا رہا اور اپنے چچا کے لئے دوسرا مکان درست کیا یہاں مجھ سے ایک ہراتی سوداگر قاضی حسن علیخاں نامی سے جان پہچان ہوگئی جو یہاں مدتوں سے رہتے تھے۔ اس بھلے آدمی نے مجھسے کہا " جتنا روپیہ تمہیں چاہئے میں دوں۔ میرے پاس میرا ذاتی ایک لاکھ کابلی روپیہ ہے۔ اور دو تین لاکھ ایرانی سکّے کے ہیں جو تجارت کی غرض سے لوگوں نے مجھے دے رکھے ہیں " اس کے جواب میں میں نے کہا " میں آپ کی اس عنایت کا ممنون ہوں۔ چونکہ میں روپیہ واپس نہیں کرسکتا اسلئے میں نہیں لینا چاہتا۔ ہاں نہایت شکریہ کے ساتھ جب تک یہاں رہنا ہو میں اور میرے آدمی آپکے ہاں کا کھانا قبول کرسکتے ہیں " ان لفظوں سے میں نے اسکی مالی امداد کو نامنظور کیا۔

چھٹے دن کے بعد میرے چچا صاحب معہ اپنے تمام آدمیوں کے یہاں پہنچ گئے اور قاضی صاحب نے ان کا بھی خرچ اپنے ذمہ لیا۔

ہمارے آدمیوں کے کپڑے بالکل پھٹ گئے اور ہمارے گھوڑوں کے زین پرانے ہو گئے تھے۔ قاضی صاحب نے چاہا کہ میں اپنے خرچ سے بنوادوں میرے چچا نے اپنے آدمیوں کے لئے تو قاضی صاحب کی امداد منظور کرلی لیکن میں نے اپنے سواروں کیلئے یہ بات نہیں منظور کی۔ حقیقت میں اس آدمی نے ہمارے ساتھ بڑے سلوک کئے۔ اور تمام عمر میں اس کے احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔ ایک معمولی حیثیت کے آدمی کے لئے اتنے آدمیوں کا خرچ اٹھانا کچھ کم نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑا دل چاہیئے۔ میرے چچا نے کھانے پینے میں بےاحتیاطی کی اور بیمار ہوگئے دس دن دس رات پھر مجھے تیمار داری کرنی پڑی۔ کچھ دن کے بعد مشہد کے سردار کو ہمارے آنیکا حال معلوم ہوا۔ اور شاہ کے اشارہ سے مشہد کا گورنر معہ ایک ہوادار اور ۴ خچروں کے میرے چچا کے پاس حاضر ہوا۔ اس نے اپنے خط میں میرے چچا کو لکھا کہ آپ کی بیماری کا حال سنکر میں ہوادار بھیجتا ہوں تاکہ آپ مشہد تشریف لائیں۔ میں نے اس بات کو منظور کیا اور ایک مہینہ کے بعد ہم سب مشہد روانہ ہوگئے۔ اب تک قاضی صاحب کے ۰۰۰۰ ۷ قرن (ایرانی سکّے کے حساب سے فی قرن چھ پنس کے برابر)

ہمارے ذمہ ہو چکے تھے۔ساٹھ ہزار تو میرے چچا نے قرض لئے اور دس ہزار میں نے لئے۔اس ہمدرد آدمی نے تربت عیسے سے پانچ دن کے راستہ پر (ایک پہاڑی سلام تادی ہے) ہمیں پہنچایا۔یہاں پر پہنچ کے ہم لوگ کہنے لگے کہ ہم آٹھویں امام کا مبارک مقبرہ دیکھ سکتے ہیں مقدس مقبرہ کے کنگرے مجھے نظر آنے لگے اور مجھے معلوم ہونے لگا کہ وہاں خدا کا نور برس رہا ہے۔اس مقدس مقبرہ کی عظمت و برکت دیکھکر مجھے بہت خوشی ہوئی اور اس سرور میں چند قرآنی آیتیں پڑھکر دعا کے لئے میں نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے اس جگہ سے آگے بڑھ کے ہمیں چند عربی گھوڑے دکھائی دیئے۔جن کے زین بہت خوبصورت تھے اور انپر ہیرے لگے ہوئے تھے۔یہ گھوڑے دو گاڑیونکو کھینچ رہے تھے۔ان گاڑیوں کے پیچھے ہزار سوار تھے جو مقبرہ شریف کے ملازم تھے۔دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ سب چیزیں شاہ کے چچازاد بھائی کی ہیں یہ مرحلے طے کرنے کے بعد بڑی شان کے ساتھ ہمیں شاہ کے محل میں لیگئے اور ہم سے وہیں ٹھیرنے کی درخواست کی گئی۔تین روز تک درگاہ کے یعنی امام صاحب کے ہم مہمان رہے اس کے بعد شاہ کے مہمان ہوئے۔

شاہ کا چچازاد بھائی ترکمانوں کے مقابلہ کے لئے گیا ہوا تھا۔وہ دس روز تک غیر حاضر رہا۔دس روز کے بعد وہ اس مہم سے واپس آیا۔اس نے میرے چچا۔ان کے لڑکے سرور۔میری اور ہمارے چند افسرونکی دعوت کی اور دعوت کے وقت دوستانہ برتاؤ کا اظہار کیا۔

دوسرے دن حمزہ میرزا شاہ کا چچا آیا اور اس نے ہم سے ملاقات کی۔اس کی ملاقات کے بعد میں مزار شریف زیارت کرنے کے لئے حاضر ہوا۔شاہ کے وزیر نے جو مزار شریف کی جاروب کشی کرتا ہے مجھے بلایا۔میں نے خوشی سے اس کی درخواست کو قبول کر لیا۔مشہد کے پندرہ دن کے قیام میں مجھے بھی خفیف سا بخار آگیا تھا۔خدا کا شکر میں جلدی اچھا ہو گیا۔

شاہ کے چچا سے جب میں دوسری مرتبہ ملا تو میں نے درۂ غزبہ تجان اور درۂ اُوزگنج کے رستہ ترکستان جانے کی اجازت چاہی اور اس بات کی بھی درخواست کی کہ میرے ساتھ ایک آدمی کیا جائے اور وہ مجھے مقام ڈراگز تک پہنچا دے جو ایران کی سرحد پر ہے اور جہاں علی یار خاں حاکم ہے۔شاہ کے چچا نے کہا قبل اس کے کہ میں کوئی جواب دوں مجھے یہ مناسب معلوم

ہوتا ہے کہ شاہ کو بھی اس کی اطلاع کر دی جائے اور ان کو فوراً ہی تار دیا جائیگا۔
دو دن کے بعد مقام شاہزادہ کا حاکم میرے پاس آیا۔ حقہ اور چاء پینے کے بعد اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے ریاست کے میر منشی کو تار دیا اور اس سے اس معاملہ میں شاہ کی راے پوچھ لی ہے اور شاہ نے فرمایا ہے کہ اس قسم کی درخواست کی منظوری سے پہلے میں ان سے طہران میں ملنا چاہتا ہوں۔ اگر مجھ سے ملنے کے بعد بھی ان کی یہی خواہش رہے گی تو ان کو اجازت دیدونگا جب میں نے یہ سنا تو جواب دیا کہ فی الحال شاہ کی خدمت میں نہیں حاضر ہونگا۔ ہاں اگر افغانستان پر تسلط کرنے میں میری اور کوئی مدد نہیں کرے گا تو پھر میں شاہ موصوف کو تکلیف دوں گا۔ میں نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ ایک ایسے جلیل القدر شاہ سے پہلے تو امداد کی درخواست کی جائے اور پھر اس کو چھوڑ کے کسی اور ملک سے حمایت کی امید کیجائے کیونکہ غیر آدمی یہ سمجھیں گے کہ شاہ نے شاید ساتھ دینے سے قطعی انکار کر دیا اور یہہ بات ان کی شان کے خلاف سمجھی جائے گی۔ شاہ کے ملازم نے مجھے دو دن کی مہلت دی کہ میں ایک انقطاعی فیصلہ کرلوں۔ اس مہلت کے بعد ہی مجھے اطلاع دیگئی کہ اگر تم سے ہو سکے تو شاہ سے مل لو اور نہایں تو تم ترکستان جانیکے لئے آزاد ہو۔ مجھے اس بات کا بھی یقین دلایا گیا کہ شاہ مجھے اپنا لڑکا سمجھتے ہیں اور مجھے چاہیئے کہ میں ایران کو خاص اپنا گھر سمجھوں۔
جو مہربانیاں میرے ساتھ کی گئیں میں نے انکا تہ دل سے شکریہ ادا کیا اور مقام شاہزادہ کے حاکم سے شاہ کی آیندہ نظر عنایت کی اُمید ظاہر کی۔ اس شخص نے اپنے شہر سے میرے ساتھ ایک سردار اور دس سوار کئے۔ اور علی یار خاں کے نام کا مجھے ایک خط بھی لکھ دیا اب میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چھہ دن کی منزل طے کرنے کے بعد علی یار خاں کے پاس پہنچا۔ وہ ہمارے استقبال کے لئے ایک ہزار سواروں کے ساتھ باہر آیا۔
اس نے شہر دارا گز کے باہر ایک باغ میرے ٹھیرنیکے لئے تجویز کیا۔ یہ جگہ بہت خوشگوار اور اسکی آب وہوا نہایت اچھی تھی۔ اس نے میرا استقبال ایسی کشادہ پیشانی سے کیا جیسے کہ یہ کوئی میرا پُرانا دوست ہے۔ اور مجھے ایک مہینہ تک اپنے ہاں ٹھیرایا اس نے کہا کہ یہ ترکمان لٹیرے ہیں اس لئے اس نے میرے جان و مال کی حفاظت کے لئے ان ترکمانوں سے

ضمانت طلب کی۔
ان ہی دنوں میں چند ترکمانی سوداگر ایک ہزار اونٹ لیکے جن پر تجارت کا مال لدا ہوا تھا۔
شہر دار اگز میں تجارت کرنے کے لئے آئے۔ اس موقع کو غنیمت سمجھکر علی یار خاں نے امانتاً
ان آدمیوں کو رکھ لیا اور ان کا سارا مال ضمانت میں ضبط ہوگیا۔ میں تجان کے تین سرداروں
کے ساتھ اب روانہ ہوا۔ ایک کا نام اوزبک۔ دوسرے کا نام عزیز۔ تیسرے کا نام اوزترک
تھا۔ یہ لوگ اوز گنج تک مجھے رستہ دکھانے کے لئے ساتھ گئے تھے۔ خان اور اسکے ۱۵۰۰
سوار بھی عشق آباد تک میرے ہمرکاب ہوئے۔ وہاں کے کھیت دور تک کھڑے ہوئے
اور ہوا کے جھونکوں سے لہرا رہے تھے۔ جس طرف نظر اٹھتی تھی اسی طرف قدرت کا دلکش
منظر ہماری تفریح کے لئے کافی تھا۔ چونکہ ان کھیتوں میں شکار کی افراط تھی اس لئے طبیعت
خوش کرنے کے لئے دو تین گھنٹے روز گھوڑے دوڑانے اور شکار کھیلنے میں ہم صرف کرتے
تھے۔ ہمارے پاس گھوڑے بھی مضبوط تھے اور بندوقیں بھی کثرت سے تھیں۔ رستہ
بھر یہی کیفیت رہی۔ جب عشق آباد سے ہم آگے بڑھے تو خان مجھسے رخصت ہوا اور اپنے
چند سوار میرے ساتھ چھوڑ دیئے تاکہ یہ لوگ لوٹتے وقت میری منزل مقصود پر پہنچنے
کی خیریت اس سے جا کے کہیں۔
ہم اسی طرح آگے قدم بڑھاتے ہوئے چلے گئے اور ساری رات اپنی منزل طے کرنے میں
گھوڑے پر سوار رہے۔ جب صبح صادق کے نور نے ہمارے دلوں میں سرور پیدا کیا اور ٹھنڈی
ٹھنڈی ہوا نے ہماری مخمور آنکھوں کو کھولا تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہم ایک مرغزار میں اپنے
گھوڑوں کو آگے بڑھا رہے ہیں اور اس سرسبز وادی کے چاروں طرف ہیرات کے صاف اور
شفاف چشمے بھر رہے ہیں۔
ان چشموں کے کنارے دور تک خربوزوں اور تربوز کی فالیز لگی ہوئی تھی اور دور تک پانی
میں کنول کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ یہاں کے رہنے والوں کا قاعدہ ہے کہ جب
خربوزے پک کے میٹھے ہوجاتے ہیں تو یہ لوگ ان کھیتوں میں آکے ٹھیر جاتے ہیں اور
اس فصل میں سوائے طرح طرح کے میٹھے خربوزے اور کچریوں کے کچھ نہیں کھاتے اور

کوئی گھاس تو ملتی نہیں اس لیئے آجکل ان کے گھوڑے سبز جھاڑیوں کی پتیاں کھا کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔

اس کے دوسرے دن ہم سب تجان پہنچے۔ اور ان خانہ بدوشوں میں ہم لوگ پانچ دن ٹھیرے رہے کیونکہ خورونوش کا سامان خریدنا تھا۔ علاوہ اس کے رستہ کی تکان سے میرا جسم چور چور ہو رہا تھا اور دوسرے ایک گھوڑے نے میرے پیر میں لات ماردی تھی۔ اس لئے میں آرام لینا چاہتا تھا۔

چھہ دن کے بعد ہم اُدر گنج کی طرف روانہ ہوئے۔ ان تینوں سرداروں میں سے جو میرے ساتھ تھے ایک اپنے وطن کو چلا گیا اور باقی دو آوزبک اور عزیز میرے ساتھ ہو لئے۔ ہم رات بھر چلے اور صبح کے دس بجے ایک کنوئیں پر پہنچے جس کا پانی بالکل کھاری تھا۔ آدھے دن سے پیکے ساری رات سفر کرتے اور صبح کے وقت تھوڑی دیر گھوڑوں کو دانہ کھلانیکے لئے ٹھیر جاتے اور اسی طرح برابر دو دن تک سفر کرتے رہے۔ چوتھے دن رات کے دس بجے کے قریب ہم لوگ ایک دوسرے کوئیں پر پہنچے جس کا پانی پہلے کوئیں سے بھی زیادہ کھاری اور غلیظ تھا۔ لیکن کیا کرتے مجبوری تھی اخیر پینا ہی پڑا۔ ہمارے گھوڑے بھی آگے نہیں بڑھ سکتے تھے جنہیں آرام دینے کے واسطے ہم یہاں چھہ دن پڑے رہے۔ اس کے بعد ہم پھر اپنی منزل پر ہو لئے۔ رات بھر چلتے اور دن کے وقت گرمی میں آرام کرتے۔ یہاں تک کہ ہم ایک ترکمانی قافلہ سے ملے۔ ان لوگوں نے ہمیں ایرانی سمجھا اور ڈرے کہ شاید یہ ہم پر چھاپا ماریں اس لئے وہ جلدی سے چھپ گئے۔

اس موقع پر میں یہ ضرور کہوں گا کہ ایرانی اور ترکمانی ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہیں۔ ان کے مُلّانوں نے یہ ہدایت کی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے قتل اور قید کی فکر میں رہا کریں۔ حالانکہ یہ دونوں مسلمان ہیں لیکن ان کے مُلّا نے شیطان کی اولاد ہیں وہ انہیں ایک دوسرے کا دشمن بناتے ہیں۔ یہ بڑے شرم اور افسوس کی بات ہے۔ خدا فرماتا ہے کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے جزوِ بدن ہیں۔ وہ بھائی بھائی ہیں۔ اگرچہ یہ دونوں اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن ان کا برتاؤ کافروں سے بھی بدتر ہے۔ اور یہ سخت جہالت ہے

یہی وجہ ہے کہ کافر اور بیدین دینداروں اور ایمان والوں پر ہنستے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ یہ لوگ آپس میں لڑے مرتے ہیں۔ خود اسلام میں کوئی نقص نہیں ہے یہ تو ہم کمبخت ہیں کہ دنیا بھر کے عیب ہم میں موجود ہیں اور اسلام کے بد نام کرنے والے ہم ہی ہیں چند بچھڑے اور رستہ بھولے ہوئے ترکمانوں سے ہم نے پوچھا کہ ادھر کوئی کنواں بھی قریب ہے۔ اُنہوں نے کہا اگر اسی رفتار سے چلے جاؤ گے تو پو پھٹنے سے پہلے تم ایک کنوئیں پر پہنچ جاؤ گے۔ ہم اپنی منزل برابر اسی طرح طے کرتے رہے۔ آفتاب کی صورت دکھائی دی۔ گرمی کا زور ہوا۔ آفتاب کی حرارت سے ہماری زبان سوکھ کے کانٹا ہو گئی۔ گھوڑوں نے بھی پیاس کے مارے اپنی زبانیں نکال دیں۔ مگر تعجب ہوا کہ ابھی تک کسی کنوئیں یا چشمے کا پتہ نہیں۔ دو تین گھوڑوں کی زبانیں بھی میں نے کاٹیں لیکن خون کا نام نہیں۔ مجبوراً ایک نیبو تراش کے اس کے دو تین قطرے اپنے حلق میں ٹپکائے۔ اور اپنی زبان اپنے گھوڑے کی زبان پر رکھ دی لیکن پھر بھی کسی طرح کی نمی محسوس نہ ہوئی۔ اس وقت مجھے خیال آیا کہ جب انسان کو پانی نہیں ملتا ہے تو وہ آگ کی طرح گرم ہو جاتا ہے اور دوزخ کی آگ خود انسان کے جسم میں موجود ہے۔

ہم گرتے پڑتے اسی مصیبت سے شام تک رستہ چلتے رہے اور ایک چشمہ پر پہنچے۔ لیکن میرے ساتھ والوں میں سے صرف چار میرا ساتھ دے سکے اور باقی اس تکلیف کو برداشت نکر سکے۔ زمین پر بیہوش گر پڑے اور پیچھے رہ گئے۔ تھوڑا پانی پینے کے بعد میرے حواس درست ہوئے۔ مجھے اپنے بچھڑے ہوئے ساتھیوں کا خیال آیا اور میں اُن کی مصیبت پر رونے لگا۔ میں نے ایک گھوڑے کو دیکھا کہ ابھی اس میں کچھ دم باقی ہے پانی کی دو مشکیں اُس پر رکھ کے اپنے ایک سوار کو پھر اسی رستہ پر بھیجا اور کہا کہ ہمارے باقی ساتھیوں کو ڈھونڈھ کے لاؤ۔ میں نے اُس آدمی کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ گھوڑوں کے قدم کے نشان سے علیحدہ ہو کے نہ چلے ورنہ رستہ بھول جائے گا۔ اسے ایک قطب نما بھی دیدیا تھا جس سے وہ سمت معلوم کر سکے۔ اس آدمی کی میرے سب ساتھیوں سے ملاقات ہوئی جو پیاس کی شدت سے اپنے گھوڑوں پر سے گر پڑے تھے اور بالکل بے بسی کے

عالم میں تھے۔ اس نے سب کے حلق میں تھوڑا سا پانی ٹپکایا۔ جب ان کے ہوش و حواس درست ہوئے تو تھوڑی دیر میں سب کو میرے پاس لایا۔

اس چشمہ کے کنارے ہمارا قیام سات روز تک رہا۔ ترکمانوں کا وہی قافلہ جو ہمیں وہاں ملا تھا یہاں پہنچا۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ ہم کون ہیں تو دو چار ترکمان ہمارے پاس معافی مانگنے کے لئے آئے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے ایرانی سمجھ کے آپ لوگوں کو قصداً یہ راستہ بتلایا تھا کہ بھوک اور پیاس سے تڑپ تڑپ کے مر جائیں۔ میرے پاس خورد و نوش کا سامان ختم ہو چکا تھا ان لوگوں نے اپنے پاس سے چار دن کی خوراک کا سامان ہمیں دیا۔ اور تین دن کا سامان میں نے اُن سے قیمتاً خریدا۔ اس جگہ سے مقام خیوا پانچ دن کی منزل پر رہ گیا تھا۔

اب ہم اسی سمت کو روانہ ہوئے۔ جب ہم کسی شہر میں پہنچتے تو میں شہر کے باہر ٹھیر جاتا تھا۔ ساتھیوں کو کھانے پینے کا سامان لینے کے واسطے بازار میں بھیجدیتا۔ جب خیوا کی دیواروں کے نیچے پہنچے تو میں شہر کے باہر ٹھیر گیا۔ میں نے اپنے آدمیوں کو بازار میں بھیجا۔ خیوا کے خان نے میرے ملازموں سے پوچھا کہ تم لوگ یہ سب سامان کس کے واسطے لیجا رہے ہو انہوں نے کہا کہ ہم اپنے سردار عبدالرحمٰن کے لئے لیجا رہے ہیں جو امیر افضل مرحوم کے بیٹے ہیں اور دوست محمد کے پوتے ہیں۔ خان نے اپنے ایک وزیر کو میرے پاس بھیجا اس نے کہا ہم لوگ اسے غیر مناسب سمجھتے ہیں کہ آپ ایک ایسی خراب جگہ رات بسر کریں۔ اس شخص نے شہر میں چلنے کے واسطے اصرار کیا۔ جہاں اس نے بہت کچھ اہتمام کر رکھا تھا اور بڑی دھوم سے ہمارا استقبال کیا۔

دو روز کی ضیافت کے بعد اور گنج اور خیوا کے خان نے میرے پاس اپنا ایک وزیر بھیجا۔ اور مجھ سے ملنے کی درخواست کی۔ میں نے وزیر سے کہا کہ میں مسافرانہ حیثیت میں ہوں مجھے خیوا میں کوئی کام نہیں ہے۔ یہ نہایت موزوں ہوگا کہ میں خود حاضر ہوں۔ اس وجہ سے میں محل کی طرف روانہ ہوا۔ جب وہاں پہنچا تو ساتھ توپیں اور اُن کے چھکڑے دیکھ کے حیران ہو گیا۔ سب توپچی حبشی تھے۔ اس سے پہلے میں نے اتنی توپیں ایک جگہ نہیں دیکھی تھیں حبشیوں نے پچاس توپوں سے سلامی دی۔ اور خان میری پیشوائی کے لئے آگے بڑھا۔ میں گھوڑے

سے اتر پڑا۔ میں نے مصافحہ کیا۔ اور ہاتھ میں ہاتھ دیکے خان مجھے دربار عام میں لے گیا۔ اس وقت مجھے ترکی زبان نہیں آتی تھی۔ اس وجہ سے اس نے ہماری باہمی گفتگو کے سمجھنے کے لیئے ایک ترجمان مقرر کیا۔ خان سے برابر دو گھنٹے تک بات چیت ہوتی رہی۔ سلسلہ گفتگو میں اُس نے مجھے اپنا بڑا بھائی کہا اور یہ ظاہر کیا کہ جب اس کا باپ محمد امین بلخ میں مقیم تھا تو وہ میرے والد کا سچا دوست تھا۔ اس لیئے وہ میرا اور بھی مشکور ہوا اور اسے ہماری ملاقات سے بے انتہا خوشی ہوئی اس نے اپنی ملکیت میں سے دو شہر میری نذر کر نے چاہے۔ اور جب کبھی میں بلخ آؤں تو میرا ساتھ دینے کیلئے اس نے ایک لاکھ پیدل اور ایک لاکھ سوار کا بھی وعدہ کیا تاکہ دوستانہ تعلقات مضبوط رہیں۔

میں نے خان کی اس غیر معمولی مہربانی کا خاص طور سے شکریہ ادا کیا۔ میں نے کہا کہ میں تین چار روز میں آپ کی ان باتوں کا جواب دوں گا علاوہ اس کے دوستانہ طریقہ سے آپ کو کچھ مشورہ بھی دینا چاہتا ہوں۔ جو ممکن ہے آپ کے حق میں بہت مفید ثابت ہو۔ پھر میں یہاں سے رخصت ہوا۔ خان کا ملازم جو میری خدمت میں حاضر باش رہتا تھا۔ اس نے کہا کہ میرے آقا نے آپ کے واسطے خاص اپنی آرام گاہ کو تجویز کیا ہے۔ آپ کے ملازم وہاں باغ میں موجود ہیں شہر سے کوئی دو سو قدم کے فاصلے پر یہ مکان اور باغ واقع تھا اور اس میں بڑی خوبصورت عمارتیں تھیں۔

دو گھنٹے کے بعد خان کا خزانچی آیا اس نے عرض کیا کہ مجھے شاہ نے ہدایت کی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ آپ کو جتنے روپے کی ضرورت ہو میں اس کا بندوبست کروں اور دو لاکھ تک کا آپ کے لیۓ فوراً انتظام ہو سکتا ہے۔ روپے کے معاملہ میں بھی وزیر نے بہت اصرار کیا جس کے جواب میں میں نے کہا، خان نہایت نیک اور شریف آدمی ہیں خدا اُنکو ہمیشہ سرسبز رکھے۔ انھوں نے مجھ پر جو مہربانیاں فرمائی ہیں۔ میں ان کے شکریہ ادا کرنے کے واسطے کہاں سے الفاظ لاؤں گا

دوسرے دن خزانچی میرے پاس ایک ہزار اشرفیاں لیکے حاضر ہوا۔ کہنے لگا خان نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں روز آپ کی خدمت میں اس تحفہ کے ساتھ حاضر ہوں۔ اخیر میں نے

انہوں نے قبول کر لیا اور اس سے کہدیا کہ وہ اس رقم کو میرے خزانچی کو دیدے ۔ اسی طرح وہ اتنی ہی رقم لیکے برابر حاضر ہوتا رہا حالانکہ میں کہہ چکا تھا کہ میرا خرچ تیس ۳۰ قیران روز کا ہے ۔
پانچ دن کے بعد وزیر میرے پاس یہ دریافت کرنے آیا کہ تم نے خان کی باتوں کا کیا جواب سوچا ہے اور تم ان کو کس قسم کا دوستانہ مشورہ دینا چاہتے ہو ۔ میں نے کہا کہ اگر شاہ کے افسر اس کو منظور کریں کہ میں شاہ کی طرف سے بطور ایک سفارت کے سلطنت روس کی خدمت میں حاضر ہوں اور وہاں شاہ کے تعلقات اور حقوق کا روسیوں سے انقطاعی فیصلہ کر لوں تو بہتر ہے ۔ کیونکہ مجھے یہ بات کھٹک رہی ہے اور ممکن ہے کہ ایک نہ ایک دن روسی اورگنج پر آدھمکیں ایسی حالت میں آپکی مٹھی بھر فوج اتنی بڑی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی ۔ اس معاملہ میں خان نے اپنے مشیروں سے رائے لی ۔ لیکن ان لوگوں کو ایسی زبردست سلطنت کی طاقت کا اندازہ نہیں تھا ۔ اس لئے ان لوگوں نے کہا ،، اگر روسی اورگنج کے قریب آئے تو ان کے لئے موت اپنی خونی تلوار تیز کرے گی ،،
مجھے یہ بات ناگوار معلوم ہوئی اور میں نے کہا اگر یہاں کے لوگ ایسے جاہل ہیں اور ان کی حالت ایسی خراب ہے تو میں اب ان کا مہمان نہیں ہونا چاہتا ۔ جب وزیر نے یہ سُنا تو اس نے کہا یہ بات سوچی گئی ہے کہ خان کی لڑکی سے آپ کی شادی کر دی جائے اس وقت یہاں کی رعایا آپ کے مشورہ کی قدر کرے گی ۔
میں نے جواب دیا اگر میں شاہ کے دو شہروں کو نذرانے میں قبول کر لوں گا تو اورگنج والے میرے دشمن ہو جائیں گے میری خیر اسی میں ہے کہ میں بخارا چلا جاؤں ۔ وزیر نے یہ سنکے بہت افسوس کیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ بخارا والوں نے تو آپ کے آدمیوں کو پوچھا تک بھی نہیں ۔ انہوں نے آپ کے چچا زاد بھائی اسحٰق کو ریاست کے قیدی کی طرح حراست میں رکھ چھوڑا ہے ۔ اس نے بہت سی باتیں بنائیں لیکن میں یہی کہتا رہا کہ مجھے تو ضروری کام ہے میں ضرور بخارا جاؤں گا ۔ پھر وزیر مجھ سے رخصت ہوا اور دوسرے روز جواب دینے کا وعدہ کیا ۔ جب صبح ہوئی تو وزیر حاضر ہوا اور اُس نے مجھ سے کہا کہ شاہ کو آپ کی جدائی منظور نہیں ۔ اگر آپ بغیر وہاں گئے نہیں رہنے کے تو خیر مجبوراً اُنہیں اجازت دینی

ہو گی۔ لیکن پھر بھی روانہ ہونے سے دو روز پہلے آپ انہیں اطلاع دیں اور اُن کو اس بات کا بھی موقع دیں کہ وہ آپ کے سفر کا سارا سامان ٹھیک کر دیں۔

تیسرے دن خان نے مجھے ۱۵۰ اونٹ معہ سامان خورونوش۔ مختلف قسم کے بڑے بڑے فرش اور خیمے دیئے۔ اور جب میں اُس کے پاس رخصت ہونے کے واسطے گیا تو اس کو میری جدائی کا کمال افسوس ہوا۔

پانچ دن کی منزل طے کرنے کے بعد میں دریائے جیحوں پر پہنچا۔ مقام گوز اور شراب خان کی سرحد سے جو اب روسیہ کے قبضہ میں ہیں میں نے دریا کو عبور کیا۔ یہاں سے آگے بڑھکر سات روز کا سفر کرنے کے بعد بخارا کے ایک علاقہ کاراکول میں پہنچا۔ جب بخارا میں میرے چچا زاد بھائی اسحٰق اور میرے ملازموں کو ہمارے آنیکا حال معلوم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئے اور اُنہوں نے میری خیر و عافیت دریافت کی۔

تین روز کے بعد جب میں بخارا پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہاں کا شاہ میر سہراب بیگ سے جنگ کرنے کے واسطے حصار اور کلاب میں پڑا ہوا ہے کیونکہ میر مذکور نے روسیہ کی عظمت و حشمت نہیں تسلیم کی تھی۔ شاہ بخارا کو روسیہ نے حکم دیا تھا کہ وہ اس میر کی خبر لے۔ شاہ سے پہلے سے بھی میری کچھ جان پہچان تھی۔ میں نے ان کو لکھا کہ مجھے سمرقند جانا ہے اگر آپ فرمائیں تو میں حصار ہی میں آپ سے آکر ملاقات کر لوں۔ یا آپ کی رائے ہو تو میں بخارا میں آپکے آنیکا منتظر رہوں۔ اس ناخدا ترس شاہ نے اخیر مجھ ہی کو اپنے پاس بلایا۔

اب میں نے یہ کیا کہ خیوا کے خان نے جو مجھے اشرفیاں دی تھیں میں نے ان سے اپنے سفر کے واسطے تمام ضروری سامان خریدا۔ اُونٹوں کو بھی میں نے فروخت کر ڈالا۔ اور اب میں نے خوب ہٹے کٹے گھوڑے سواری کے لائق خرید لئے۔ غرضکہ میں اپنے سفر کے واسطے ہر صورت سے تیار ہو گیا۔ میرے ساتھ پانسو سوار تھے۔ خیوا کے خان نے جن بے زبان غلاموں کو میرے نذرانہ میں پیش کیا تھا میں نے اُن کو آزاد کر دیا اور بالآخر دس روز کا راستہ طے کرنے کے بعد میں شاہ کے پاس پہنچ گیا۔

میں نے راستہ میں ایک ٹیلہ دیکھا جو خون سے سُرخ ہو رہا تھا۔ پہلے تو یہ خیال ہوا کہ شاید

شاہ کی اس فتح کی یادگار میں قربانی کی گئی ہے اور یہ جانوروں کا خون ہے جو اس طرح بہ رہا ہے۔ راستہ چلنے والوں سے جو پوچھا تو وہ آبدیدہ ہو کے کہنے لگے " یہ آدمیوں کا خون ہے جانوروں کا نہیں ہے " معلوم ہوا کہ دس پندرہ دن پہلے شاہ کا خیمہ یہاں نصب تھا۔ ان ہی دنوں میں ہرات کا قلعہ فتح ہوا تھا۔ جب ایک ہزار قیدی گرفتار ہو کے لائے گئے تو شاہ نے فوراً سب کی گردنیں مارنے کا نادرشاہی حکم دیدیا۔ ان مظلوم قیدیوں کے سر فوراً شاہ کی آنکھوں کے سامنے اڑا دیئے گئے۔ جب مجھ سے یہ ماجرا بیان کیا گیا تو میرا دل بھر آیا اور اس خونی منظر کو دیکھ کے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میرے دل میں انسانی ہمدردی کے خیالات موجزن ہونے لگے۔ میں نے بستی کے لوگوں سے کہا کہ اگر یہ لوگ مجرم تھے تو کیا مگر قیدیوں کو کوئی اس طرح نہیں مارتا۔ ان غریب دہقانیوں نے کہا " آپ یہی دیکھ کے افسوس کر رہے ہیں۔ ہزاروں کی گردنیں بغیر کسی جرم کے ایک اشارہ سے اڑا دی گئیں اور سینکڑوں ہمارے میزبان بھائی اس مردم آزار انسانی جلاد کی خاطر یہاں لا کے مار ڈالے گئے ہیں۔ جن کے خون ابھی تک تازے ہیں مجھے یہ باتیں سن سن کے افسوس ہوتا تھا اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ روسیوں کو ترکستان پر محض اس وجہ سے کامیابی ہوئی کہ مسلمان حاکموں اور افسروں نے خدا کو اور اس کے مذہب کو فراموش کر دیا ہے اور اس سے بالکل غافل ہو گئے ہیں۔ یہ اس کی سزا ہے۔ ان مسلمان حکمرانوں نے اپنے ڈھنگ بگاڑ رکھے ہیں۔ وہ اپنے ہی بھائیوں کو جو خدا اور رسول پر ایمان رکھتے ہیں جو ان ہی کی طرح نمازیں پڑھتے ہیں۔ غلام بناتے ہیں اور انسان کا خون جائز سمجھتے ہیں وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ ان کا پیدا کرنیوالا وہی ایک خالق ہے۔ کچھ عجیب حالت ہے کہ وہ لوگ جو بادشاہ یا حاکم ہیں وہ خدا اور رسول کے قانون کو اپنے پیروں کے نیچے روندتے ہیں اور مولوی اور عالم جو ان ہدایتوں کے بتلانے والے اور ان کے محافظ ہیں کچھ بھی ان بے اعتدالیوں پر نہیں چونکتے۔

میں تو یہ سنا کرتا تھا کہ بخارا ایک اچھی جگہ ہے اور وہاں کے لوگ مذہب کے پابند ہیں۔ لیکن یہ دیکھ کے کہ یہاں کے لوگوں نے رسول عربی کی تعلیمات کے بالکل برعکس کارروائی کی

مجھے بڑی مایوسی ہوئی اور مجھے کمال افسوس ہوا۔ میں مسلمانوں کی بے پروائی اور خود غرضی پر بار بار افسوس کرتا تھا جو اپنے ذاتی مقاصد کے واسطے اپنے بھائیوں کی گردنیں کاٹتے ہیں اور ہمیشہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے کافروں کو موقع ملتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی جہالت اور بدبختی سے فائدہ اُٹھائیں۔ میں نے ان مظلوم آدمیوں کے خون پر آنسو بہائے۔ اور اپنے چند سواروں کو حکم دیا کہ وہ اس خون کو مٹی سے چھپا کے خاک کے تودے کو قبر کی صورت بنا دیں۔

میری یہ رات بڑی بے چینی اور انتہا درجہ کی مایوسی میں گزری۔ دوسرے دن ایک ہزار سواروں کے ساتھ شاہ کے دو تین افسر میرے استقبال کے لئے آئے اور میں اُن کے ساتھ حصار پہنچا وہاں ایک مکان میں ٹھیرا جو خاص میرے لئے تیار کیا گیا تھا۔ تین دن کے بعد شاہ کا ایک ملازم مجھے بلانے کے لئے آیا۔ میں شاہ کی ملاقات کے واسطے گیا۔ پھر میں وہاں سے واپس آ گیا اور شاہ نے میرے پاس دس ہزار تانگے (ایک تانگا چھ پنس کے برابر ہے) اور کچھ زرّین کپڑے بطور تحفہ کے بھیجے۔

دو ایک روز حصار میں ٹھیرا رہا۔ اُس کے بعد سمرقند کی طرف روانہ ہوا۔ روسی حاکم نے خندہ پیشانی سے میرا استقبال کیا۔ میرے ملازموں کے ٹھیرنے کے واسطے موقعے کے مکان تجویز کر دیئے اور اس نے ہر طرح سے ہمارے آرام کا سامان بہم پہنچا دیا۔ ہمیں اپنا مہمان سمجھ کے وہ ہر وقت ہماری خدمت میں حاضر رہتا تھا۔ اس کے تھوڑے دنوں کے بعد ترکستان کے شاہی افسر نے مجھے تاشقند میں ملاقات کی غرض سے بلایا۔ سمرقند کی ریاست کی طرف سے میرے سفر کا سارا اہتمام ہو گیا۔ جب میں تاشقند پہنچا تو بہت جوش کے ساتھ میرا استقبال ہوا۔ دوسرے دن نائب شاہی نے مجھے اپنے پاس بلایا جب وہ بھی مجھ سے مل چکا تو ایک دن اس نے مجھے بات چیت کے لئے اپنے ہاں مدعو کیا جب میں وہاں گیا تو مجھے یورپی عادات و خیالات کے موازنہ کرنے کا کافی وقت ملا۔ ان لوگوں کے ہاں کا یہ قاعدہ ہے کہ یہ اپنے مہمانوں کو بڑے کمروں میں لاکر بٹھاتے ہیں اور مہمان کو اپنے ساتھ لیکر اس کمرے سے اُس کمرے میں لیجاتے ہیں۔ آپس میں باتیں

کرتے ہیں۔ تمباکو پیتے ہیں یا طرح طرح کے میوے اور پھلوں سے ان کی ضیافت کرتے ہیں
کوئی دو بجے تک ہم اس طور سے ایک دوسرے کی ملاقات سے خوش ہوتے۔ اور آپس
میں باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد سب اپنے اپنے ٹھکانے پر آگئے اور اپنی قیام گاہ
کو رونق دی دوسرے دن جب صبح ہوئی تو روسیہ کا نائب شاہی میرے بنگلہ پر ملاقات
کی غرض سے آیا۔ میں نے جا کے اس کا استقبال کیا۔ مزاج پرسی کرنیکے بعد میں نے
کچھ چیزیں بطور تحفہ کے پیش کیں جن میں چھ کشمیری قیمتی کپڑوں کے تھان۔ دو زرین تھان
اور ایک تلوار جو ہیرے جواہرات سے مرصع تھی یہ شخص دو گھنٹے تک میرے پاس بیٹھا
رہا اس کے بعد مجھ سے رخصت ہوا۔ دوسرے دن جنرل آلکھانوف نے میری دعوت
کی۔ میں اس کے پاس گیا اور ہم دونوں نے یہ دن بڑے مزے سے بسر کیا۔ ہفتہ عشرہ
جب تک میں یہاں رہا بہت سے حاکموں اور عملے والوں نے میری دعوت کی اور میری
ملاقات سے خوش ہوئے۔

اس عرصہ میں روسیوں کا بڑا تہوار کرسمیس (ولادت مسیح) آ پہنچا۔ اس دن کو وہ اپنے
خدا کے بیٹے کا یوم ولادت قرار دیتے ہیں۔

اس تہوار کے دن وایسرائے یعنی نائب روسیہ نے میرے لینے کے واسطے اپنی گاڑی
اور اپنے معتمد کو بھیجا۔ ہم دونوں گاڑی میں سوار ہو کے نائب روسیہ کے مکان پر پہنچے
وہ میرے استقبال کے واسطے پہلے ہی سے باہر کھڑا ہوا تھا۔ جب میں اس سے نیچے
اتر کے ملا تو وہ مجھے اسی درباری کمرہ میں لیگیا جہاں میرا پہلے استقبال کیا گیا تھا اس جلسہ
میں تمام حکام اور روسی امرا کی عورتیں بھی شریک ہوئیں۔ دسترخوان پر حلال اور حرام دونوں
ہی طرح کی چیزیں موجود تھیں۔ ارباب مجلس آدھی رات تک کھاتے پیتے اور باتیں کرتے
رہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک دوسرے کی پیشانی کو بوسہ دیتے وقت "مسیح" مسیح"
کہا۔ اور ہم سب اپنے میزبان کو خدا حافظ کہکے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے آئے۔

تین دن کے بعد جب یہ تمام رسمیں ادا ہو چکیں تو نائب روسیہ نے اپنے معتمد کو گاڑی
لیکے میرے پاس بھیجا۔ اور اپنی فوج کی قواعد دکھلانے کے واسطے مجھے مدعو کیا۔ پیدل

سپاہیوں۔ سواروں اور توپچیوں نے قاعدہ سے سلام کیا اور اس کے بعد پڑیڈ کے میدان میں قواعد شروع ہوئی۔ فوج کی ترتیب اور اس کی قواعد اعلیٰ درجہ کی تھی اور اپنا جنگی کمال دکھانے کے لئے انہوں نے اخیر میں ایک مصنوعی کان اڑائی۔ جب دوسرے دن میں منہ ہاتھ دھو کے فارغ ہوا تو وہی معتمد صاحب پھر حاضر ہوئے اور اپنے آقا کی طرف سے ملاقات کا پیغام لائے۔ بالآخر ہماری اُس کی پھر ملاقات کی ٹھیری۔ جب وہ چاء پی چکا تو اس نے مجھ سے کہا کہ شہنشاہ اعظم زار روس نے تار کے ذریعہ سے آپ کی خیروعافیت پوچھی ہے۔ میں نے زار کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ نائب روسیہ نے مجھ سے کہا کہ زار روس آپ سے سینٹ پیٹرسبرگ میں ملنا چاہتے ہیں اور اُن کی آرزو ہے کہ وہ اس خلوص کا جو اُن کو آپ کے ساتھ ہے پورا پورا اطمینان دلائیں اور آپ کے ساتھ دوستانہ برتاؤ سے پیش آئیں تاکہ محبت والفت کا سلسلہ قائم رہے۔ میں نے جواب دیا کہ میں نے ہمیشہ زار کی سلطنت کو اپنا دارالامن سمجھا۔ اسی خیال سے آج اتنی دور یہاں آیا ہوں۔ تاکہ مجھے ان سے اپنی دلی آرزو کہنے کا موقع ملے اور کامل بھروسہ ہے کہ میری امیدیں سرسبز ہونگی اور وہ مجھے اپنی مہربانی سے مالا مال کر دینگی جسکی تمنا بہت دنوں سے ہے نائب روسیہ نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کی کیا مرضی ہے۔ میں نے کہا کہ کل اس کا جواب دونگا۔ پھر میں نے سینٹ پیٹرسبرگ جانے کی بابت اپنے خاص خاص ملازمین سے رائے لی اور اُنسے دریافت کیا کیا مناسب ہوگا کہ میں وہاں جاؤں۔ انہوں نے صاف کہدیا۔ کہ ہم تو آپ کو نہیں چھوڑنے کے اور ہماری رائے نہیں ہے کہ آپ وہاں جائیں کیونکہ ہم بالکل مجبور ہو جائیں گے ہمارا یہاں کوئی نہیں ہے۔ میں نے اپنے ساتھیوں کو بہتیرا سمجھایا لیکن ان کی سمجھ میں یہ بات نہ آئی اور وہ اپنی ضد پر قائم رہے۔ دوسرے دن میں خود نائب روسیہ کے پاس گیا۔ مزاج پرسی کرنے کے بعد جب میں چائے حقے سے فارغ ہوا تو میں نے اس سے کہا کہ شہنشاہ روس نے مجھ پر بڑی عنایت کی۔ مجھے اپنی اس خوش قسمتی پر فخر ہے۔ لیکن میں اُن کے ملک میں ابھی مسافرانہ حیثیت سے ہوں۔ میرے پاس صرف ۵۰۰ سوار ہیں جو ایک لمبا چوڑا سفر طے کر چکے ہیں۔ میرے لئے جتنے سامان کی ضرورت

ہے اور جو مناسب تیاری مجھے کرنی ہے اس کو پہلے انجام دے لوں۔ اس کے بعد اگر پھر مجھے وہ مدعو کریں گے تو اس وقت میں حاضر ہونگا۔ جس کے جواب میں معزز نائب نے کہا "بہت خوب میں ابھی زار کو تار دیتا ہوں"

دو دن کے بعد گاڑی لیکے وہی منشی پھر حاضر ہوا۔ میں سوار ہوکے نائب کے مکان پر پہنچا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے وزیر اعظم روسیہ کو آپ کے بارہ میں اطلاع دی تھی جس کا جواب یہ ملا کہ زار روس کو آپ کی یہ تجویز بہت پسند آئی اور انہوں نے سمرقند یا تاشقند میں آپ کی مرضی سے ایک اعلیٰ درجہ کے مکان خریدنے کی منظوری فرمائی ہے اور آپ کے جیب خرچ کے واسطے ۱۲۵۰ ٹمس (روسی سکہ) ماہواری مقرر کئے ہیں۔ میں نے کہا کہ میں تو اب آپ کے شہنشاہ کے سایۂ عاطفت میں آیا ہوں اور جو کچھ وہ عنایت فرمائیں گے مجھے بسر وچشم منظور ہے۔ مجھ سے یہ بھی کہا گیا کہ زار کو میری اور میرے چند افسروں کی عکسی تصویر دیکھنے کا شوق ہے میں نے اسے منظور کر لیا اور دوسرے دن کا وعدہ کر کے میں وہاں سے رخصت ہوا۔ دوسرے دن ہم اسی معتمد کے ساتھ ایک فوٹو گرافر (عکسی تصویروں کا مصوّر) کے پاس پہنچے لیکن یہاں جاکے میرے افسروں نے اپنی تصویر اُتروانے سے قطعی انکار کر دیا۔ اور اُنہوں نے کہا "جو کوئی اپنی تصویر اُترواتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے" اب تک تو میں اپنے ساتھیوں کو سمجھتا تھا کہ وہ کچھ سمجھدار ہیں لیکن اب معلوم ہوگیا کہ وہ بالکل جاہل ہیں اور ان میں عقل کا نام نہیں ہے معتمد موصوف نے کہا "ان لوگوں نے کیوں نہیں اپنی تصویریں اُتروائیں" میں نے کہا یہ کسی جرگہ اور خاندان کے افسر یا حاکم نہیں ہیں۔ یہ لوگ تو میرے ذاتی ملازم ہیں میں ان کو اس وجہ سے مانتا ہوں کہ یہ لوگ میرے ساتھ بہت دنوں سے ہیں لیکن یہ اس قابل نہیں ہیں کہ ان کی تصویر بادشاہ کے ملاحظہ کے لئے کھچوائی جائے۔ اس نے سمجھا کہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں کیونکہ اگر زار نے ان کی ذاتی ثروت اور وقعت پوچھی تو اس کا کیا جواب دیا جائیگا مجھے اب اس کا یقین ہوگیا کہ میرے ملازموں میں کوئی اس قابل نہیں ہے کہ اس سے کسی معاملہ میں مشورہ لیا جائے اور نہ میں نے آئندہ کسی بات میں ان کی صلاح لی۔ علاوہ اس کے وہ دو مرتبہ میری باتوں سے صاف انکار کر چکے تھے۔

چند روز کے بعد میں پھر اُسی معتمد کے ساتھ حاکم صوبہ کے ہاں دعوت کھانیکے لئے گیا۔ آدھی رات تک کھانے پینے۔ طرح طرح کی دلچسپیوں اور گانا سننے سے ہم سب خوب لطف اُٹھاتے رہے۔ اس وقت میں نے نائب روسیہ سے سمرقند جا کے اپنے ساتھیوں سے ملنے کی اجازت چاہی۔ اس نے فوراً منظور کر لیا اور جنرل ابراموف کے نام کی مجھے ایک چٹھی بھی لکھدی دوسرے دن صبح کے وقت میں کاف مین صاحب سے ملنے گیا اور اُن سے رخصت ہو کے جس راستہ سے میں آیا تھا اسی راستہ سے سمرقند روانہ ہو گیا۔

جب میں سمرقند پہنچا اور جنرل ابراموف سے ملا تو اس نے کہا کہ وائسرائے نے اس خط میں مجھے ہدایت کی ہے کہ میں آپ کے لئے ایک لاکھ تک کا آپ کی پسند کا ایک مکان اور باغ خریدوں۔ میں نے کہا کہ شاہ بخارا کے پاس کئی سرکاری باغ ہیں۔ میں اپنے آدمیوں کو بھیجتا ہوں کہ وہ جا کے اُن باغوں میں سے کسی کو پسند کر آئیں تو پھر میں آپ کو اس کا جواب دوں میرے ملازموں نے کئی روز اسی دیکھ بھال میں گزار دیئے اور میں بھی اپنے طور پر اور لوگوں سے مکان اور باغ کے بارہ میں پوچھتا رہا۔ بالآخر میں نے جنرل موصوف کو لکھا کہ قلندر خانہ کے سامنے ایک باغ ہے وہ ٹھیک رہے گا اور وہ بخارا کی ریاست سے تعلق رکھتا ہے اس باغ کا رقبہ دو ایکڑ تھا۔ اس کی آب و ہوا بہت اچھی تھی۔ ہوا کے جھونکے کے ساتھ پھولوں کی خوشبو سے دماغ معطر ہوا جاتا تھا اور اس میں جابجا چشمے بہ رہے تھے۔ میں نے اسکو پسند کر لیا اور اپنے دل میں سوچا کہ روپیہ برباد کرنے سے کیا فائدہ۔ یہ باغ روسیہ کا ہے بس اسی میں میں رہوں گا۔

جب سب کچھ ہو چکا تو میں اس باغ میں رہنے لگا۔ اپنے چچا زاد بھائی سردار اسحٰق خاں کے واسطے ایک رہن کا مکان لے دیا۔ اور سمرقندیوں سے ایک مکان اپنے ملازموں کے رہنے کے واسطے ٹھیرالیا۔

تھوڑے روز کے بعد ان سرداروں نے جو زار کی ملاقات کے خلاف تھے اور مجھسے اس معاملہ میں مخالفت کر چکے تھے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور ایک ایک کر کے سب چلدیئے۔ بعض تو ایسا بگڑے کہ مجھ سے ملنے بھی نہ آئے اور باہر ہی باہر چلے گئے۔ صرف سپاہی رہ گئے

جن بے چاروں نے اخیر تک میرا ساتھ نہ چھوڑا۔ بلکہ بے انتہا وفاداری سے میری خدمت کرتے رہے۔ اور ان سرداروں سے تو مجھے کوئی فائدہ بھی نہیں تھا ہمیشہ مجھے تکلیف ہی دیا کرتے تھے۔

پانچواں باب

سمرقند کا قیام

۱۸۷۰ء سے ۱۸۸۰ء تک

جب تک میں سمرقند میں رہا مجھے سینکڑوں واقعات پیش آئے اگر میں سبکو بیان کروں تو میرا تذکرہ کبھی نہیں ختم ہونیکا۔ اس وجہ سے صرف وہی باتیں کہونگا جو میری رعایا کے حق میں مفید ہوں گی۔ روسیوں کے ملک میں میں نے پورے گیارہ برس صرف کیئے۔ میں ان ایام میں دن بھر شکار کھیلنے سے اپنا دل بہلاتا اور برابر چاندماری پر گولی کا نشانہ لگایا کرتا تھا۔ میرے اصطبل میں سواری کے بیس گھوڑے اور دس چھوٹے ٹٹو ہر وقت تیار رہتے تھے۔ جب میں کہیں باہر جاتا تو پندرہ سوار بر بجلو ڈر بندوقوں سے مسلح ہمیشہ میرے ساتھ رہتے۔ میرے پاس شکرے عقاب اور بہت سے شکاری پرند بھی تھے۔ اپنا غم غلط کرنے کے لئے میں اس طرح سیر و تفریح کیا کرتا تھا۔ میں نے اپنے سپاہیوں کی تنخواہ پانچ روپیہ ماہوار مقرر کر دی اور افسروں کی کچھ اس سے زیادہ غرضکہ ان کے عہدے اور کام کے موافق سب کی تنخواہیں کر دیں۔ میں نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ میرے ساتھیوں میں بہت سے حاکموں اور افسروں نے میرا ساتھ چھوڑ دیا لیکن مجھے اس کا مطلق رنج نہ ہوا۔ ہم لوگوں کو بعض وقت روپے پیسے کی کمی سے بہت پریشان ہونا پڑتا تھا کیونکہ خرچ بہت زیادہ اور سرکاری وظیفہ بے انتہا کم۔ لیکن کیا کرتے روسیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں تھا۔ جو کچھ مجھے مل رہا تھا میں اُسی کا بہت شکور تھا۔ اگر کسی روسی حاکم سے باتوں ہی باتوں میں کبھی روپیہ پیسہ کا تذکرہ آگیا تو میں نے فوراً ہی یہ کہا کہ جو وظیفہ سرکار سے ملتا ہے وہ میرے حیثیت سے بہت زیادہ ہے۔ خدا اس سلطنت کو قایم رکھے اُس نے مجھپر بہت سی مہربانیاں کی ہیں۔ جب کبھی کوئی تہوار یا تقریب ہوتی تو جرنیل آبراموف اور دوسرے عملے

والے ہمیشہ مجھے مدعو کیا کرتے تھے۔ میں اُنکے بُلاوے کو بہت خوشی سے قبول کر لیتا تھا۔ جرنیل موصوف کا برتاؤ بالکل دوستانہ تھا۔ جب مجھے روپیہ وغیرہ کی ضرورت پڑتی تو میں نے فوراً اپنے منشی سردار عبداللہ خاں (جو اب کتغان اور بدخشاں کا حاکم اور عبدالرحیم مرحوم کا لڑکا ہی) کو اُس کے پاس بھیجا۔ وہ اپنے ملنے کا وقت اسے بتلا دیا کرتا تھا۔ ایسے موقعوں پر میں اپنی مشکلات اس سے بیان کرتا۔ غرضکہ وہ لوگ میری بڑی عزت کرتے تھے۔ میں تمام درباری قاعدوں سے آزاد تھا۔ جب میری طبیعت چاہتی میں حاکموں سے ملنے کے واسطے چلا جایا کرتا تھا اُن کی مرضی ہوئی تو وہ میرے پاس چلے آئے۔ مہینہ میں میں پندرہ روز گھر پر رہتا اور پندرہ روز باہر دیہاتوں میں جنگل میں شکار کھیلتا رہتا تھا۔

بس اس طرح گیارہ برس میں نے روسیوں کے ساتھ بسر کئے۔ اس عرصہ میں مجھے ہر طرح کا اطمینان رہا صرف اس بات کا خیال رہتا تھا کہ میرے گھر والوں کا کیا حال ہے اور میری والدہ اور میرے لڑکے عبداللہ کا کیا حشر ہوا جو نظر بند تھے۔

سمرقند میں رہتے ہوئے مجھے ابھی دو برس ہوئے تھے کہ اس عرصہ میں روسیوں اور افغانیوں میں محبت ہو گئی۔ شیر علی اور روسی حکومت میں نامہ پیام کا سلسلہ اچھی طرح قایم ہو گیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ محمد عالم خاں حاکم بلخ اپنے آدمیوں کو شاہ بخارا امیر مظفر کے پاس بھیجتا تھا اور پھر وہ یہاں سے جرنیل آبراموف اور تاشقند کے وائسرائے کے نام خط پہنچایا کرتا تھا۔ اسی طرح روسیوں کو جب جواب دینے کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ ان لوگوں کی معرفت اپنے خط بھیجتے تھے۔ جب معاملہ طے پا جاتا تھا تو وہ اخباروں میں چھپتا اور عام لوگوں میں مشتہر ہوتا تھا لیکن میرے ناظرین کو یہ سب باتیں معلوم ہوں گی اس لئے میں اپنی داستان شروع کرتا ہوں۔

پہلی دفعہ جب میرا سمرقند جانا ہوا تھا تو میں نے وہاں میر بدخشاں یعنے شاہ سمرقند کی بیٹی سے شادی کر لی تھی۔ اس شادی کے دوسرے ہی سال خدا کی عنایت سے میرے ہاں ایک لڑکا ہوا جس کا نام میں نے حبیب اللہ رکھا۔ اب یہی میرا سب سے بڑا لڑکا اور ولیعہد بھی ہے۔ اس کے دو برس کے بعد میرے ہاں دوسرا لڑکا ہوا۔ جس کا نام میں نے نصراللہ رکھا۔ اسی طرح میرے اور دو لڑکے اور ایک لڑکی ہوئی جو دو چار سال کی ہو کے مر گئی۔

مجھے سمرقند میں رہتے ہوئے ابھی دو تین ہی برس گزرے تھے کہ روسیہ نے شہر سبز کو تاخت و تاراج کرنے کے واسطے فوجیں روانہ کیں۔ اس کے جرنیل نے مجھ سے کہا کہ آپ بھی ساتھ چلئے اور اپنے آدمیوں کو بھی ساتھ لیجے۔ میں نے جواب دیا کہ پہلے ہی میں نائب شاہ سے کہہ چکا ہوں کہ میں روسی حکومت کی ماتحتی میں کوئی ملازمت نہیں کرنے کا۔ اور اگر آپ لوگوں کی ایسی ہی خواہش ہے تو میں اتنا کر سکتا ہوں کہ شہر سبز کے سرداروں کو سمجھا بجھا کے آپ لوگوں کے پاس سلام کرنے کی غرض سے لاؤں اور پھر وہ آپ کی شرطوں پر کاربند ہوں۔ جرنیل مذکور نے کہا کہ اب اتنا وقت باقی نہیں رہا۔ اعلان جنگ ہو چکا ہے۔ میں نے کہا کہ اس مہم کے ساتھ میرا جانا تو درکنار اگر یہی سمرقند والے آپ کے جانے کے بعد بگڑ جائیں تو میرے یہ تین سو آدمی کچھ نہیں کر سکتے۔ ہم لوگوں کو تین سو بندوقیں اور کارتوس بھی چاہئیں خدا جانے آپ کے بعد کیسی پڑے کیسی نہیں۔ جرنیل نے اس کا وعدہ کیا اور میگزین کے افسروں نے اسکا بندوبست کر دیا۔ دو دن کے بعد یہ لوگ شہر سبز کی طرف بڑھے اور شہر پر قبضہ کر لیا شاہ بخارا کو بھی ان لوگوں نے لکھا کہ تم کارکی کی راہ سے اپنی فوج بستی والوں کے ڈرانے کے لئے بھیجو۔ روسی فوج نے شہر سبز کے قلعہ پر چار مرتبہ دل کھول کے حملہ کیا لیکن پس پا کر دیئے گئے اور جرنیل ابراموف کے ایک گولی اسی لڑائی میں لگی تھی لیکن زخم کاری نہیں لگا پانچ ہزار آدمیوں نے حملہ کیا تھا۔ دو ہزار مقتول اور مجروح ہوئے۔ روسیوں نے ایک قاصد کے ہاتھ بستی والوں سے کہلا بھیجا کہ چند دن کی مہلت جنگ ملنی چاہیئے ہم اس عرصہ میں عہد شکنی نہیں کرینگے اور روسیہ جیسی بڑی سلطنت تم کو دھوکا نہیں دیگی۔ بیچارے بستی والے کیا جانتے تھے انہوں نے منظور کر لیا۔ اور بارہ ہزار بندوق چلانے والوں میں سے ایک ہزار آدمیوں کو اپنے بال بچوں کی حفاظت کے لئے اس طرف روانہ کیا جدھر شاہ بخارا کی فوجیں نقل و حرکت کر رہی تھیں۔ روسیوں نے تین دن کے بعد موقعہ پا کر آدھی رات کو حملہ کیا اور ان بیچاروں پر بیکسی کے عالم میں آپڑے۔ جو تھوڑے سے بہت آدمی رہ گئے تھے اُنھوں نے اپنی جان لڑا دی۔ روسیوں کو خوب ہی مارا۔ لیکن کیا کرتے۔ اخیر میں قلعہ فتح ہو گیا اور شہر سبز کے امیر اور سردار تین سو جانباز سواروں کے ساتھ پہاڑوں میں ہو کے کوکند کیطرف چلدیئے۔ روسی جرنیل شاہ بخارا کے حاکموں کے

ہاتھ میں شہر سپرد کر کے اپنی فوج کو سمرقند لے کے چلا آیا۔
جرنیل ابراموف کی واپسی کے دوسرے دن صبح کو میں اس کی خیر و عافیت پوچھنے گیا اسکے جو زخم تھا وہ ایسا کچھ کاری نہیں لگا تھا۔ اُسے شہر سبز سے بہت کچھ ہاتھ لگا تھا۔ ایک خوبصورت ڈبیہ۔ ڈبل برجلوڈر بندوق اور ایک دُوربین میرے نذر کرنی چاہی۔ میں نے جواب دیا کہ میں اپنے مذہب کے مطابق مسلمان کا مال جو لوٹ میں آیا ہو نہیں لے سکتا۔ مجھے روسیوں کی عہد شکنی کا حال سن کے بڑا غصہ آیا اور میں اسی وقت ان کے جرنیل سے رخصت ہو کے چلا آیا۔
شہر سبز کے مظلوم میر اور سردار کو کوکند میں بھی پناہ نہیں ملی۔ جاتے ہی وہاں کے خان خدایار خاں نے ان کو گرفتار کر کے تاشقند کے وائسرائے کے پاس بھیجدیا۔ اور ان کے ملازموں اور مال و اسباب کو خود دبا بیٹھا۔ یہ غریب میر اٹھارہ مہینے تک قید میں رہے اس کے بعد ان کی رہائی ہوئی اور ان کی تنخواہیں کر دی گئیں۔ مگر میر بابا بیگ۔ میر سہراب بیگ اور ان کے چند حمایتی ۱۸۸۰ء تک تاشقند میں سرکاری قیدی رہے۔ اور ان کے بال بچوں کو شاہ بخارا نے ان ہی کے پاس بھیجدیا تھا۔
اسکے دو برس کے بعد روسیوں نے آذر گنج کا قلع قمع کرنا چاہا۔ تاشقند کا حاکم خود فوج کے ہمراہ ہو کے مقام جینرک میں آپہنچا اور اس کا ارادہ نورعطا کی ریگستانی سڑک سے سفر کرنے کا تھا مجھے بھی اس نے بلایا۔ میں بھی جینرک کی طرف روانہ ہوا۔ اور دو دن میں وہاں جا پہنچا۔
حاکم مذکور کا جیسا قاعدہ تھا اس نے اسی طرح میرا استقبال کیا اور میری ملاقات سے بہت خوش ہوا۔ اس نے دریافت کیا کہ ''کیا آپ اور آپ کے ساتھی آذر گنج تک میرا ساتھ دیں گے اور میں آپ لوگوں کے سفر کا سارا سامان درست کر دوں گا۔ میں نے کہا کہ یہاں میرا قیام صرف چار روز تک رہے گا اور سفر کا سامان ٹھیک کرنے میں مہینہ ڈیڑھ مہینہ لگے گا۔ علاوہ اس کے آپ ہمارے دینی بھائی مسلمانوں سے جنگ کریں گے۔ مذہب نے منع کیا ہے کہ تم لوگ آپس میں نہ لڑو اور ایک دوسرے کے مقابلہ میں تلوار نہ اُٹھاؤ۔ دوسرے میرے پاس کوئی فوج نہیں ہے۔ اور میرے ساتھ جانے سے روسی حکومت کو کوئی

تقویت نہیں ہو سکتی اور میرے گھر بیٹھ رہنے سے فوج میں کسی قسم کی کمی نہیں رہنے کی۔ جب نائب روسیہ نے یہ بات سنی تو اسنے کہا "میں نے محض تفریح طبع کے لئے یہ بات پوچھی تھی۔ آپ کو اختیار ہے۔ اس مہم میں آپکا شریک ہونا کچھ لازمی نہیں ہے۔ پھر میں نے کہاکہ میں روسی حکومت کے زیر سایہ امن و امان سے زندگی بسر کر رہا ہوں اور میں شکار کھیلنے سے خوب خوش و خرم رہتا ہوں۔ مجھے بھی پسند ہے۔ لڑائی سے قطعی نفرت ہوگئی ہے۔ میں نے اس سے یہ بات مذاق سے کہی۔ نائب روسیہ نے جواب دیا کہ "میں نے آپ کی خاطر اپنے پاس ہی دو ترکی خیمے نصب کرانے کا حکم دیا ہے"۔ میں اسکی اس مہربانی کا مشکور ہوا۔ میرے لئے یہ خیمے زار کے چچازاد بھائی کے فرودگاہ سے تیس قدم اور نائب روسیہ کے خیمے سے چالیس قدم پر نصب کئے گئے۔
گورنر (حاکم روسیہ) دن میں پانچ چھ دفعہ مجھسے ملنے آتا تھا۔ تقریباً ہمارے تین ہفتے اسی طرح بسر ہوئے۔ ایک دن اُس نے مجھے بلایا اور کہا کہ "اب روسی فوج افغانستان جانے کے واسطے تیار کھڑی ہے آپ بھی چلیئے"۔ جس کا جواب میں نے یہ دیا کہ اگر آپ لوگ خود ہی افغانستان پر حملہ کرکے اپنا سکہ جمانا چاہتے ہین تو بھلا مین جاکے کیا کرون گا۔ ہاں اگر آپ افغانستان پر اپنا قبضہ کرکے دوبارہ مجھے واپس کردیں تو پھر اتنی تکلیف اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ میرا ذمہ ہے کہ ایک ہزار پیدل۔ ایک ہزار سوار اور ایک توپخانہ سے میں اپنے ملک پر قبضہ کرلون گا۔ میں نے کہا کہ مین تو سمرقند ہی مین سیر و شکار سے خوب مزے سے دل بہلاتا ہوں اور آپ کا دعاگو رہنے کا خدا سے آرزومند ہوں۔ مجھے تو پہلے ہی سے معلوم تھا کہ یہ لوگ اتنے کم سپاہیوں کے ساتھ افغانستان نہیں جائیں گے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ افغان بڑے خونخوار اور جنگجو ہین۔ وہ اور گنج والون کی طرح بودے نہیں ہیں۔ اسلئے میں بھی اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ یہ کچھ اور ارادہ رکھتے ہیں۔
بہار کا موسم ختم ہوگیا مگر روسیوں نے کابل کی طرف فوج بھیجنے کا ابھی تک کوئی انقطاعی فیصلہ نہیں کیا۔ اور دوسرے یہ آفت آئی کہ ان کی فوج میں وبا نے سینکڑون سپاہیوں کا ستھراؤ کردیا۔ اب سپاہیوں میں بے چینی پیدا ہوگئی۔ وبا کے خوف سے بھاگ گئے اور چھ سو گاڑیاں مریض سپاہیون کی بھر کے ایک علیحدہ مقام پر روانہ ہوئین۔ ان سپاہیون کی مرض کی حالت بہت خطرناک تھی کوئی قریب مرگ تھا کوئی مرض کی شدت سے کراہ رہا تھا۔ کسی کا گاڑی ہی میں فیصلہ ہوگیا۔ غرضکہ

روسی سپاہ کی یہانتک بُری نوبت پہنچی۔ جب اسیر ائے یا نائب روسیہ یہانسے تاشقند جانے لگا تو میں نے اس سے اپنی پیشین گوئی کا اعادہ کیا دیکھا آپنے سب کچھہ تیّاری ہوگئی لیکن اخیر آپکا افغانستان جانا نہین ہوا۔ اس نے کہا "ہان آپ بہت ٹھیک کہتے تھے۔
جب جاڑا ختم ہوچکا اور پھر موسم بہار نے لوگون مین ایک گدگدی سی پیدا کردی تو یہ بات طشت از بام ہوگئی کہ "امیر شیر علی انگریزون کا مخالف ہوگیا ہے اور اب روسیہ سے اس کے تعلقات روز بروز بڑہتے جاتے ہین۔ ابھی کچھہ دن بھی نہیں گزرنے پائے تھے کہ کوکند کے مولویوں اور مسلمانون مین آپس مین بڑی خوب کٹا چھنی ہوتی رہی۔
اب جو کچھہ اس کے بعد پیش آیا وہ آگے جاکے معلوم ہوجائیگا۔ اور وہ بے انتہا دلچسپ ہے۔ تقریباً پچاس مولویوں اور دوسو حاکمون نے روسیوں سے کچھہ معاملہ کرکے اُنکو امداد دینے کا وعدہ کرلیا اور اپنے ہم مذہب بھائیون کے خلاف کارروائی کرنے پر آمادہ ہوگئے۔
مجھے یہ نہیں معلوم کہ روسیون سے ان کا کیا معاہدہ ہوا تھا۔ ان سردارون اور مولویون نے ایک چمار کو پکڑکے اسے تولاد خان کے نام سے مشہور کردیا۔ تولاد خان خدا یار خان والئے کوکند کا چچازاد بھائی ہوتا تھا۔ روسیون نے تولاد خان کا بس نام ہی نام سنا تھا کبھی دیکھا نہیں تھا اور یہ جانتے تھے کہ وہ موسے خان مرحوم سابق والئے کوکند کا بیٹا ہے۔ ان بدمعاش مولویون اور حاکمون نے کوکند کے باشندون سے یہ کہا کہ خدا یار خان والئے کوکند تمہارا ملک روسیون کو دینا چاہتا ہے ایسی حالت میں تمام مسلمانون کا فرض ہے کہ وہ اس کے مقابلہ کے لئے تلوار اُٹھائیں اور اس کو تخت سے اُتار کے تولاد خان کو اپنا بادشاہ بنائیں۔ یہ سیدھے سادے باشندے ان مکارون کے ہتکنڈون سے بالکل بے خبر تھے۔ سب جوش میں آکے اس فرضی تولاد خان کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ مظلوم خدا یار خان کو تخت سے اُتار دیا اور پھر کیا تھا روسیون کا داؤن چل گیا۔ آناً فاناً مین کوکند لیلیا۔ ان بدبختون کو روسیون نے پھوٹی کوڑی بھی نہیں دی اور سب اپنا سا مُنہ لیکے رہ گئے۔ اس فرضی تولاد خان کو بھی کچھہ نہیں ملا اور اُلٹے بہت سے سردار اور حاکم یا تو گرفتار ہوگئے یا قتل کرڈالے گئے۔ روسیون نے کوکند پر اپنا قبضہ کرکے یہان ایک نیا شہر "شہر سلیم" آباد کیا جو بہت خوبصورت ہے اور ابتک اُنکے پاس ہے۔

اس بیان سے شیر علی کا حال سننا چاہیئے - کچھ عرصہ کی خط وکتابت سے اُسے روسیوں کی دوستی کا پورا یقین ہوگیا - اور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند سے قطع تعلق کرکے زار روس شہنشاہ اعظم سے جاملا - وہ اس بات کو اچھی طرح نہین جانتا تھا کہ جو چیز کھوٹی ہے وہ کسی بازار مین نہین بک سکتی - یا وہ اسبات کو نہین سمجھتا تھا کہ جس نے اپنے دوست سے بدسلوکی کی بھلا وہ اپنے غیر سے کب سلوک کرے گا - اس عہدشکنی سے اس نے اپنا وقار اور اپنا بھرم بالکل بگاڑ دیا - اور ایک کا ساتھ چھوڑکے دوسرے کا ساتھ قبول کرلیا اور ایسے ایسے وعدے کیئے جن پر کوئی ہوشیار سلطنت بھروسہ نہیں کرسکتی تھی - مثلاً یہ کہ وہ روسیون کو ہندوستان کا رستہ دیدے گا - افغانستان میں ان کی تاربرقی کے سلسلے کی حفاظت کریگا - ہندوستان کی سرحد پر روسیون کو ریل اور تار گھر بنانے کا پورا پورا موقع دیگا اور انگریزوں کے خلاف روسیہ کو اخیر تک مدد پہنچاتا رہیگا -

اسکے مقابلہ میں روسیون نے وعدہ کیا کہ دریائے انڈس کے قرب وجوار کے سارے ملک جو افغانی سرحد مین ہیں اور جو کبھی کسی زمانہ مین افغانی بادشاہون کے پاس تھے شیر علی کو بخش دیئے جائین گے روسی کا سکون کو یہ کھٹکے کہ اب وہ ہندوستان پر چڑھائی کے واسطے بھیجے جائین گے بہت خوشی ہوئی اور یہ خیال کرکے کہ ہندوستان سے لوٹ مار میں اچھی اچھی چیزین ہاتھ لگین گی ان کے دل باغ باغ ہوگئے - لیکن ان کے منصوبے خاک مین مل گئے - کیونکہ جب شیر علی اور انگریزون کا درۂ خیبر اور شتر باغ پر جو پیاور کوتل کے نام سے مشہور ہے مقابلہ ہوا تو وہ انگریزی فوج کے سامنے پیر جماکے نہ لڑ سکا - امیر شیر علی کی فوجین قواعد نہیں جانتی تھین - وہ بھاگ کے بلخ مین جا پہنچا - وہین چند ہفتے پہلے اس نے اپنا سارا خاندان بھی بھیجدیا تھا - اور اپنے بیٹے یعقوب کو قیدخانہ سے نکال کے کابل کا حکمران بنادیا اور خود بلخ میں جاکے مقیم ہوگیا -

انگریزی فوج گینڈامک پر پہنچ گئی اور جلال آباد سے یعقوب سے خط وکتابت ہونے لگی - یعقوب نے شالکوٹ (کوئٹہ) - خیبر - قرم اور پشین انگریزون کے حوالے کردیئے - اس نے لوئیس کیوگنری کو بطور انگریزی سفیر کے کابل میں رہنے کی اجازت دیدی - بلخ کے راستہ مین شیر علی بالکل مجنونانہ طور سے باتین کرتا جارہا تھا - وہ کہہ رہا تھا کہ افغانیون نے میرا ساتھ نہین دیا - اور انہون نے انگریزون کی محافظت میں مجھے کچھ بھی مدد نہین دی - مین اب زار روس کے ملک مین جاؤن گا - وہان سے

کا سکون کو اپنے ساتھ لاؤں گا۔ اور اس صلہ میں کہ وہ میری مدد کرینگے۔ میں افغانوں کی عورتوں کو اُن کے حوالے کر دوں گا۔

بلخ جا کے وہ تھوڑے دنوں کے بعد فروری ۱۸۷۹ء میں اس دار فانی سے رخصت ہوا۔ کابل میں بڑے بڑے سرداروں نے تو یعقوب کی حکومت مان لی تھی۔ لیکن فوج اور رعایا کا بہت بڑا حصہ اس کے خلاف تھا میں نے تو یہ سنا کہ انگریزی سفیر متعینہ کابل اپنے کو کابل کا فرمانروا سمجھتا تھا اور یعقوب کو صلاح دیا کرتا تھا کہ فلاں معاملہ میں تمہیں کیا کرنا چاہیئے۔ افغانوں نے اس کے اس اقتدار کو بُری نظروں سے دیکھا اور انہوں نے اسپر حملہ کیا۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ کارروائی یعقوب کے اشارہ سے ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ عبد اللہ جان (ولیعہد) کی ماں نے داؤد شاہ خان کو تین ہزار کی رقم اس غرض سے دی کہ وہ کیوگنری کے ہاں رہنے سے مخالفت کرے اور اُسے مار ڈالے کہ یعقوب کا زور کم ہو جائے۔ اور وہ سلطنت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس دوسرے بیان کی کابل کے افغانوں سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔

اس وقت داؤد شاہ خان فوجی سپاہ سالار تھا اور وہ غلزئی جرگے کی بہت ادنے قوم میں سے تھا۔ اپنے بچپن میں وہ دیہہ سبز میں بکریوں کا ریوڑ چرایا کرتا تھا۔ جب اسکی بیس برس کی عمر ہوئی تو وہ کابل میں ملازم ہو گیا۔ دیہہ سبز یا سبز دیہات نواح کابل میں ہے۔ یہاں کے خربوزے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ لوئیس کیوگنری کا قتل تیسری ستمبر ۱۸۷۹ء کو ہوا جس کی وجہ سے لارڈ رابرٹس کی ماتحتی میں انگریزی فوج کابل پر بڑھی۔ تاکہ اس معاملہ کی تحقیقات کرے اور اس بزدل قوم سے اس کی عہد شکنی اور بیجا کارروائی کا پورا انتقام لیا جائے۔

یعقوب خان فوج کے استقبال کے لئے آگے بڑھا لیکن انگریزی افسر اس کی دغابازی اور مکر کو ابھی بھولے نہیں تھے انہوں نے فوراً اُسے قید کر کے دسمبر ۱۸۷۹ء میں ہندوستان بھیجدیا۔ کابل پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ اور یہ لوگ وہاں نہایت انصاف اور امن کے ساتھ حکومت کرنے لگے۔ شیر علی نے اپنی علالت اور وفات سے پہلے حاکم روسیہ کے پاس اپنے وکیل بھیجے تھے۔ اُنکے نام یہ ہیں۔ سردار شیر علی خان قندہاری۔ قاضی پشاوری۔ مفتی شاہ۔ محمد حسن۔ محمد منشی۔ ڈو یا تین فوجی حاکم اور دوست محمد مرحوم کے چند ذاتی ملازم بھی ہمراہ تھے۔ یہ لوگ سمرقند پہنچ گئے۔ شیر علی خود بلخ

میں اپنی حمایتی روسی فوجون کا انتظار کرنے لگا- ادھر حاکم روسیہ یعنی روسی گورنر شیر علی کا منتظر تھا- اس نے اپنے مہمان کے استقبال اور آرام کے واسطے بہت سے خوبصورت باغ آراستہ کر رکھے تھے- روسی انگریزون کے خلاف صدہا سازشین کر رہے تھے اور شیر علی کے استقبال کے منتظر ہی تھے کہ اس کی موت آ پہنچی اور اُسے ہمیشہ کے لئے یہان سے ناکام رخصت کر دیا- اس حادثہ نے روسیون کی ساری تدبیرون پر پانی پھیر دیا- اس کے بعد مین تاشقند چلا گیا کہ دیکھون اب کیا ہوتا ہے-

یعقوب نے نائب روسیہ کو لکھا کہ میں اپنے والد مرحوم کی تمام امیدون کو پورا کر دون گا اور جو بات قرار پا چکی ہے اُسے میں اخیر تک نباہون گا- نائب روسیہ کو یعقوب کی اس امداد سے بڑی خوشی ہوئی اور اُس نے اس کے خط کو ''سینٹ پیٹرسبرگ'' بھیجدیا- یعقوب نے اپنے خط میں یہ بھی لکھا تھا کہ مجھے ''عبدالرحمٰن'' کی طرف سے اطمینان نہیں ہے- اگر یہ سمرقند سے کہین اور بھیجدیئے جائین تو مجھے بہت خوشی ہوگی-

اس کے بعد دیکھا کہ روسیون کے برتاؤ مین کچھ فرق آ گیا ہے- مین نے بھی اپنی حالت ایسی بنالی کہ گویا اس معاملہ کی کچھ خبر ہی نہیں ہے اور سوائے دن بھر سیر و تفریح کرنے کے اُنھین کوئی ایسا کام بھی نہیں ہے-

جب مین تاشقند مین پہنچ گیا تو مجھے معلوم ہوا کہ شیر علی کے ملازم اور اس کے افسر آجکل یہین ہیں- مین نے پوشیدہ طور سے بہت سے جاسوس مقرر کئے اور اُن لوگون کی ساری کارروائی کا بھید لینا چاہا- ان جاسوسون نے آکے یہ خبر دی کہ نائب روسیہ اور شیر علی کے افسرون سے کچھ آپسمین معاہدہ ہوا ہے- مین نے گمان کیا کہ وہی روسی امداد کا قصہ ہوگا- اخیر میں سب شرطیں مجھے معلوم ہوگئین- اور وہ یہ ہین (۱) سردار شیر علی روسیون کو قندہار دے- (۲) میر منشی کابل کے قزلباشیون اور ہزارہ جات سے اُن کی مدد کرے (۳) مفتی غلزئی جرگے سے امداد پہنچائے (۴) اور قاضی صاحب نے پشاور- سوات اور باجوریون کو روسیون کے حوالے کرنا منظور کر لیا-

جب مجھے یہ باتیں معلوم ہوگئین تو مین تاشقند سے سمرقند آ گیا- شیر علی کے وکیل بھی یہین آ گئے

جب سے میں سمرقند آکے ٹھیرا تھا۔ اس وقت سے مین نے اپنے چچازاد بھائیون کو برابر اپنے ساتھ ہی رکھا۔ اب مین کچھہ اُن کی حالت بیان کرتا ہون۔ میرے چچازاد بھائی تین تھے۔ محمد سرور خان۔ سردار عزیز اور سردار حسن۔ جب وکیلون کی مذکورۂ بالا جماعت سمرقند پہنچ گئی تو سردار سرور نے میری طرف سے شیر علی قندہاری کے نام ایک خط لکھا اور مجھہ سے کہا کہ آپ اپنی مُہر کر دیجیے۔ مین نے کہا مجھے شیر علی کی ملاقات کی ضرورت نہین ہے۔ میں اپنی مہر کیون لگاؤن۔ اس کے ساتھہ کے سب بدمعاش میرے خلاف روسیون سے مل گئے ہیں۔ سرور نے کہا کہ شیر علی قرآن اُٹھاتا ہے اور قسم کھاتا ہے کہ اُسے مطلق خبر نہین۔ مجھے ہنسی آگئی اور مین نے کہدیا کہ ان لوگون کی نگاہون میں جب قرآن پاک کی عظمت نہین ہے تو پھر یہ کیا اور ان کی قسم کیا۔

مین سرور کو اس قسم کی باتین سمجھاتا رہا لیکن وہ نہین مانا اور برابر مجھسے مُہر کے لئے اصرار کرتا رہا مجھے یہ بات بہت بُری معلوم ہوئی اور مین نے غصّہ مین آکے اپنی مہر سرور کے سامنے پھینکدی اور کہدیا کہ مین اپنے ہاتھہ سے مُہر نہین کرنے کا مجھے ان بدمعاشون سے ملنے کی کوئی ضرورت نہین اور مجھے اُن سے کچھہ سروکار نہین ہے۔ اس نے اُٹھا کے فوراً اس خط پر میری مُہر کر دی اور شیر علی قندہاری کے نام وہ خط بھیجدیا۔ مین نے اس سے کہا کہ تم نے بڑی غلطی کی اور ایک دن تم کو اس کا افسوس کرنا پڑے گا۔ میرے ہمراہیوں میں ایک شخص "غازی جان محمد" تھا جو انتہا درجہ کا بے ایمان اور بدمعاش تھا۔ اس نے خوب ڈاڑھی بڑہا رکھی تھی۔ اسکی عمر بھی بہت تھی۔ وہ ڈاڑھی کی آڑ مین لوگون کو دھوکے دیا کرتا تھا اور اسی کمبخت کے ہاتھہ سرور نے شیر علی کے نام کا خط اس کے پاس بھیجدیا۔ اُس نے یہ خط پڑھہ کے سمرقند کے روسی حاکم کے پاس اُسے بھیجا۔ اور اس نے اس خط کو کاف مین نائب روسیہ کے نام روانہ کر دیا۔

پانچ دن گزر گئے لیکن اس غازی کا کوئی پتہ نہیں۔ میں نے سردار سرور سے کہا تم نے مجھے برباد کر دیا۔ مین تم کو منع کرتا تھا لیکن اخیر تم نے مُہر کر ہی دی۔ اب دیکھنا کیا ہوتا ہے۔ چھٹے دن ہم لوگ گھوڑون پر سوار باہر سیر کرنے جارہے تھے تو ایک آدمی گھوڑا دوڑاتا ہوا میرے پاس آیا اور اُس نے کہا کہ حاکم شہر اور جنرل ایاتوف کے مترجم صاحب آپکی کوٹھی پر آپ کے منتظر

ہین - مین نے سترور سے کہا دیکھا یہ سب تمہارے بیچ بوئے ہوئے ہین - سترور تو دبر مین واپس
آیا لیکن مین اسی وقت وہان گیا - مزاج پرسی کرنے کے بعد مین نے چاء پی - حاکم سمرقند نے
کہا کہ "وایسرائے صاحب تاشقند مین آپ کو یاد فرماتے ہین،" مین نے کہا - اچھا کل دس بجے
یہان سے روانہ ہو جاؤن گا - پھر حاکم نے کہا "نہین آپ کو فوراً جانا چاہیئے،" مین نے قطعی
انکار کر دیا - اور پھر وہ مجھسے رخصت ہو کے چلا گیا - اس کے بعد مین نے اپنے چچازاد بھائیون
کو بلایا اُن کو وہ باتین سمجھائین جو انہین میری عدم موجودگی مین کرنی چاہیئے تھین مین نے اُن سے
یہ بھی کہہ دیا کہ غالباً روسی اب مجھے قید کر کے تاشقند بھیجین گے - تم لوگون کو مناسب ہے اور مین
تمہین اس معاملہ مین صلاح دیتا ہون کہ تم سب کے سب یہان سے بھاگ کے بلخ جا پہنچو اور وہان
سے ترکستان کا راستہ لو - اور بلخ کی فوج اور وہان کے باشندون سے میل جول پیدا کر لو -
مین نے ان بیچارون کو بلخیون کے نام کا ایک خط بھی لکھہ کے دیدیا - بلخ کے باشندون
کو یہ لکھا تھا کہ مین اپنے چچازاد بھائیون کو تمہارے پاس بھیجتا ہون اگر تم اچھی طرح خاطر سے اُن
سے پیش آؤگے تو مین یہی سمجھون گا کہ تم نے مجھپر بڑا احسان کیا اور تمہاری یہ باتین دل سے فراموش
نہین ہون گی - مین نے اپنے نام کی انہین ایک اور مُہر بھی دیدی - شاید میرے بعد میرے نام
سے ان کو اور کہین خط لکھنے کی ضرورت پڑے اور اس کے علاوہ چار ہزار کابلی روپے بھی سفر خرچ
کے لیئے دیئے - یہ رقم پندرہ ہزار روپون مین سے جو مجھے دو مہینے پہلے نائب رسیہ سے
ہاتھہ لگے تھے بچا رکھی تھی - جو ہندوستانی روپون کے حساب سے پانچہزار کے برابر ہے -
جب ان کو سب ہدایتین کر چکا تو اپنے حرم مین چلا گیا -
آج ہی رات کے بارہ بجے حاکم شہر معہ ترجمان تین سو رسالے کے سوار اور دو سو پولیس کے
جوان لیکے آپہنچا اور اس نے میرے ملازمون کو حکم دیا کہ عبدالرحمن خان کو باہر بلا لو میرے ملازمون
نے مجھے جگا کے یہ بات مجھسے کہی - گورنر نے میری نسبت کہا کہ مین ان کے ساتھہ ضرور جاؤنگا
کیونکہ وایسرائے نے مجھے اُن کے ہمراہ ہونے کا حکم دیا ہے - مین نے اسوقت یہ کہا
کاش مجھے یہ حال معلوم ہوتا کہ اب مین قید کیا جاؤن گا تو آج ہی صبح کو کسی نہ کسی طرح آپ کے
ساتھہ چلا گیا ہوتا - مین اپنی وردی پہن کے آگے آگے ہو لیا - سوار ننگی تلوارون کا سایہ کیئے ہوئے

مجھے اپنے حلقے مین لیجا رہے تھے - ہمارے آگے آگے پولیس کے جوان تھے - مین نے اپنے ساتھ صرف دو ملازمون کو لیا - ایک کا نام فرامرز خان تھا جو اب ہرات میں سپہ سالار ہے - دوسرا جان محمد خان جو کابل مین اب وزیر خزانہ ہے -

جب مین جنرل ایانوف کی فرودگاہ مین پہنچا تو مین نے جنرل موصوف سے پوچھا کہ مجھے آپ نے کیون طلب کیا ہے - اس نے جواب دیا "جنرل کاف مین نے آپ کو تاشقند بلایا ہے اور جب آپ وہان پہنچ جائین گے تو آپ کو یہان سے جانے کا سبب خود ہی معلوم ہو جائے گا" مین نے جنرل ایانوف سے دریافت کیا کہ ایسا کیا جرم کیا ہے جس کی وجہ سے آدھی رات کو مسلح سوارون کی معرفت مجھے بلایا گیا ہے - اس نے گورنر سے کہا "کیون ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا گیا" گورنر نے جواب دیا کہ "مین اپنے ساتھ اتنے آدمی اس خیال سے لیگیا تھا کہ شاید ان کے ملازم میرا مقابلہ کرین اور اُن کو آنے نہ دین - گورنر صاحب اپنے قول کی تائید میں فرمانے لگے کہ ان کے آدمی سر سے پیر تک مسلح تھے - اگر یہ خود میرے ساتھ نہ جاتے تو مین انہیں بڑی مشکل سے یہان لاتا - جرنیل مذکور نے کہا "تم نے غلطی کی کہ ان کے ساتھ قیدیوں کا سا برتاؤ برتا - پھر اس نے جواب دیا یہ جرنیل صاحب کا قصور ہے کہ انہون نے مجھے ایسے وقت مین کیون بھیجا - مین حیران تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے - کبھی وہ اُس سے کچھ کہتا ہے کبھی یہ اُسے کہتا ہے - بالآخر جرنیل ایانوف نے مجھے مکان جانے کی اجازت دی - اور کہا کہ "مین کل گیارہ بجے دن کو ایک آدمی کے ہاتھ گاڑی بھیجون گا آپ اس پر سوار ہو کے میرے ایک ملازم کے ساتھ تاشقند روانہ ہو جائین - مین اپنے بنگلہ پر چلا آیا - دیکھا تو باغ کا دروازہ بند ہے نوکرون کو آواز دیکے دروازہ کھلوایا - معلوم ہوا کہ میرے چچازاد بھائی اور اُن کے احباب پڑے ہوئے بے خبر سو رہے ہین - انہین مطلق خیال نہیں کہ میرا کیا حشر ہوا - میرے پیچھے میری اہلیہ پروانا (موجودہ نائب سپہ سالار کی بیٹی) اور قربان علی میرا ذاتی خزانچی بس یہی لوگ مجھے یاد کر کے روتے تھے - اور وہ میری جدائی سے بہت بے چین ہو رہے تھے -

مین اپنے بھائیون اور ملازمون کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتا تھا اسوجہ سے اُن کی بے پرواہی سے مجھے کمال افسوس ہوا - حرم میں پہنچتے ہی اپنی اہلیہ کی تسلی و تشفی کی اور پھر سفر کی

تیاری کرنے لگا۔
دوسرے دن صبح کو حسب وعدہ جب گاڑی آگئی تو مین اپنے ساتھ پروانہ خان اور ناظم الدین (جو بعد ازان رسالہ کا کرنیل ہوا) کو لیکے جرنیل صاحب کے میرمنشی کے پاس پہنچا۔ اس وقت یہ لوگ خط کے لکھنے پڑھنے میں مشغول تھے۔ مین نے کہا کہ رات بھر نہ سویا نہیں ہون اگر آپ کہین تو تھوڑی دیر آرام کر لون۔ اجازت ملتے ہی آرام کرنے کے لئے لیٹا۔ بیچینی اور پریشانی سے ڈہائی گھنٹے تک کروٹین بدلتا رہا نیند مطلق نہین آئی۔ اسکے بعد چلنے کی ٹھیری۔ یہ جتانے کے لئے کہ مین حراست مین آگیا ہون۔ شیر علی قندہاری کے مکان کے سامنے سے گاڑی گزری اس وقت غصہ اور رنج کے مارے سارا جہان میری نظرون میں سیاہ معلوم ہونے لگا۔ دل میں تو آئی کہ نیچے اُترکے اپنے دشمنوں کا سر اُتارلون اور اپنی جان دینے سے پہلے دس بیس کا فیصلہ کردون لیکن فوراً ہی سنبھلگیا اور دل ہی دل مین اپنے کو ملامت کرنے لگا کہ یہ بیوقوفوں کا کام ہے عقلمند وہ ہے جو صبر کرے اور موقعہ سے اپنے دشمنون سے بدلا لے۔ یہ دنیا آفتون اور طرح طرح کی پیچیدگیون سے خالی نہین۔ تقریباً دو گھنٹے تک ہکا بکا بیٹھا رہا اس کے بعد میرے ہوش وحواس درست ہوئے اور بے چینی دور ہوگئی۔ دو دن اور ایک رات کی مسافت طے کرنے کے بعد تاشقند آیا یہان ٹھیرنے کے لئے وہی کوٹھی ملی جس مین مَین پہلے قیام کر چکا تھا بہت خوبصورت عمارت ہے ایک لاکھ ربل (روسی سکہ) مین تیار ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ایک خوشنما اور شاداب باغ اور گاڑی گھوڑے کے لئے ایک اصطبل بھی تھا۔ جس مین تیس گھوڑون سے زیادہ نہین رہ سکتے تھے سیر و تفریح کی غرض سے تقریباً ہر سال اسی مکان میں چار مرتبہ ٹھیرنے کی نوبت آئی تھی لیکن اس مرتبہ اور طرح سے آنا ہوا۔ مین حیران تھا دیکھیے اب قسمت کیا تماشا دکھاتی ہے اور میری تقدیر میں کیا لکھا ہے۔ حسب معمول یہان کے ملازم اور باورچی حاضر ہوئے۔ میرمنشی اور ترجمان صاحب رخصت ہوئے۔ دو تین روز تو کچھ معلوم نہین ہوا کہ عملے والے کیا کر رہے ہیں۔ اس کے بعد میرمنشی صاحب میرے ہان تشریف لائے اور معمولی تعظیم و تکریم کے بعد گورنر صاحب کا پیغام کہا۔ ہم دونون گاڑی میں سوار ہوئے اور فوراً اُن کے پاس پہنچ گئے معمول کے موافق میری خاطر کی گئی۔

گورنر نے اپنے پاس بٹھا کے مجھسے سفر کا حال پوچھا۔ جب مین نے کہا مجھے معلوم نہین کیونکر آنا ہوا تو وہ ہنسا اور کہنے لگا سمرقندی آپ کی شکایت کرتے ہین۔ اس کے بعد ایک خط نکال کے مجھسے کہا دیکھو یہ کیا چیز ہے مین نے کہا مجھے دیجے۔ دیکھنے سے معلوم ہوا یہ وہی خط تھا جو سردر نے شیر علی قندہاری کے نام بھیجا تھا۔ مین نے جواب دیا اگرچہ یہ خط میرے ہاتھ کا لکھا ہوا نہین ہے لیکن مُہر میری ہی ہے۔ گورنر نے اس کا سبب دریافت کیا۔ مین نے جواب دیا اگر اس خط مین آپ کی گورنمنٹ کے خلاف کوئی بات لکھی ہو تو بیشک مین اسکا جواب دہ ہون۔ لیکن کیا روزمرہ کی معمولی خط کتابت سے بھی مین گیا گزرا ہوا۔ وہ یہ سُن کے خاموش ہوگیا۔ اس کے بعد جب اس نے پھر کہا آپ کو خط لکھنے سے پہلے مجھ سے اجازت لینی چاہیئے تھی۔ تو مین نے یہ جواب دیا جناب تو اتنی دور بیٹھے تھے مین اجازت کس سے لیتا۔ جواب آنے سے پہلے افغانی سفارت بلخ روانہ ہوجاتی۔ یہ کہکے مین نے خط کو چاک کر ڈالا۔ پھر وہ میری طرف دیکھکے کہنے لگا،، اچھا آپ سمرقند تشریف لیجائیے۔ آپ کے متعلقین پریشان ہون گے،،

گورنر سے مین نے تاشقند مین رہنے کا خیال ظاہر کیا۔ اور کہا سمرقند مین میری سخت توہین ہوئی میرے ساتھ قیدیون کی طرح پیش آئے۔ اب وہان ہرگز نہین جانے کا۔ یہ سُن کے اُس نے کہا آپ کوئی مکان پسند کرلین۔ اس سے میرا یہ منشا تھا کہ جب موقع ملے مجھے افغانستان پہنچنے مین آسانی ہو اور ایک ایسی جگہ پر مقیم رہون جہان سے افغانستان قریب رہجائے۔ بہرحال ایک مکان پسند کیا۔ وہان ایک رات رہنے کے بعد اپنے متعلقین کو یہان لانے کے لئے سمرقند چلا گیا۔ اخیر اُنہین لاکے مین رہنے لگا۔

اس کے بعد افغانستان جانے کی تیاری سرگرمی سے کرنی شروع کی۔ جنرل کاف مین سے کہہ سُن کے حکومت روسیہ کی طرف سے اپنے وطن واپس جانے کی منظوری حاصل کرلی۔ ایک روز یکایک بغیر کہے سُنے غائب ہوگیا۔ اور بعض سوداگرون سے جنہون نے روپے دینے کا وعدہ کیا تھا ملنے کے واسطے چلا گیا۔ مین یہ بھی دیکھنا چاہتا تھا کہ میرے پیچھے آدمی دوڑائے جاتے ہین یا نہیں۔ سوداگرون سے دو ہزار ساورن قرض (انگریزی سکہ) لئے۔ مجھے کسی نے بھی نہین دیکھا اور مین خوشی خوشی واپس آگیا۔ مکان پر پہنچ کے کیا دیکھتا ہون کہ میرے تمام ملازم بڑی پریشانی سے

اِدہر اُدہر مجھے تلاش کر رہے ہین اور سردار عبداللہ خان بڑی مایوسی سے دروازہ پر منتظر ہے جب مین نے اُسے پکارا تو وہ خوش ہو کے سلام کرنے کے لئے آگے بڑہا۔ روپے عبداللہ خان کو دیکے مکان مین داخل ہوا۔ وہ پوچھنے لگا یہ روپے کہان سے آئے۔ مین نے کہا قرض لئے ہین۔ کسی سے کہنا نہین ورنہ بڑی آفت آئے گی۔

دوسرے دن ایک گاڑی کرایہ کی اور جس بازار مین گھوڑے فروخت ہوتے تھے وہان جا پہنچا۔ تمام آدمیون نے سلام کیا۔ گھوڑون کے سوداگر میرے سامنے حاضر ہوئے اور مین نے سو گھوڑے اُن سے خرید لیئے۔ میرے سپاہیون اور ساتھیون کو زین اور گھوڑے کے سارے سازوسامان کی ضرورت تھی اس لئے عبداللہ کو اُن کی خریداری کے لئے بھیجا۔ غرض کہ اس ڈھنگ سے تین دن مین سفر کی ہر طرح سے تیاری ہو گئی۔ چوتھے دن جمعہ تھا نماز کے بعد اپنے ملاقاتیون اور احباب سے رخصت ہو کے روانہ ہوا۔ آج کی رات میرا پڑاؤ دریائے چلچیک کے کنارے ہوا۔ دوسرے دن صبح کو جس راستہ پر مین نے اپنی نئی منزل کے لئے بسم اللہ کہی وہ جدید شہر کی طرف جاتا تھا جہان مجھے خدا کی طرف سے ایک عجیب بات پیش آئی۔ معلوم ہوتا تھا میرے پیچھے بہت گھوڑے چلے آرہے ہیں۔ اُن کی تعداد تقریباً بیس ہزار ہو گی۔ جب وہ قریب آگئے تو انکی ٹاپون کی آواز زور زور سے آنے لگی۔ اور یہ دکھائی دیا کہ وہ سب کے سب میرے ساتھیون مین مل گئے اور پانچسو گز تک ساتھ چلنے کے بعد غائب ہو گئے۔ مین نے اپنے دل مین اس سے یہ خیال کیا کہ خدا نے میرے لئے راستہ صاف کر دیا اور اب میری کامیابی یقینی ہے۔ دریا کے قریب ایک مقام پر پہنچ کے ٹھیر گیا۔ روسی شہر کے حاکم نے دعوت کی۔ پہلے تو میری طرف سے انکار ہی ہوتا رہا لیکن اخیر قبول کرنی پڑی۔ کھانا کھاتے وقت اس نے پوچھا " روسیون نے آپ کو سفر خرچ کے لئے کتنے روپے دیئے ہین " مین نے جواب دیا بڑی مہربانی ہوئی کہ انہون نے مجھے وطن جانے کی اجازت دے دی۔ مجھے اور کسی چیز کی حاجت نہین تھی۔ خدا بڑا مسبب الاسباب ہے وہی میری تمام ضرورتون کو پورا کرے گا۔ یہ سُن کے روسی حاکم شہر نے دوسرے کمرہ سے پانچ ہزار کی رقم لا کے میرے حوالے کرنی چاہی۔ جب مین نے انکار کر دیا اور اُسے یقین ہو گیا کہ مین نہین لینے کا تو ایک چھ نلا طمنچہ اور ایک برجلوڈر بندوق

بطور اپنی نشانی کے میری نذر کی۔ اس کا یہ تحفہ قبول کر لیا۔ اور بڑے مزے سے
اس کے ساتھ یہ شب بسر ہوئی۔
صبح ہوتے ہی کرنیں موصوف اور بعض احباب جو تاشقند سے آئے تھے رخصت ہوئے اور
مین یار مپتی کی طرف روانہ ہوا شام کو کچھہ رات گئے اس قصبہ مین پہنچ گیا دو دن یہان آرام
کیا۔ یہان سے پاسکیٹ مین تین دن ٹھہرنے کے بعد جنیتاک لی کے گاؤن مین داخل ہوا
اس کے دوسرے دن مقام خوخند آیا۔ یہان ایک دوست کے ساتھ چھہ روز تک
ٹھیرنا پڑا۔
تین روز کے بعد بازار مین گھوڑون کی خریداری کے واسطے گیا۔ یہان کچھہ اچھے گھوڑے نہین
ملے۔ پھر لوگون سے پوچھا اچھی نسل کے گھوڑے کہان مل جائین گے۔ میرے پاس ایک آدمی
کھڑا تھا اس نے مجھے چار اور قہوہ پینے کی درخواست کی۔ مین نے اس کے ہان جا کے چار
پی۔ روسیون کے آنے سے پہلے یہ خوخند کا سردار تھا۔.......
.......روسیون کے جب دور دورے ہوئے تو یہان کے تمام بڑے بڑے
سردار اور رئیسون کے درجے توڑ دیئے گئے اور اس لئے یہ بیچارے سردار سوداگرون کی
طرح دکان کھول بیٹھے تھے اور دکانداری کرتے تھے۔ میرا جدید میزبان اور دکاندارون
اور سردارون کو میری ملاقات کی غرض سے بلا لایا۔ اور گھوڑون کی طرف سے میرا اطمینان
کر دیا۔ یہ لوگ اسی وقت سو گھوڑے میرے لئے لائے۔ جن مین سے مین نے تیس ۳۰ خریدے
اور ہر طرح سے میرے ساتھ اپنی عقیدت مندی اور اتحاد کا اظہار کیا۔

چھٹا باب ۶

بدخشان کا قیام
سنہ ۱۸۹۰ء

تین دن خوخند مین رہ کے مین پھر آگے روانہ ہوا۔ پہلے تو کوکند کی طرف جانے کا ارادہ کیا
لیکن جب معلوم ہوا تمام درے اور راستے برف سے ڈھکے ہوئے ہین تو اراتیپی کا راستہ لیا

میر جہاندار شاہ کے صاحبزادون کے پاس جو کوکند مین رہتے تھے ایک قاصد کے ہاتھ چار ہزار روپے بھجوائے اور اپنے اوراتوپی جانے کا حال بھی کہلا بھیجا اور فی الحال کوکند مین ٹھیرنے کی ان کو ہدایت بھی کر دی - یہ معلوم رہے کہ میر جہاندار میرے خسر ہوتے تھے - شیر علی نے اس مظلوم کو وطن سے نکالدیا تھا - اخیر اس کے لڑکون نے اُسے جان سے مار ڈالا جسکی سزا یہ ملی کہ روسیون نے انہین قید کر لیا - لیکن میری سفارش اور ضمانت سے رہا ہو گئے تھے -

پہلی منزل طے کر کے مین مقام بیساد پہنچا - راستہ خراب اور رات بہت اندھیری تھی - دوسرے مین مسافرانہ حالت مین تھا اس لئے ایک دوکان پر ٹھیرنے کی درخواست کی اور دُکان والے سے کہا مین ایک اسلامی سردار ہون بازار والے بڑی خاطر سے پیش آئے - سب نے میرے ایک ایک سوار کو اپنے ہان ٹھیرالیا - اسی طرح ایک صاحب نے مجھے بھی اپنے ہان جگہ دی - ان لوگون نے خوب مہمان نوازی کی - صبح کے وقت ہمارے ناشتہ کے لئے روٹیان اور دوسری قسم کے کھانے پیش کئے - دو دن کے سفر کے بعد اوراتوپی پہنچ کے مین ایک سرائے مین ٹھیر گیا - اسجگہہ کے ہندو باشندے اور بڑے بڑے سوداگر میرے ہان حاضر ہوئے اور مجھسے اپنے ہان ٹھیرنے کے لئے بے انتہا اصرار کیا - لیکن جب مین مجبور رہا تو اپنے خاص خاص افسرون کو ان کے ساتھ کر دیا اور بجائے میرے وہ وہان جا کے ٹھیر گئے - میرا ایک دوست جو نامی سوداگر تھا وہ میرے یہان آنے کا حال سنکے آیا - جب اس نے بہت اصرار کیا تو مجبوراً مجھے اس کی بات ماننی پڑی - پھر یہاں سے اپنے چچازاد بھائیون کو اطلاع دی کہ بلخ کی روانگی کا وقت آگیا ہے اور جس طرح مین ہدایت کر آیا ہون اس پر بھی عمل کرنا ضروری ہے - اوراتوپی مین بارہ روز قیام کیا - خلعت اور ضروری سامان خریدنے مین سوداگرون نے بھی ہر طرح سے میری مدد کی -

اب یہان سے درہ اوچی کا راستہ لیا - یہ پہاڑ کی طرف بہت دور تک چلا گیا ہے اور سمرقند سے آنیوالے یہین سے ہو کے آتے ہین - یہ درہ حصار اور کلاب کے قریب ہے - جاڑے مین برف کی کثرت سے یہان سے آنا جانا محال ہے - مین نے چاہا کہ اس راستے سے بدخشان پہنچون - لیکن جب پہاڑ سامنے آیا تو دیکھا وہ سر سے پیر تک برف سے ڈھکا ہوا ہے - دوسرے دن ہم اس کے دامن مین پہنچے یہ پہاڑ اس قدر بلند تہا کہ مجھے خوف معلوم ہونے لگا - خدا پر بھروسہ کر کے مین

اوپر چڑھنے لگا۔ جب چوٹی کے پاس پہنچا تو ہوا بہت تیز تھی۔ سردی کے مارے ہاتھ پیر یخ ہو گئے گھٹنوں گھٹنوں برف تھی۔ گھوڑوں کا بھی بُرا حال تھا۔ اُن کے پیر پھسلے جاتے تھے دُم پکڑ پکڑ کے آگے بڑھانا پڑتا تھا۔ پہاڑ پر تین چار میل کی چڑھائی طے کرنے کے بعد سب کے چھکے چھوٹ گئے۔ مین اپنے ساتھیوں کے دل بھی بڑھاتا جاتا تھا لیکن کیا ہوتا تھا۔ بعض کو تو اس غضب کی سردی نے بالکل بیکار کر دیا۔

مین نے اپنے مؤذن سے "اللہ اکبر" "اللہ اکبر" کی آواز بلند کرنے کو کہا۔ سات مرتبہ یہ آواز سُنائی دی ہو گی کہ خدا کے فضل سے ہوا کا زور کم ہو گیا۔ اور سردی کا وہ زور شور بالکل جاتا رہا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہماری جان بچالی۔ معلوم ہوتا تھا میرے دونوں کندھے گھوڑے کی دُم کھینچنے سے اُتر گئے ہین۔ لیکن کیا کرتا آگے بڑھا چلا جا رہا تھا۔ ساتھ کے آدمیوں میں سے صرف مین اور دس سوار اور چوٹی تک پہنچ گئے۔ جب میرے پیرون نے جواب دیدیا تو برف ہی کے اوپر بیٹھ کے چوٹی کے اُس پار نیچے کی طرف پھسلنا شروع کیا۔ غرض کہ خدا خدا کر کے اس ڈھنگ سے نیچے اُترا۔ میرے پانچ آدمی مجھ سے پہلے پہنچ چکے تھے۔ پہاڑ کے دامن مین تین سو بستی والے لکڑی کے گٹھے لیئے ہوئے کھڑے تھے۔ میرے پہنچتے ہی انہوں نے آگ جلائی اور مجھے گرمی پہنچانے لگے۔ گاؤن کے مستعد آدمی پہاڑ پر میرے ساتھیوں کی جان بچانے کے لیئے چڑھ گئے اور مجھے بھی اپنے گھر مین لیجا کے ٹھیرایا۔

جسوقت مین پہاڑ کے دامن مین پہنچا تہا۔ دہوپ خوب اچھی طرح نکلی ہوئی تھی۔ جب مجھے نیچے اُتارا تو غشی کے عالم مین معلوم نہین ہوتا تہا کہ مین کہان جا رہا ہون۔ ان سیدہے سادے دہقانیون نے مجھے اپنے مکان مین لیجا کے ٹھیرایا۔ شام تک سوتا رہا۔ جب آنکھہ کھُلی تو سارے بدن مین درد تہا۔ بڑی مشکل سے قدم اُٹھایا جاتا تھا۔ معلوم ہوا کہ میرے سب ساتھی خیریت سے ہین مین نے ہر گاؤن والے کو ایک ایک اور اُن کے مالکون کو پانچ پانچ سا درن اور خلعت دی وہ بہت خوش ہو گئے۔

دس روز اس گاؤن مین قیام ہوا۔ میری تو یہ مرضی ہوئی کہ اب یہان سے حصار کا راستہ لون۔ مگر جب یہ معلوم ہوا کہ راستہ مین ایسے ایسے ابھی اور چار پہاڑ ہین۔ تو مین نے سمرقند جانیکا

قطعی فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ ادھر سرف ایک پہاڑ تانجر نامی پڑتا تھا۔ لیکن اس کے ساتھ وسل خطرناک مقامات بھی طے کرنے ہوتے تھے فقیور۔ پلشک۔ وارض مینور۔ لق لق پشکندہ ہون اور جنات وغیرہ۔ لوگ یہان تک خائف ہین کہ جنات اور مومن کی راہ کو پل صراط کہتے ہین۔ کیونکہ جنات مین بے انتہا برف پڑتی ہے۔ اور وہان سے بچکے نکلنا بہت مشکل ہے۔ پنجکد مین دو دن ٹھیرنے کے بعد آگے بڑھا اور کارا۔ تراش۔ سنغیان کی بستیون سے ہوکے اسی طرح ٹھیرتا ہوا مذکورہ بالا مقامات ایک عجیب پریشانی اور ناامیدی سے طے ہو گئے۔

مین اپنے ساتھ پیر خواجہ افرار کے مزار شریف تک مقدس جھنڈا بھی لایا تھا جسے کئی برس پہلے مین خواب مین بھی دیکھ چکا تھا۔

بزرگ خواجہ کی روح نے خواب مین مجھسے یہ کہا تھا "اے میرے عزیز میرے مزار کا سب سے اونچا جھنڈا لیجا۔ جب تو افغانستان جانے لگے تو اسے اپنے ساتھ رکھنا۔ اسکی وجہ سے تو کامیاب ہوگا اور فتح ونصرت تیرے ہمرکاب ہوگی" مین نے خواجہ کی روح کے لئے اللہ کی راہ مین دو بکرون کی قربانی کی اور نماز ادا کی۔ یہ جھنڈا ہوا مین اڑاتا ہوا شہر سبز کی طرف بڑھا۔ اور ایک چھوٹی سی بستی جوز نامی مین پہنچا جہان گورنر نے میرا استقبال کیا۔ شاہ بخارا نے اس کمبخت کو پہلے ہی ایک خط مین لکھ بھیجا تھا کہ عبدالرحمن روسی حکومت سے بھاگ کے آتا ہے۔ کوئی اس سے خرید و فروخت کا معاملہ نہ کرے۔ استقبال کرتے وقت گورنر نے مجھ سے یہ کہا "میرے ظالم اور کافر بادشاہ نے ایسا حکم دیا ہے اس لئے مین آپ سے علیحدہ ہوتا ہون"

مین نے کہا آپ کیون گھبراتے ہین خدا میرا مددگار ہے۔ دیکھا تو سب بستی والے ہمارے مخالف ہو رہے تھے۔ مین ایک مسجد مین ٹھیر گیا اور اپنے ساتھیون کو دریا کے کنارے رہنے دیا۔ ہم لوگون نے زمین پر سے برف کے ٹکڑے ہٹا دیئے اور وہان اپنے گھوڑے باندھ دیئے اور مسجد کی چھت پر چڑھ کے گاؤن کے رہنے والون سے یون مخاطب ہوئے "اے بستی کے رہنے والون اگر تم ہمارے ہاتھ اپنا مال و اسباب فروخت کروگے تو ہم مشکور ہون گے۔ ورنہ ہم زبردستی کرین گے۔ اگر تم فساد کرنا چاہتے ہو تو یہان بھی ہر طرح سے مستعد ہین۔ تم مسلمان ہو۔ بہتر ہے کہ ہم اور تم دوست بنے رہین۔ اور ہمارے آدمیون اور گھوڑون کے لئے

سامان خرید وا دو"۔ اس کے بعد مین نے اپنے آدمیون کو گاؤن مین داخل ہونے کا حکم دیا۔
وہان کے رہنے والے میرے سامنے قرآن پاک لائے اور التجا کی کہ ہمارا مال و اسباب نہ لوٹیئے
اب ان بیچارون کو اپنے ظالم بادشاہ کی حکم عدولی کا ایک حیلہ ہوگیا۔ سب نے ملکے ہمارے
کھانے پینے کا سارا سامان خرید وادیا۔ مجھسے کہنے لگے "ہم لوگ آپ کے دادا دوست محمد کے
خیرخواہون مین ہین۔ ہم ہر وقت آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہین۔
یہان کے سردارون کے ساتھ یہ رات بسر ہوئی۔ دوسرے دن صبح کے وقت شہر سبز روانہ
ہوا۔ اس کے قریب ایک زبردست بزرگ خواجہ عام خانہ کا مقبرہ ہے۔ بس اس جگہہ ٹھیر کے
شاہ بخارا کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا۔ مین ناچیز بندہ سردار عبدالرحمن اپنے چچا صاحب معلے
القاب کی خدمت مین عرض کرتا ہون کہ یہ خاکسار اس مقدس مقام مین داخل ہوگیا ہے۔ اور
افغانستان جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر آپ مجھے اسکی اجازت دینگے تو مین قدمبوسی کے لئے حاضر
ہونگا۔ اسکے بعد اپنے وطن مالوف روانہ ہونگا" دوسرے ہی دن اسکا یہ جواب ملا۔
"خدا کے واسطے تم یہان نہ آؤ۔ مین تم سے نہین ملنا چاہتا" مین نے اپنے دل مین کہا کہ اب
اپنے چچا کا منہ ہرگز نہین دیکھون گا۔ وہ روسیون سے ملا ہوا ہے۔ بجائے شہر سبز کے مین
یعقوب باغ چلا گیا۔ اچھا ہوتا اگر پہاڑ کے دامن ہی دامن مین ہمارا سفر ہوتا۔ آدھی منزل پر پہنچ کے
کچھہ فاصلہ پر دو تین ہزار گائین چرتی ہوئی دکھائی دین۔ میرے ساتھیون نے سمجھا شاہ بخارا
نے ہماری مخالفت کے لئے سوار بھیجے ہین۔ اسلئے وہ دوسرے راستے سے چلنے لگے حالانکہ
مین منع کر رہا تھا۔ چار میل کے فاصلہ سے وہ گائے بیل ہماری طرف آتے ہوئے معلوم ہوئے
شہر کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے کہ ہم لوگ آنے سے باز رکھے جائین۔ خاص میرے
بہت سے ساتھی اور مصاحب جو سمرقند مین چھوٹ گئے تھے وہ اب شاہ بخارا کے ہان ملازم
ہو گئے تھے۔ اس کو خوف تھا کہ کہین یہ لوگ مجھہ سے علیحدہ ہو کے عبدالرحمن سے نہ مل جائین بخش
اسی وجہ سے اس نے مجھے آنے سے روکا اور میرے ساتھیون سے کہدیا اب وہ لوگ آرہے
ہین۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سب مل گئے اور اُنھون نے میری دعوت کرنی چاہی جب شہر کا صدر
دروازہ وہ بند پایا تو دوسرے دروازہ پر گیا۔ اتفاق سے میرا ایک قدیمی ملازم باہر کھڑا ہوا تھا۔

مین نے اس کو اپنے ان آدمیون کے نام کی جو شہر مین موجود تھے ایک چٹھی لکھ کے دیدی۔ مضمون یہ تہا کہ اب مین افغانستان جا رہا ہون اگر تم سے ہو سکے تو مجھ سے شام تک مل لو۔ ورنہ مین یارتیپی چلا جاؤنگا۔

اس آدمی نے یہ خط پہنچا کے جرنیل نظیر۔ قاضی جان محمد وغیرہ کو دیدیا۔ ان مفسدون نے میرا خط چھپا کے رکھہ لیا۔ میرے اور ساتھیون کو نہین دکھایا۔ سخت انتظار کے بعد آخر کار یارتیپی روانہ ہوگیا اور ایک لمبے چوڑے سفر کے بعد تین بجے دن کو یہان پہنچ گیا۔

مین یہان دو روز تک ٹھیرا رہا۔ شہر سبز سے بھاگ کے میرے دس ملازم بھی مجھ سے آ کے مل گئے۔ وہ کہتے تھے ہمین کسی نے خط نہین دیا۔ یہ سنکے اپنے افسرون کی اس بیہودگی پر مجھے سخت افسوس ہوا۔

تین دن کے بعد ایک اور مقام کی طرف روانہ ہوا جسے "قلتا بینار" کہتے ہین۔ شاہ بخارا نے میری نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لئے اپنے سو سوارون کو بھی میرے پیچھے دوڑایا۔ جب مین شام کے وقت یہان پہنچا تو ان سوارون کو دریا کے کنارے دیکھا۔ فوراً ہی اپنے جوانون کو فیر کرنے کا حکم دیا۔ دس یا پندرہ مارے گئے اور باقی اُلٹے پیرون بھاگے۔

اس معرکہ کے بعد مجھے یہ مناسب معلوم ہوا کہ اب یہان سے آگے بڑہنا چاہیئے۔ خوب کڑاکے کا جاڑا پڑ رہا تھا لیکن دل مضبوط کر کے تین دن کے سفر مین کراہ خواہ۔ چیلیک۔ شراب ہوتا ہوا آخر کار دوسرے دن سونے کے وقت مقام ہندا مین جا پہنچا۔ آخرالذکر دونون شہر حصار مین ہین۔ یہان سے بیسون اور سرائے آسیا۔ پورکی اور ریگار ہوتا ہوا حصار آگیا۔

یہان پہنچ کے مجھے معلوم ہوا کہ ولیعہد صاحب یہین تشریف رکھتے ہین لیکن میرے آنیکا حال سُن کے کراہ داغ کے پہاڑ کی طرف کوئی شہر ہے وہان چلدیئے سارے حصار مین سوائے ایک سرائے کے اور کوئی صاف ستھری جگہہ ٹھیرنے کے قابل نہین ہے جہان شرابی اکثر جمع ہوتے ہین ناچار مین یہین ٹھہر گیا۔ بادشاہ اور اس کے ولیعہد نے غریبون کو بڑا ستا رکھا تھا۔ دوسرے ہمیشہ میری مخالفت ہی کرتے رہے۔ اس لئے مین نے خاص اُن کے اور یہان کے مقامی حکام کے بھی سارے گھوڑے ضبط کرنے کا ارادہ کر لیا۔ سردار عبدالصمد خان

کو اس کام کیلئے مقرر کیا کہ وہ یہان کے باشندون کو سمجھاوے اور اس بات کا انھین اطمینان دلاوے کہ ان کا بادشاہ ہمارا دوست ہے۔ محض روسیون کے خوف سے وہ اِس طرح پیش آیا ہے۔

سردار مذکور نے ان کے نام کا ایک خط لکھا۔ سردار عبداللہ خان کو سمجھا دیا گیا کہ جب شہر والے میری ملاقات کو آئین تو تم اس کمرہ کے پاس آ کے جہان پردہ پڑا ہے کھڑے ہو جانا۔ پردہ اُٹھا کے مجھے جھک کے سلام کرنا اور یہ عرض کرنا "حضور آپ کی قدمبوسی کے لئے یہ لوگ حاضر ہین اور یہ گھوڑے معہ زین کے آپ کی نذر کرنا چاہتے ہین" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس ترکیب سے ان کے چھہ گھوڑے میرے ہاتھہ لگے اور مین دریائے جیحون کی طرف روانہ ہو گیا۔ چلتے وقت خط کے ذریعہ سے ان لوگون کے بادشاہ کی مہربانی کا شکریہ ادا کیا اور اس کے سردارون کی بھی خاطر مدارات کا خاص طور سے ممنون ہوا۔ مین نے یہ لکھا جب روسیہ آپ کا دشمن ہو اسوقت کابل آپ کی مہمان نوازی اور استقبال کے لئے حاضر ہے۔ ایک رات حصار شادمان مین۔ دوسری تانگی کاک مین بسر ہوئی۔ آگے بڑھ کے کرغان تیپی مین چھہ دن پڑا رہا اور پھر خواجہ گلگون کی راہ لی۔ اس جگہ مجھے پیٹ کے درد سے حیران ہونا پڑا۔ خدا کا شکر ہے کہ تین دن مین دوا کھانے سے مین بھلا چنگا ہو گیا۔

جب مین یہان پہنچ گیا تو لوگون سے یہ معلوم ہوا کہ شاہزادہ حسن (میر شاہ کے لڑکے) اور اس کے دو چچازاد بھائیون نے یعنی میر یوسف علی اور میر نصر اللہ نے رشطک۔ کتغان۔ اور بدخشان آپس مین تقسیم کر لیا ہے اور بندوبست کیا ہے کہ حسن فیض آباد کے صوبے پر۔ یوسف رشطک پر اور نصر اللہ کتغان پر حکومت کرے۔ مین نے اپنے ملازم میر عالم کے ہاتھہ گلگون آنے کا حال حسن سے کہلا بھیجا۔ شاہزادہ حسن میرے خسر کا بھائی ہوتا تہا۔

اس خط کی روانگی کے بعد دریائے جیحون کے کنارے شجاع آب آباد سے وہان چلا گیا۔ یہ گاؤن رشطک کے سامنے آباد ہے۔ دو دن کا راستہ طے کرنے کے بعد اس گاؤن مین پہنچا۔ تیسرے دن شام کے وقت دریا کو عبور کیا اور رشطک مین داخل ہو گیا۔

شاہزادہ حسن کو میرا آنا برا معلوم ہوا اور میرے قاصد کو قید کر کے لکھہ بھیجا دریا عبور کرنے کی

کوئی ضرورت نہین ہے۔ مین نے قسم کھائی ہے کہ اگر میرے ملک کی زمین پر افغانیون نے ایک قدم بھی رکھا تو مین اس زمین کے ٹکڑے کو ناپاک سمجھ کے اپنی حکومت سے باہر سمجھون گا اور آپ لوگون کو بھی شہر سے باہر نکال دون گا۔ یہ خط مجھے اسی گاؤن مین ملا جس کا میری طرف سے یہ جواب دیا گیا۔

اے بے وقوف۔ اے محسن کش بد باطن سُن۔ برسون مین نے تیری اور تیرے بھائی کی پرورش کی۔ تیرے ذلیل خاندان سے تعلق پیدا کیا کہ تو کسی دن میرے کام آئے گا مجھے اپنی غلطی اور تیری ساری کیفیت معلوم ہو گئی۔ یاد رکھہ اگر مجھے موت کا خوف ہوتا تو آج مین یہان تک ہرگز نہین پہنچتا۔ اے بُزدل کان کھول کے سُن لے کل کی آنے والی صبح میرا تیرا فیصلہ کر دیگی اور تجھے معلوم ہو جائیگا کون زبردست ہے "

آج رات کو شاہزادہ نے دریا کے کنارے ایک ہزار سوار میری روک تہام کے لئے مقرر کر دیئے جب خوب اندھیرا ہو گیا تو میرے بیس سوارون نے ذرا پیچھے ہٹ کے ایک طرف سے ان کمبختون پر فیر کئے۔ وہ یہ سمجھہ کے ہمارے مقابلہ مین کوئی بڑی فوج ہے فوراً بھاگ گئے۔ چھہ سوار دن کو ہم نے گرفتار کر لیا۔ میرے پاس کل سو سوار اور دس آدمی علم بردار تھے۔ اور دوسرے دن مجھے بارہ ہزار دشمنون کا مقابلہ کرنا تہا۔

مین جانتا تہا کہ دنیا کی غیر معمولی شجاعت اور بے جگری بھی اس موقعہ پر کام نہین دے سکتی۔ لیکن مین اپنی جان پر کہیل گیا تہا۔ اور میرے دل مین ایک عجیب طور کا جوش پیدا ہو گیا تھا۔ مصیبت زدون کی حمایت کا جوش مجھے مجبور کر رہا تھا اور کلام پاک کی وہ آیتین یاد آتی تہین جن مین حق کی حمایت کرنے والون کو ربانی انعام کی بشارت دی گئی ہے۔ اس لئے میری نظرون مین دس ہزار اور دس لاکھہ سب برابر تہے۔ ربانی جوش اور عشق کی آگ میرے دل مین لگی ہوئی تھی۔ شہادت سے دل باغ باغ ہوا جاتا تہا کہ کل کے دن اللہ کی راہ مین مجھہ جیسے ناچیز کی جان کام آئیگی۔ مجھے خیال تہا اگر اس دفعہ بچگیا تو بدخشان اور کتغان والے میرا فیصلہ کر دین گے اگر ان سے بچکے نکلا تو انگریزی فوج سے مُٹھہ بھیڑ ہو گی۔ ان باتون نے مجھے زندگی سے مایوس کر دیا تہا۔ اور میری نظرون مین اپنی جان کی کچھہ حقیقت نہ رہی تھی مگر جس ناچیز بندے کو قادر مطلق

اپنی حفاظت مین لے اُس کے آگے تمام دنیا ہیچ ہے۔ رفتہ رفتہ میرا دل ایسا مضبوط ہوگیا کہ اگر سارے جہان کی فوج میرے سامنے آجاتی تو بھنگے سے زیادہ وقعت نہ رکھتی۔ اُسے شجاعت اور دلیری نہین سمجھنی چاہیئے یہ ایک خاص جوش ہے جو خدا نے میرے دل مین پیدا کر دیا تہا۔ اب مین صاف صاف ایمان والون کو بتاتا ہون کہ میرے ساتھ کیا کیا واقعہ پیش آیا۔ اور وہ یہ ہے کہ اگر تم بارگاہ صمدی مین سچے دل سے حاضر ہو اور خدا کی راہ مین صدق دل سے خدمت کے لئے موجود ہو تو کامیابی یقینی ہے یہ عمر بھر کا میرا ذاتی تجربہ ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے آج مین بادشاہ ہون۔

دوسرے دن صبح کو "نصر من اللہ" کے انتظار مین مین شاہزادہ حسن کی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے آگے بڑہا۔ بارہ میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد مین نے دیکھا کہ بارہ ہزار جوان۔ بارہ جھنڈے ہوا مین اُڑاتے ہوئے میری طرف بڑہتے چلے آرہے ہین۔ جب اس ٹڈی دل فوج سے ایک میل فاصلہ رہ گیا تو ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے جادو کر دیا۔ سب کے سب تتر بتر ہوکے بھاگنے لگے۔ مین حیران تہا کہ یہ کیا اسرار ہے۔ تھوڑی دیر مین میر بدخشان کے سوارون کا ایک دستہ جو شاہزادہ حسن کا چچا زاد بھائی تہا اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوا میری طرف بڑہا۔ مین نے اپنے آدمیون کو آگے نہین بڑہنے دیا۔ خود چند سردارون کے ساتھ سوارون کے آنے کا سبب پوچھنے کے لئے آگے بڑھ گیا۔ قریب پہنچ کے اُنہون نے کہا ہم سردار عبدالرحمٰن کی قدمبوسی کے لئے حاضر ہوئے ہین۔ مین نے جواب دیا اگر تم لوگ اس کی حکومت مانتے ہو تو دو دو چار چار ہو کے ایک دفعہ آؤ۔ چند سردار میرے ساتھ ہو لئے۔ جب انہین معلوم ہوا کہ مین عبدالرحمٰن ہون تو سلام کے لئے آگے بڑہے۔ مجھہ سے پوچھنے لگے کیا آپ شاہزادہ حسن کی فوج کا ستیاناس کرنا چاہتے ہین۔ مین نے کہا مسلمانون کی گردنین مارنیکے لئے نہین آیا بلکہ جہاد کی غرض سے آیا ہون۔ اگر یہ کل سپاہی جو ادہر اُدہر بھاگ رہے ہین میرے ساتھ ہو جائین تو یقینی مین انگریزون کا مقابلہ کرون۔

رشطاک پہنچ کے شہر کے باہر میر کے قلعہ مین ٹھیر گیا۔ یہین بڑے بڑے سردار تحفہ تحائف لیکے حاضر ہوتے اور میرے ساتھ دوستانہ تعلقات کا اظہار کرتے۔ مین نے ان کو خلعتین بخشین

اور وہ میرے جان نثار رعایا ہو گئے۔

ایک عقلمند کے لئے یہ سوچنے کا مقام ہے کہ ایک دن مین بیس ہزار آدمی کیونکر میرے شیدائی بن گئے مگر نہین۔کوئی تعجب نہین ہونا چاہئے۔تمام آدمیون کے دلون کی کنجی خدا کے ہاتھ مین ہے۔آج اس نے سب کے دلون کو میری طرف پھیر دیا۔

تمام رعایا اور سردار ایک جرگے کی صورت مین میرے سامنے حاضر ہوئے اور نذرانہ پیش کیا مین نے حکم دیا میر بابا جان کی ماتحتی مین دو ہزار سوار اور ایک ہزار جانباز سپاہی دو چار دن مین جمع ہون اور فیض آباد کا راستہ لین۔اس حکم کی تعمیل نہایت مستعدی سے ہوئی اور یہ فوج میرے اس قاصد کے ساتھ جسے شاہزادہ نے قید کر لیا تھا روانہ ہو گئی۔مین نے اُسے ایک خط بھی دیا تھا جس مین یہ لکھا ہوا تھا۔

"اے مسلمانو! مین افغانون سے جنگ کرنے کے لئے نہین آیا جو اللہ تعالےٰ پر ایمان رکھتے ہین بلکہ ایک عام "غزا" کی غرض سے آیا ہون۔اس لئے تمکو میرے تمام احکام کی تعمیل کرنی چاہئے جو خدا اور رسول کے بتلائے ہوئے ہین۔ہم سب اللہ کے بندے ہین مگر ہم سب پر فرض ہے"

مین نے اس خط کے اخیر مین "راقم ایک مسلمان" لکھا۔مجھے بھروسہ تھا کہ یہ لوگ میرے کہنے پر عمل کرین گے۔

اس خط مین عام طور سے سارے بستی والون کو مخاطب کیا گیا تھا۔اس کے علاوہ ایک خط مقامی افسرون اور امیرون کے نام بھی لکھدیا۔جو میر بابا کے ہاتھ بھیجا گیا۔مضمون یہ تھا۔

"جناب میر شاہزادہ حسن صاحب اور مقام فیضہ کے باشندون اور سردارون۔مین آپکو اطلاع دیتا ہون کہ میری غرض یہان آنے مین صرف یہ ہے کہ فیضہ کو انگریزون سے محفوظ رکھون اگر یہ کام بغیر کسی مخالفت کے پورا ہو گیا تو خیر ورنہ پھر جنگ کی ٹھیرے گی۔تم سب لوگ میر یا سردار ہو۔تمہارا فرض ہے کہ اس اسلامی شہر کو فرنگیون سے بچاؤ۔اگر یہ ہمارے ملک کے مالک ہو گئے تو بس یاد رکھو سخت ذلت ہو گی۔تمام دنیا حقارت سے دیکھے گی اور کہے گی میر یا سردارون مین حمیت اور عزت کا نام نہین۔ان نامردون نے اپنے ملک اور مذہب کو بدنام کر دیا۔اے میر اور سردارون غور سے سنو اور میری بات یاد رکھو۔بالفرض اگر تم نے میری بات نہ مانی تو یاد رکھو

میرا یہ فرض ہوگا کہ تمہیں بھی کافر سمجھوں اور پھر تمہارے مقابل میں بھی ایک عام غزا کا اعلان دوں - ہوشیار ہوجاؤ - یا تو خدا اور رسول کا ساتھ دو نہیں اپنی حفاظت کے لئے جنگ کی تیاری کرلو"

جب شہر والوں اور سرداروں نے میرا خط پڑھا تو وہ اپنے اپنے میر کے پاس حاضر ہوئے اور کہنے لگے بہتر ہے کہ ہم عبدالرحمٰن کی حکومت مان لیں - اس ترکیب سے کافروں کا داؤ ہم پر نہیں چلنے کا اور اپنے ملک کو بچالیں گے - لیکن ان بدنصیب بستی والوں کے میر نے جواب دیا - "میں تو کشمیر کے سکھوں کا دوست ہوں میں وہاں جانا بہتر سمجھتا ہوں بمقابلہ اسکے کہ ایک مسلمان کی اطاعت قبول کروں" یہ سنتے ہی سرداروں نے کہا اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ آپ ہندوؤں کے دوست ہیں تو ہم آپ کو اپنا میر کبھی نہ بناتے - خیر آپ سے جہاں تک ہوسکے بہت جلدی تشریف لیجائیے -

بہر حال خدا خدا کرکے میر صاحب اپنی نادانی کی وجہ سے اپنے بال بچوں کے ساتھ لاگ اور چترال ہوتے ہوئے کشمیر جا پہنچے لیکن یہاں موت نے آدبایا اور بیچارے نے بڑی بے بسی کی حالت میں جان دیدی - اور اس کے بال بچے بالکل لاوارثی کی حالت میں ہوگئے - ادھر باشندوں نے میری حکومت کے آگے اپنی گردنیں نیچی کرلیں اور مجھے اپنا مالک خیال کرنے لگے اس کے دو چار روز کے بعد کتغان کے میر سلطان مراد کو یہ لکھا کہ اب میں ملک افغانستان کو انگریزوں کے پنجے سے نکالنے آیا ہوں کیا آپ مجھے اپنے ملک سے راستہ دیدیں گے - اور آدمی اور روپے سے میری مدد کریں گے - ان لوگوں نے اس کا یہ جواب دیا -

"ہم میں اتنی طاقت نہیں کہ جنگ کریں - ہماری اتنی مجال نہیں کہ انگریزوں سے خواہ مخواہ بگاڑ لیں اس لئے ہم آپ کو راستہ نہیں دینے کے"

میں نے لکھا - معلوم ہوگیا اب آپ کافروں کے ساتھ ہیں میرا فرض ہوا کہ آپ کے خلاف جہاد کروں - جب میں نے دیکھا کسی صورت سے یہ میرا کہنا نہیں مانتے تو میں نے یہ ترکیب کی کہ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر ہزار چٹھیاں بلخ کی فوج کے نام لکھیں مضمون یہ تھا - "اے افغانستان کے رہنے والو! تم کو اطلاع دیتا ہوں کہ میں ترشطک آنیوالا ہوں لیکن افسوس

ہے تمہارا میر سلطان مراد جب مین وہان پہنچ جاؤن گا تم کو مجھ سے ملنے کی اجازت نہین دیگا۔
مین نے یہ چٹھیان ایک آدمی کے ہاتھ بھجوائین جو فقیرون کے بھیس مین وہان گیا اور انھیں
نوجی چھاؤنیون - بازارون اور مسجدون مین ادھر اُدھر ڈال آیا اس سے یہ غرض تھی کہ جب
آدمی یہان سے گزرین گے تو ضرور ان پرچون کو اٹھا کے دیکھین گے اور محض میری وجہ سے
میر سلطان کی طرف سے چوکنے ہو جائین گے۔
اب مناسب ہے کہ مین بدخشان کے حالات بیان کرون کہ وہان کیا گزری - یہ پہلے کہہ چکا ہون
کہ مین نے اپنے چچازاد بھائی سردار سرور اور سردار اسحٰق کو سفر خرچ - ساٹھ بر جلوڈ بندوق بارہ
ہزار کارتوس اور ترکمانیون کے نام کا ایک خط دیکے سمرقند سے رخصت کر دیا تھا اور ترکستان
جانے کی سخت ہدایت کر دی تھی۔
یہ بات بیان کرنے کے قابل ہے کہ شیر علی کے زمانہ مین واردیک جرگے کے ایک شخص غلام حیدر نامی
نے بڑا رسوخ پیدا کرکے کرنیل کا درجہ حاصل کیا - اور جس وقت یعقوب امیر ہوا تو اس کے زمانہ مین
بھی وہ اسی عہدہ پر رہا - یعقوب نے جب لوئیس کیونگری کو کابل مین بطور رزیڈنٹ کے مدعو کیا تو
انھون نے غلام حیدر کو بلخ کا گورنر جنرل اور ویسرائے بنایا - غلام مذکور نے اپنے جدید اختیارات
سے قزلباشی جرگے کے ایک شخص قادر خان نامی کو شبرغان کا حاکم اور ایک دوسرے شخص غلام
محی الدین کو سرپل کا حاکم مقرر کیا - اور محمد سرور کو بھی آقچا کا حاکم بنایا - جب میرے چچازاد
بھائی سرور - اسحٰق اور عبداللہ قدوس ترکستان مین داخل ہو گئے تو غلام حیدر نے دو تین ہزار
قزلباشیون کو ان کی گرفتاری کے لئے بھیجا اور یہان کے باشندون کو اس کی مطلق خبر نہیں کی۔
میرے بھائیون کو اس کا پتہ چلگیا وہ بلخ کا راستہ چھوڑ کے شبرغان کی طرف چلدئے - یہان
پہنچ کے حاکم شہر سے خط کتابت کی - بدقسمتی سے یہہ بھی قزلباشی نکلا - ممکن ہے حاکم نے کسی قسم
کی امداد کا وعدہ کیا ہو یا امید دلائی ہو - کیونکہ جب شبرغان مین یہ لوگ پہنچے تھے تو بالکل رات
ہو گئی تھی اور ہر طرف اندھیرا تھا - مگر اس وقت بھی سرور نے حاکم سے ملاقات کرنی چاہی - سرور
کے بھائیون نے کہا یہ ساری نادانی کی باتین ہین - بھلا یہ کونسا وقت ہے ملاقات کرنے کا جب
ان بیچارون نے کسی کی کچھ نہ سنی اور ایک ملازم شاہ باز نامی باشندہ خوست کے کہنے کا

خیال کیا۔ بلکہ اپنے اور بھائیون کو دھمکی دی کہ اگر تم لوگ نہین جانے دو گے تو مین تم کو گولی مار دونگا۔ غرضکہ اس پاجی نوکر کے ساتھ اکیلے قلعہ کا راستہ لیا۔ شہر کے دروازہ پر پہنچ کے ان لوگون نے آواز دی۔ پہرے والے سے سوال وجواب ہوئے اور کہا ہم جنرل غلام حیدر کا حاکم شہر کے نام ایک خط لائے ہین۔ فوراً دروازہ کھولدیا گیا اور یہ لوگ اندر جا پہنچے۔ پہرے والے نے سرور کو پہچان لیا۔ پوچھا آپ یہان کیسے تشریف لائے ہین۔ جب اسے ساری حقیقت معلوم ہوگئی تو بیچارے نے ہمدردی سے کہا خدا کے واسطے آپ حاکم کے پاس نہ جائین۔ جاتے ہی وہ آپکو قید کرے گا۔ آپ اب یہان سے اُلٹے پیرون واپس جائین۔ کل اپنی فوج لیکے شہر مین آجائیے تمام قصبہ والے آپ کے ساتھ ہو جائین گے۔ اس بدقسمت کو یہ خیال تھا کہ عبدالرحمٰن نے بدخشان پر اپنا سکہ جمالیا ہے زور رون مین آکے پہرے والیکو دھتکار دیا۔ اور کہا حاکم شہر نے خود مجھے بلالیا ہے وہ میرے ہاتھہ پیرون کو بوسہ دیگا اور میری اطاعت کریگا۔ سیدھے حاکم کے سامنے ورّاتے ہوئے چلے گئے۔ اس ظالم نے مشکین کسوا کے ایک کرنیل کے حوالہ کردیا اور وہ بیرحم اپنے سوارون کو ساتھ لے سرور کو قید کر دشت آزرنا کے راستے ہوتا ہوا مزار پہنچ گیا۔ جسوقت غلام حیدر کو اطلاع کی۔ جرنیل مے جو انتہا درجہ کا ظالم تھا اپنے مصاحبون اور افسرون کی صلاح سے اس بات کا فیصلہ کرلیا کہ سرور کو ہمیشہ کے لئے اس دنیا سے رخصت کردیا جائے۔ ورنہ یہ پہاڑی جرگے اور ازبکی شیرغان مین اسکے آنیکا حال سُن کے بغاوت کرین گے۔ اسلئے مناسب ہے کہ سرور کو زندہ نہ چھوڑا جائے۔ غلام حیدر نے اپنے وزیر رضوان اور اسی ملعون غلام محی الدین کو اس ظالمانہ کام کے لئے مقرر کیا۔ ان کمبختون نے کوئی کسر نہین اُٹھا رکھی اور مظلوم سرور کی جان کا ذرا درد نہین کیا۔ اخیر اس کو ہلاک کرکے دیداہی کی شہر پناہ کے نیچے دفن کردیا۔ اور اس کے سر کو غلام حیدر کے سامنے اس غرض سے پیش کیا کہ اس کا پورا اطمینان ہو جائے۔

عبداللہ قدوس اور اسحٰق اپنے بھائی کی جدائی سے پریشان ہو کے تیمنہ کی طرف چلے گئے۔ دلاور خاں والئے شہر نے اپنے ترکمانوں سے کہدیا کہ ان لوگوں کو قید کرکے میرے پاس لاؤ۔ ترکمانون نے صاف جواب دیا کہ نہین صاحب ہم سے یہ نہین ہو سکتا۔ یہ عبدالرحمٰن کے چچا زاد

بھائی ہین۔ ہم تو مرتے دم تک ان کا ساتھ دین گے۔ غرض کہ دو ہزار آدمی اسحٰق کے ساتھ ہو گئے۔ حاکم شہر چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح ان کو پھنسا کے قید کر لون لیکن جب شہر والون کی نظرین پھری ہوئی پائین تو اس نے عبداللہ قدوس اور سردار اسحٰق کو ہرات کی طرف رخصت کیا یہان محمد ایوب نے اپنا جال ڈال کے ان بے گناہون کو قید کرنا چاہا۔

غلام حیدر کے سامنے جب مظلوم سرور کا سر لایا گیا تو اس نے سلطان مراد کو لکھا کہ "فوج نے سرور کو مار ڈالا مجھے امید ہے کہ تم بھی عبدالرحمٰن کو یا قید کر کے بھیجو گے یا اسے جان سے مار ڈالو گے،،

لیکن سلطان مراد نے لکھ بھیجا "جناب۔ عبدالرحمٰن تو میری طاقت سے باہر ہے وہ میرے ہتھے نہین چڑھنے کا۔ کیونکہ اب وہ بدخشان مین ہے۔

یہ یاد ہوگا کہ مین نے میر بابا کو فیض آباد بھیجا تھا۔ دو چار دن کے بعد مین نے اُسے لکھ بھیجا۔ کہ دونون فوجین ساتھ لیکے رشطاک آجاؤ۔ میرا ارادہ ہے کہ کتغان کے میر اور سردارون کے خلاف غزا کا اعلان دوں۔ کیونکہ یہ کمبخت مسلمانون کو دنیا مین ترقی کرنے سے روکتے ہین۔ اور ان کی راہ مین کانٹے بچھاتے ہین۔ مگر میر بابا نے مجھے یہ صلاح دی کہ آپ خود آیئے لوگون سے تعارف پیدا کیجیے اور پھر اس کے بعد کتغان پر دھاوا بول دیجیے۔ غرض کہ مین فوراً فیض آباد روانہ ہو گیا مین نے اپنے ساتھ میر محمد عمر (رشطاک کے گورنر) دو ہزار سوار اور دس پانچ سردارونکو لے لیا۔ مقام آراگو کے آتے ہی ہم سب ٹھیر گئے۔ اور یہان دم لینے کیلئے اُترے۔ رات کے وقت میرے خاص ذاتی ملازم نے جو مجھے چارپلایا کرتا تھا جگایا اور کہنے لگا ایک معمولی سا آدمی بالکل پھٹے حالوں آپکے پاس آنا چاہتا ہے۔ مین نے فوراً اُسے بلایا۔ اس نے ایک خط دیا جس کا یہ مضمون تھا۔

،،مین یعنی راقم خط ایک افغانی سوداگر ہون۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ میر بابا خان نے بدخشان کے اور افسرون اور اپنے میر منشی دبیر سے رائے لیکے اس کا ارادہ کیا ہے کہ آپ کو قید کر کے انگریزون کے حوالے کر دین تاکہ بدخشاں کی حکومت اُن کے گھرانے مین رہے۔ لہٰذا آپ فیض آباد نہ آیئے"

ساری رات اسی اُدھیڑ بُن مین بڑی بے چینی سے کٹی۔ صبح کے وقت میر محمد عمر اور رشطاک کے سردارون کو بلایا اور پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ ان لوگون نے خط کو پڑھا اور کہا واقعی میر بابا

بہت بڑا محسن کش ہے - اس سوداگر نے جو کچھ لکھا ہے صحیح ہے - اس بد باطن کا کیا ٹھیک ہے - محمد عمر نے عرض کیا کہ مین تو مدّت سے میر بابا کے خون کا پیاسا ہون - میری اس کی ہمیشہ سے بگڑی رہی - اب فیض آباد جانا ٹھیک نہیں - میں نے کہا تمہاری مرضی ہو تو تم واپس چلے جاؤ - لیکن مین نو رُکتا نہیں - میر بابا کی کیا حقیقت ہے - اس وجہ سے میر محمد عمر اور اس کے سوارون کو یہان سے واپس کر دیا - کہ وہ جا کے رشتلک کی حفاظت کرین - میں نے عبداللہ کو بھی ساتھ کر دیا کہ اس کا بھید لیتا رہے اور وقتاً فوقتاً مجھے اس کی اطلاع بھی کرتا رہے - خدا کی نامتناہی رحمت اور امداد کے بھروسہ پر قدم آگے بڑھایا اور اپنے راستے پر ہو لیا - دو چار میل گیا ہون گا کہ ایک پہاڑی آئی جسے رازگان کہتے ہین - یہان سے معلوم ہونے لگا کہ میر بابا چھ ہزار سوارون کا سرکردہ بن کے میری طرف زور ولن مین چلا آرہا ہے - اپنے جوانوں کو یہین ٹھیرا دیا - مین نے کہا کہ مین اکیلا جاتا ہون - ہان اگر ان لوگوں کی تیوری بدلی پاؤ تو فوراً گولی مار دینا - گھوڑے کو سرپٹ دوڑا کے میں میر بابا سے جا ملا - بہت اچھی طرح یہ لوگ پیش آئے - پھر مین نے اپنے سوارون کو اپنے پاس بلا لیا - اب مین فیض آباد کے سوارون کی طرف مخاطب ہو کے کہنے لگا - آپ لوگ - سُنا گیا ہے بڑے اچھے شہسوار ہیں - مین آپ کی گھوڑ دوڑ دیکھنا چاہتا ہوں - اتنا سننا تھا کہ یہ سوار گھوڑ دوڑ مین پھنس گئے - ادھر پٹھانون مین اپنے نوجوانوں کو اشارہ کر دیا کہ وہ میر بابا کو گھیرے مین لیلین - میر کو اپنے حلقے مین لئے برابر فیض آباد کیطرف بڑھنے گئے - جب شہر مین داخل ہوگیا تو تیس سوارون کو دروازہ پر مقرر کیا اور قلعہ پر قبضہ کرنے کا حکم دیا -

تین دن گزرنے پر غلام حیدر کے پاس میر بابا کے نام ایک خط آیا کہ اب تک عبدالرحمن کو قید کر کے کیون نہین یہان بھیجا - اسی طرح دوسرے دن شاہ بخارا کا خط آیا - لکھا تھا کہ غلام حیدر میرے خیرخواہوں میں سے ہے اور اس نے اس ملک کو میری نذر کرنا چاہا ہے - اس لئے تمہارا (میر بابا) فرض ہے کہ عبدالرحمن کو جہان تک ہو سکے جلدی قید کرو -

یہ بھی یارون نے اُڑا دی تھی کہ میں روسیہ کے پنجے سے نکل کے بھاگ آیا ہوں - میرے قتل کی کوئی تدبیر کرنے والا نہین - میر بابا جس کا ایمان خدا پر نہین تھا اور محض دولتمندوں

اور اُن کی دولت کا بندہ تھا۔ اس نے بدخشاں والون کے کان میری طرف سے خوب بھر دیئے اور ہر طرح سے ان کو میرا مخاطب بنانا چاہا۔

ایک دن کا ذکر سنئے۔ میر بابا صاحب میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا "آج تو شکار کو جی چاہتا ہے۔ ادہر تیتر بٹیر بڑی کثرت سے ہین" مین نے کہا اچھا چلیے لیکن یہ تو بتائیے کہ فوج کا کیا انتظام ہوگا جس کا پہلے تذکرہ ہو چکا ہے۔ اس مکار نے مجھسے بیس ہزار "ساورن" (طلائی انگریزی سکہ ایک پونڈ کا) طلب کئے کہ لوگون کو رشوت دے دلا کے اپنا پہلو زبردست کیا۔ مین نے کہا۔ حضرت سُنئے روپے تو مین نے ان لڑائیوں کے لئے رکھ چھوڑے ہیں۔ جو انگریزوں کے خلاف مجھے لڑنی ہیں۔ سواروں کو چٹانے کے واسطے میرے پاس نہیں ہیں اور مجھے اب اتنی پروا بھی نہیں۔ کیونکہ میرے پاس دس ہزار کتغانی اور دس ہزار رشطلگی تو ابھی موجود ہیں۔ اور جہان میں کابل پہنچا کہ لاکھوں افغان میرا ساتھ دینے کے لئے ٹوٹ پڑے گا۔ لیکن اگر سچ پوچھو تو میر بابا نے جن صندوقوں کو سمجھا تھا کہ یہ روپے سے بھرے ہیں اُن مین کارتوس ہی کارتوس بھرے پڑے تھے۔ اور میری ساری پونجی بس ایک ہزار "ساورن" تھی جب شکار کی ٹھیر گئی تو چند بدخشانیوں سے مجھے معلوم ہوا کہ میر بابا کا کچھہ اور ارادہ ہے اور وہ اس کوشش مین ہے کہ شکار کے بہانے سے آج مجھے گرفتار کرے اور دوسرے ہی دن میرا کام تمام کر دے۔ ان کا بھی مین نے بندوبست کر لیا۔ شکار اور چاند ماری کی تیاری کرتے وقت اپنے ساتھ تیس جوان لے لئے۔ اور میر کی طرف سے ان کے کان کھول دیئے۔ مین نے کہا بندوقین تیار رہیں اور جس وقت میر بابا کی طرف میرے رفل کا مُنہ ہو تم بھی گولی مارنا۔ یہ سب کچھہ سامان کر کے مین میر بابا کے ساتھ ہو لیا۔ اب ہم دونون پہاڑ دن کے راستے پر چلے۔ پہاڑ کے دامن میں پہنچ کے مین نے دیکھا کہ پانسو مسلح سوار ہم سے آکے مل گئے۔ میر بابا کے پیدل اور سوار بھی اس طرح سر سے پیر تک مسلح تھے جیسے کہ وہ کسی سے جنگ کرنے آئے ہین یہان تیتر بٹیر کا پتہ بھی نہین تھا۔ میر بابا میرے بائیں ہاتھ پر تھا۔ اس سے مخاطب ہو کے یہ کہا کہ جب مین بدخشاں سے روانہ ہوا تو اس بات کی خبر لگی تھی کہ آپ مجھے قید کر کے محض انگریزوں کی خیرخواہی کے لئے اُنکے حوالے کرنا چاہتے ہین اگر یہ بات سچ ہے تو بسم اللہ۔ آپ کو اس سے بڑھکے اور کوئی موقع

نہیں ملنے کا آپ اپنا کام کیجیے - یہ کہہ میں نے اپنا رفل میر بابا کی طرف اُٹھایا اور میرے ساتھیوں میں سے بیس نے اُس کے سواروں کی طرف رُخ کیا - ہماری مستعدی دیکھ کے ان کمبختوں کی آنکھیں کُھلی کی کُھلی رہ گئیں - اور چلانے لگے "ہم کو نہ ہلاک کرو" "ہم کو نہ مارو" جب مجھے میر بابا کی بابت ان کے دلی خیالات معلوم ہو گئے تو پھر میرا اطمینان ہو گیا - اب میں نے کسی قسم کی اور کوئی کارروائی نہیں کی - بلکہ اپنے مقام پر واپس آ گیا - تین دن کے بعد رُستاق کے ایک سردار احسان عزیز کے ہاتھ میر بابا سے کہلا بھیجا کہ آج شام کو میرے ہاں تشریف لائیے اور نہایت لطف سے اتنا وقت ہمارے ساتھ بسر کیجیے -

وہ اپنے ساتھ تین سو آدمی لیکے آیا جن کے پاس طرح طرح کے ہتھیار تھے - میرے پہرے والوں نے اُن کو روکا اور کہا اول تو اتنے آدمیوں کی ضرورت نہیں دوسرے یہ بات ٹھیک نہیں کہ آپ اتنے آدمیوں کو لیکے اندر جائیں - ہاں بیس جوان آپ کے ساتھ جا سکتے ہیں - میر بابا یہ دیکھ کے بڑا جھلایا افغانیوں کو بُرا بھلا کہنے لگا اپنے سپاہیوں کو قلعہ پر زبردستی قبضہ کرنے کا حکم دیا - اور اسی طرح اپنے فوجی بگل بجانے والے سے کہا کہ جنگی بگل بجاؤ -

قلعہ کا پہلا دروازہ تو اچانک میرے سپاہیوں کے ہاتھ سے نکل گیا - وہ دوڑ کے آگے بڑھے اور اندر کے دوسرے دروازہ میں قفل ڈال دیا - اور ایک ملازم میرے پاس دوڑا ہوا آیا - کہ صاحب ہم لوگ لٹ گئے -

اس وقت میں ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنے ہوئے بیٹھا تھا - میری جیب میں سات نلا رفل پڑا تھا اپنے آدمیوں کے ساتھ دروازہ پر آیا - کیا دیکھتا ہوں کہ باہر پانچ ہزار مسلح جوان کھڑے ہیں - اپنے ملازموں کو یہاں بلایا اور ان سے کہا - اتنے آدمیوں کا مقابلہ کرنا مشکل ہے - دیکھو اب میں آگے بڑھ کے ان ہی لوگوں میں مل جاؤں گا - اس ترکیب سے کہ کوئی مجھے نہ دیکھے - اگر میر کی گردن میرے ہاتھ میں آ گئی تو بس بچ گئے ورنہ اگر میں مارا گیا تو میں تم لوگوں کو خدا کے سپرد کرتا ہوں اور لڑنا نہ لڑنا تمہاری مرضی پر ہے - میں نے اوور کوٹ کے آستین میں رفل کو چھپایا اور دروازہ سے باہر آ گیا -

خوش قسمتی سے مجھے کسی نے نہیں دیکھا اور ان لوگوں کو چیرتا پھاڑتا سیدھا میر کے پاس جا پہنچا

گردن پکڑ کے میں نے طپنچہ اُس کی کنپٹی سے لگا دیا اور کہا بس زبان بند کر۔ یہ وہی افغان ہیں جنہیں تو اس طرح برا بھلا کہہ رہا تھا۔ اپنی تلوار نیچے پھینک دے نہیں تو گولی مارتا ہوں۔ میر منتیں کرنے لگا کہ خدا کے لئے طپنچہ ہٹا لیجے۔ میں پھینک دیتا ہوں۔ میں نے اس کی گردن اور بھی دبائی یہاں تک کہ اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ پھر میں نے کہا اچھا اپنے آدمیوں کو قلعہ سے باہر بلا۔

جب اس کے آدمی باہر آ گئے تو میں نے پشتو میں اپنے سپاہیوں کو باہر کے دروازہ پر قبضہ کرنے کا حکم دیا۔ اب میں میر سے مخاطب ہوا کہ میں نے تو تم کو دوستانہ طور سے اپنے ہاں مدعو کیا تھا۔ تم نے یہ دغابازی کیوں کی۔ اس کے بعد بدخشاں والوں سے کہا کیا تم میرا ساتھ دو گے یا اس بزدل کا جو اپنے ہاتھ پیر نہیں ہلا سکتا۔ سب نے یکزبان ہو کے کہا "ہم آپ کا ساتھ دیں گے"۔ میں نے کہا اچھا اب تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو جاؤ۔

جب میرے حکم کی تعمیل ہو چکی تو میں نے میر کو اپنے ساتھ لیا اور دس سوار میرے ہمرکاب ہوئے اور میر صاحب کے مکان پر آیا۔ آتے ہی اس کے گھر والوں اور اس کی بیوی سے کہا کہ ہمارے لئے کھانا پکاؤ۔ صبح کے وقت میں قلعہ میں واپس آ گیا اور خدا کا شکر کیا کہ اس نے اس بلائے ناگہانی سے مجھے بچایا۔

یہ بات مجھے بیان کر دینی چاہئے کہ میر عمر اور میر بابا ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے میں نے بہتیری کوشش کی کہ ان کے دل صاف ہو جائیں اور پھر یہ آپس میں دوست بنے رہیں۔ خیر۔ خدا خدا کر کے میں کامیاب ہوا اور ان دونوں کو گلے ملوا دیا۔

میر عمر چار ہزار سواروں کے ساتھ فیض آباد آیا اور شہر کے باہر ایک جگہ جو زن ہے وہاں ٹھیر گیا میرے پاس ایک خط بھی بھیجا کہ ہم دونوں اس خوشی میں کہ ہمارا دیرینہ اتحاد از سرنو قائم ہو گیا ہے ایک دوسرے کو خلعت دینا چاہتے ہیں اور اس لئے آپ کو اس خاص موقع پر مدعو کیا جاتا ہے میں نے اسے منظور کیا۔ دونوں میر میرے داہنے بائیں بیٹھ گئے۔ سامنے مصری کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اور بڑی بڑی سینیوں میں مٹھائیاں چنی ہوئی تھیں۔ پہلے دونوں میروں نے اپنی اس دوستی اور اتحاد کے لئے قسم کھائی۔ پھر ایک دوسرے نے خلعت دی۔ میر بابا مجھ سے مخاطب

ہو کے طنزاً کہنے لگا "اب ہم دونوں بھائیوں نے مصافحہ کر لیا ہے ہم مصری کے بڑے سے بڑے ڈھیر کو بھی تقسیم کر سکتے ہیں" میں سمجھ گیا مجھ پر چوٹ کی ہے۔ مین نے کہا تم کو بڑی مشکل پیش آئے گی اور مصری کا ڈھیر وہاں سے اُٹھوا دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد مین اُٹھ کے چلا آیا۔ لیکن مجھے اُن کی طرف سے خیال پیدا ہو گیا کہ مبادا میرے خلاف کوئی سازش کر بیٹھیں۔ میں روز یہاں سے روانہ ہونے کے لیے اُنسے کہتا اور وہ ادھر اُدھر کی باتیں بنا کے ٹال دیتے تھے۔

اس عرصہ میں میرے وہ پرچے جو بلخ کی شاہراہوں میں پراگندہ پڑے تھے فوجی حکام کے ہاتھوں میں پڑ گئے۔ اور یہ لوگ غلام حیدر سے کہنے لگے کہ ہم میر سلطان مراد کے خلاف جو انگریزوں کا دوست ہے غزا کے واسطے بے چین ہو رہے ہیں۔ غلام حیدر کو میر سلطان مراد کا ناک دبانے کا اچھا حیلہ ہو گیا اور اس فکر مین ہوا کہ اگر میں اپنی فوج ادھر بڑھاؤں گا تو ایک فائدہ یہ اور نکلے گا کہ عبدالرحمٰن کا فوجی کیمپ یہاں سے قریب ہے وہ خوف کے مارے بھاگ کھڑا ہو گا۔ اور ممکن ہے کہ بدخشانی پھر اُسے قید کر لیں اس لیے سلطان مراد کے مقابلہ کے لیے اس نے اپنے بھانجے کو بارہ ہزار سوار، پانچ پلٹن اور پانچ توپوں کے ساتھ روانہ کیا۔ جب یہ مہم تشکرغان پہنچی تو سوار ان کی آپس مین کانا پھوسی ہونے لگی کہ جہاد مین میر نے عبدالرحمٰن کا ساتھ نہیں دیا اسوجہ سے اُسکی سرکوبی کرنی چاہئے سلطان مراد کو جب اس کی خبر لگی تو اس نے میر بابا اور محمد عمر کو میری نسبت یہ لکھا کہ فوراً اسے الگ کرو ورنہ فوج تمہاری اور میری دونون کی مزاج پرسی کرے گی۔

اس خط کی نوشت و خواند میری لاعلمی مین ہوئی۔ اور میرے پاس بھی ایک خط آیا جس میں مجھے کتغان بلایا تھا۔ کیونکہ میر میری آؤ بھگت کرنے کا بے طرح منتظر تھا۔ پہلے خط کا راز بالکل نہیں معلوم تھا اس واسطے اس دوسرے خط سے مجھے تعجب ہوا کہ کیا معاملہ ہے ابھی تو میر سلطان مراد نے میرے آنیکا حال سُن کے اس قدر ناک بھوں چڑھائی تھی۔ اب یہ کیا ہوا کہ یکایک بدل گیا اور مجھے بلاتا ہے قاصد نے دیکھا کہ بھید نہیں چھپا رہ سکتا سارا کچا چٹھا کہہ سنایا اور بالکل لفظ بلفظ جیسا مین اوپر کہہ چکا ہوں۔ مین نے جواب دیا کہ ہم لوگ کل یہاں سے روانہ ہوں گے۔ محمد عمر میرے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو گیا لیکن میر بابا نے کہا میں بعد کو آؤں گا۔ مین نے اُسے حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ پچاس رفل اور پچاس گھوڑے معہ زین وغیرہ کے سب تیار ان پچاس افغانیوں کے لیے لائے جنہیں مین نے

قیدخانہ سے باہر نکالا تھا۔ دو دن کے بعد میں یہاں سے روانہ ہوگیا اور ہماری پہلی منزل شہد مین ہوئی۔ جو بدخشان مین ہے اور اُسے کشم بھی کہتے ہین یہان ایک اور پُرانا قلعہ تھا جو قلعہ جعفر کے نام سے مشہور تھا سلطان مراد کا قاصد آگے بڑھنے کے لیئے اصرار کر رہا تھا لیکن مین نے انکار کر دیا کہ جبتک میر بابا اور رشطاک کے سوار میرے ساتھ نہ ہولین گے میں آگے نہیں بڑھ سکتا۔ دیر کرنے سے میری غرض یہ تھی کہ اس عرصہ میں فوج سلطان مراد کی اچھی طرح خبر لیلے۔

چھٹے دن یہ خبر ملی کہ بلخ کی فوج نے میر سلطان مراد کو شکست دیدی۔ وہ اپنے بال بچوں اور کلاب کے سابق بادشاہ کے ساتھ کہیں بھاگ گیا۔ اس کے بعد یہ پتہ لگا کہ یہ لوگ ہماری طرف آرہے ہین اور اب تھوڑی ہی سی دور رہ گئے ہین۔ اسی وقت عبداللہ خان کو چالیس سوار وں کے ساتھ بھیجا کہ وہ میری طرف سے استقبال کرے۔

جب یہ بدنصیب آگئے تو مین نے ان کو اطمینان دیا کہ گھبراؤ نہیں میں تمہارے ساتھ کوئی بُرائی نہین کرنے کا۔ اور اگر وفاداری اور انسانیت سے میری خدمت کی تو مین بہت مہربانی سے پیش آونگا۔ مین نے میر سلطان مراد سے وعدہ بھی کر لیا کہ جب خدا میرے دن پھیرے گا تو مین تمہین کتغان کی حکومت سُپرد کر دوں گا۔ مین نے اس کو عبداللہ خاں کے ساتھ کر دیا کہ وہ چھ سو سواروں کو لیکے طالع خان جائے اور بستی والون کو میرے اتحاد اور خلوص کا میری طرف سے اطمینان دے۔ میں نے بھی یہاں سے طالع خان کا راستہ کیا اور وہاں دو دن میں جا پہنچا۔

ساتواں باب

میری تخت نشینی

۱۸۸۱ء

ادہر تو یہ ہو رہا تھا اور ادہر غلام حیدر کی بقیہ بلخی فوج سے جنگ ہو رہی تھی۔ کیونکہ سردار سرور کے قتل سے یہ سب کے سب باغی ہوگئے تھے۔ اس نے اپنے تین جنگی توپخانے۔ تین ہزار رسالے کے سوار اور ایکہزار پیدل خاص کے جوان لئے اور تختہ پول کی طرف روانہ ہوا۔ باغیون نے جاکے تختہ پول کے قلعہ مین پناہ لی تھی۔ یہ قلعہ میرے والد بزرگوار اور دوست محمد نے بنوایا تھا اللہ پانچ برس یا

ہیں بن کے تیار ہوا تھا۔ میں بارہ برس کا تھا جب میں نے اس کا تذکرہ سنا تھا۔ اب میری عمر ۴۳ برس کی ہے مجھے اب تک وہ ساری باتیں یاد ہیں اور بالکل یہی معلوم ہو رہا ہے جیسے کہ میں نے کل سُنی تھیں یہ قلعہ شاہی خاندان کے لئے تیار کیا گیا تھا کہ اگر وقت بے وقت ضرورت پڑے یا کابل ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے اور ہمیں کسی غیر سلطنت کے حملے سے جان بچانی ہو تو یہ کام دے سکے اور تھا بھی بہت ہی مضبوط بنا۔ غلام حیدر نے قلعہ کے باہر پہنچ کے باغیوں پر قلعہ میں گولیوں کا مینہہ برسانا شروع کیا۔ سخت مقابلہ کے بعد جس میں دونوں برابر رہے۔ باغیوں نے زور سے پکارا "ہم باغی نہیں ہیں بلکہ غلام حیدر اور قزلباشیوں کے خلاف اس وجہ سے لڑ رہے ہیں کہ انہوں نے تمہارے اور ہمارے دیہاوہی کے بادشاہ کے لڑکے کو قتل کر ڈالا۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنے شاہی خاندان کے ساتھ وفاداری کریں" یہ سُنتے ہی فوج نے لڑائی سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور اپنے جرنیل (غلام حیدر) اور قزلباشیوں پر ٹوٹ پڑی۔ جرنیل اپنے دو سو ذاتی جانبازوں اور قزلباشیوں کیساتھ مزار کی طرف بھاگا۔ فوج نے اس بُری طرح پیچھا کیا کہ دریائے جیحوں اور درۂ عبدو سے ہوتا ہوا اس نے بخارا جا کے پناہ لی اور اپنا سارا مال اور اپنے بال بچوں کو سپاہیوں کے رحم پر چھوڑ دیا۔ سپاہیوں نے اُن کے گھر والوں کو قید کر لیا اور قزلباشیوں کا اور اس کا سب مال و اسباب لوٹ لیا۔

باغیوں نے میرے دو افسروں کو بھی قید خانہ سے باہر نکالا۔ اور ان کو بڑے بڑے عہدوں پر مقرر کیا تشکر خان۔ کتغان۔ شبیر خان۔ سری پول اور آکچہ کی فوجوں کو جب اس واقعہ کی خبر ہوئی تو انہوں نے بھی غلام حیدر کے افسروں کو قید کر لیا۔ اس وقت میں چھ ہزار رشطکی اور دو ہزار کشمی سواروں کے ساتھ طاش خان پہنچ گیا تھا۔

غلام حیدر پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور اس کے تمام افسر اور فوج کو جو اسکے بھانجے کی نگرانی میں تھی کندوز کی فوجوں نے گھیر کے بُری طرح مارا۔ اور اس بلائے ناگہانی کی خوف سے بہت سے افسر تو بے اوسان ہو کے بھاگے اور اس کے بھانجے نے نہایت مایوسی کے ساتھ اپنے کو گولی مار لی کہ وہ فوج کی بے رحمیوں کا شکار نہ ہو۔ اب کیا تھا تمام فوج نے دست بستہ حاضر ہو کے مجھے سلام کیا۔ سر جھکا کے میں نے خدا تعالےٰ کی حمد و ثنا کی اور دعا کی کہ "اے خدا۔ بیشک تو اس بات پر قادر ہے کہ ملک کو کافروں کے پنجے سے محفوظ رکھے۔ اور بلا شبہہ تو ان کے ساتھیوں کو سزا

دے سکتا ہے اور ایمان والوں کی ہر طرح سے مدد کر سکتا ہے۔ تو ہی سب پر حاوی اور سب کچھ تیرے ہی دست قدرت مین ہے "

ابھی کچھ فوج کندوز ہی میں پڑی ہوئی تھی کہ میں نے سردار عبداللہ کے ہاتھ ان کے نام ایک خط بھیجا جس مین مین نے ان سوارون کی وفاداری کا شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ تم لوگ میرے دینی بھائی ہو اور میرے جزو بدن ہو۔ مین سردار عبداللہ کو تمہاری خیر و عافیت پوچھنے کے لئے بھیجتا ہوں اور تم لوگوں کو معلوم ہو کہ مین یہاں خیریت سے ہوں کیونکہ ابھی تو ملاقات کی نوبت نہین آئیگی مجھے چند روز یہاں ٹھیر کے رسد اور نقدی کا بند و بست کرنا ہے۔

میں تو طالع خان میں پڑا رہا۔ سردار عبداللہ نے دریائے کندوز کو عبور کیا اور میرا خط پہنچایا۔ فوج کو جب میرا حال معلوم ہوا تو وہ بہت خوش ہوئی اور اس نے اس خاص خوشی میں سارے لشکر گاہ میں روشنی کی اور آتشبازی چھوڑی اور خوب دعوتیں ہوئیں۔ اور حضور انور شافع روز محشر کی روح اطہر پر درود بھیجی اور خدا سے دعا مانگی کہ اپنے حبیب کے طفیل مین افغانستان کے مسلمانون کو انگریزوں کے حملے سے بچایا ان کے دل ہماری طرف پھیر دے۔

فوج نے مجھے خط کے ذریعہ سے مبارک بادی دی اور لکھا ہم سب کو یقین ہے کہ خدا ہمارے ساتھ ہے اس لئے کہ اس نے ایک ایسے افسر کی ماتحتی سے بچایا جو ہم کو اپنے پیروں سے روندنا چاہتا تھا اور اب آپ جیسے سردار کو ہماری رہنمائی کے لئے بھیجا مین نے خدا کے اس فضل و کرم کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے اتنے آدمیوں کے دل میری طرف پھیر دیئے۔

دو روز تو میں نے میر بابا خان میر فیض آباد کا انتظار کیا۔ اخیر جب وہ نہین آیا تو اس کو ایک خط لکھا کہ تمہارے نہ آنے کی کیا وجہ ہے۔ بابا خان نے عرض کیا اس خیال سے کہ فوج نے آپکی اطاعت قبول کر لی ہے مین نے آنے کی ضرورت نہین سمجھی۔ فوراً ہی میں نے اس کا یہ جواب دیا کہ تم بہت جلدی میرے پاس حاضر ہو۔ اور نہین تو مین تمہارے پاس آؤں گا۔ اسکے اپنے مشیرون اور مصاحبوں سے اس معاملہ مین رائے لی۔ سب نے یہی صلاح دی کہ وہاں جانا چاہئے ورنہ وہ خود کوئی فوج بھیجین اور آپ کی بربادی کا سامان کرین۔ مصاحبوں کی آخر سُن لی اور چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ طالع خان مین مجھ سے آکے ملا۔

صبح کو میر بابا۔ میر عمر اور میر سلطان مراد اور ان کے ماتحت سرداروں کو میں نے دربار میں بلایا۔ اور جب یہ لوگ حاضر ہوئے تو میں ان سے اس طرح مخاطب ہوا " تم کو معلوم ہے کہ میں اب کس حالت میں ہوں۔ دیکھو میں جہاد کرنے آیا ہوں۔ اور ہماری فوج کے پاس نہ تو کہانے کا سامان ہے اور نہ روپے پیسے کا کچھ ٹھیک ہے۔ اس ملک پر حکومت کرنیوالوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی حیثیت کے مطابق روپے سے مدد کریں اور یہاں کی رعایا کو یہ کرنا چاہئے کہ وہ سواروں کو اپنا مہمان سمجھے اور کھانے پینے کا فکر کرے۔ دو گھر پیچھے ایک بھیڑ اور ایک بوری گیہوں یا جو کے آٹے کی ضرورت چاہئے۔ بس اور میں آپ کو تکلیف نہیں دوں گا " میں نے ان لوگوں سے کہا اس کا جواب مجھے کل ملجائے اور اس کے بعد دربار برخاست ہوا۔ سردار اسحٰق کو بھی ایک خط بھیجا کہ جب سے تم میمنہ کی طرف گئے ہو اس وقت سے تمہارا حال نہیں معلوم ہوا اور میں بہت خوش ہونگا اگر تم مزار آجاؤ اور میری عدیم الفرصتی کے زمانہ میں اس ملک کا کام سنبھالو۔ یہ خط اُسے بیابان اندکوہی میں ملا اس کے دیکھتے ہی اسکی طبیعت میں شوق پیدا ہوا کہ میں وہاں جاؤں دوسرے کہیں اس نے یہ سنا کہ میں نے بدخشان اور کتغان فتح کر لیا ہے اس وجہ سے وہ فوراً مزار کی طرف روانہ ہو گیا اور تیسرے دن وہاں پہنچ کے مجھے لکھا کہ میں حاضر ہوں لیکن اب میری فوج کے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں رہا۔

اس عرصہ میں میروں اور سرداروں نے اقرار کیا کہ ہم آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہیں۔ فی الحال تین لاکھ نقد روپے کا بندوبست کیا ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کریں گے اگر پھر ضرورت پڑی تو اس خیال سے کہ آپ ہمیں ایک ایسے دشمن کی زد سے بچا رہے ہیں جس سے ہم لوگ بالکل ناواقف ہیں ضرور اور بھی کچھ آپ کی خدمت میں پیش کریں گے۔ غرضکہ ہر طرح وہ میری امداد کے لئے موجود تھے۔ اس کے بعد میں نے حکم دیا کہ کچھ رسد کا سامان خان آباد کے قلعہ میں رکھا جائے اور کچھ تھوڑا سا دوسری جگہ۔ جب ذرا حالت درست ہوئی تو سردار اسحٰق کو لکھ بھیجا کہ اب تم بار برداری کے بارہ ہزار اونٹ یہاں بھیجو۔ میں سب پر خورونوش کا سامان لدوا کے تمہارے پاس بھیجدوں گا۔ ان ہی دنوں میں ایک تاشکرغان کا سوداگر جس کا نام یار محمد خان تھا میرے پاس کچھ تحفے لیکے حاضر ہوا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ اتنے سوداگروں میں سے اکیلا یہی

شخص کیوں حاضر ہوا۔ بہر حال مجھے پتہ چلگیا کہ بلخ کے سابق وایسرائے یا حاکم نے سرکاری روپے میں سے چار ہزار روسی طلائی سکے۔ دس ہزار بخاری طلائی سکے۔ ساٹھ ہزار کابلی روپے۔ اور سو روپے والے دو ہزار نوٹ غبن کئے۔ اس کے بعد بخارا کے خاص خزانہ سے کچھ اڑایا اور دو چار ہزار روپے اس سوداگر کے پاس بھی رکھ گیا ہے۔ اور یہ سوداگر میرے پاس اس غرض سے آیا کہ وہ مجھے اس معاملہ کی اطلاع کرے۔ مین نے اس آدمی کے ساتھ اپنے ذاتی ملازم فرامرز کو (ہرات کا موجودہ سپاہ سالار) بھیجا کہ وہ تاشقرغان جاکے روپے لے آئے۔ یہ دونوں وہاں گئے اور ایک بڑی رقم لیکے وہاں سے واپس آئے۔

دوسرے دن نوروز (نئے سال کا پہلا دن) تھا۔ اس کی خوشی مین چھ ہزار افغانی لڑکیوں اور عورتوں کو جنہیں ترکمان شیر علی کی وفات کے بعد اپنی غلامی میں لائے تھے مین نے حکم دیا کہ وہ آزاد کر کے اپنے اپنے رشتہ داروں کے حوالے کی جائیں۔ میرے حکم کی تعمیل ہونیسے پہلے میر بابا خان نے میرے قاصد کو قید کر لیا۔ اور میری نسبت یہ رائے قایم کی کہ ان کو انگریزوں سے بہت جلد لڑنا چاہیئے اور اگر ان عورتوں کی رہائی میں کچھ دیر ہوئی تو میں پھر سمجھونگا۔ میرے بہت سے قاصدوں کو میر بابا نے مار ڈالا۔ ایک بیچارہ دریا مین کود پڑا۔ بڑی مشکل سے جان بچا کے مجھ تک پہنچا اور یہ سارا معاملہ مجھ سے کہا۔ یہ سن کے مجھے میر بابا کی طرف سے بالکل اطمینان نہیں رہا۔ اس کو معہ اس کے چند ساتھیوں کے قید کر لیا۔ مین نے میر محمد عمر کو فیض آباد کا حاکم مقرر کیا۔ اور اس کے بھائی کو رشطاک کا۔ اس کے بعد ان مظلوم عورتوں کے رہا کرنے کا پھر حکم دیا اور میری اہلیہ کے بھائی شیر خان کے قیدخانہ میں پڑے ہوئے تھے انکے آزاد کرنے کا بھی حکم دیا۔ مین نے ان تمام مظلوم قیدیوں کو رہا کر کے ان کے دوستوں کے پاس بھیجدیا۔ اور سچے دل سے خدا کا شکریہ ادا کیا کہ آج اس نے مجھے ایسی قوت عطا کی جس سے مین نے اپنی قوم کی مدد کی۔ دوسرے دن جب میں کندوز مین داخل ہوا تو سپاہیوں نے ایک سو ایک توپین میری سلامی کے لئے سر کیں۔ مجھے دیکھکے بہت خوش ہوئے اور میرے سامنے دو سو افسر و نکولائے جو میرے دشمن تھے اور محض مجھے خوش کرنے کے لئے ان کی گردنیں مارنا چاہتے تھے۔ مین نے ان کو منع کر دیا اور سب کو چھوڑ دیا۔

جب صبح ہوئی تو مین توپخانہ کا معائنہ کرنے کے لئے گیا۔ ابھی یہاں سے فارغ نہوا تھا کہ ایک عجیب

واقعہ پیش آیا۔ یعنی دفعتاً میں نے دیکھا کہ ایک شخص آگے بڑھا۔ اس نے جھک کے مجھے سلام کیا اور میرے پیروں پر گر پڑا۔ میں نے اُسے اُٹھایا تو وہ ناظر حیدر کا لڑکا ناظر محمد سرور نکلا۔ جس نے سمرقند میں میرا ساتھ چھوڑا تھا۔ پہلے تو یہ اپنی ندامت کی وجہ سے کچھ شرمندہ رہا لیکن جب میں نے اس کا قصور معاف کر دیا تو اُس نے کہا "میں کابل سے آپ کے نام کا ایک خط لایا ہوں" جب میں اپنے خیمہ پر واپس آیا تو اس نے کہا کہ "اب میں انگریزی سفیر کا قاصد بن کے آیا ہوں۔ میں نے پہاڑ ہندوکش کی چوٹیوں کو بڑی مشکل سے طے کیا ہے اور وہاں برف بڑی شدت سے پڑ رہی ہے۔"
میں نے اس خط کو کھولا۔ جس کا مضمون یہ تھا۔
"محبی سردار عبدالرحمان خاں عالی مرتبہ۔ آپ کا دوست گریفن بعد اظہار شوق ملاقات یہ عرض کرتا ہے کہ سرکار انگریزی کو آپ کے کتغان تشریف لانے سے بہت خوشی ہوئی۔ اور اس سے زیادہ خوشی ہوگی اگر آپ یہ تحریر فرمائیں کہ آیندہ کیا ارادہ ہے اور روس کے ملک سے کیسے آنا ہوا۔ میں آپ کی خیر و عافیت خداوند کریم سے ہمیشہ نیک چاہتا ہوں۔"
میں نے اس خط کو پڑھ کے اپنی فوج کو سنایا۔ کیونکہ میرے اور سرکار انگریزی کے تعلقات کی یہ ابتدا تھی۔ اور یہ مناسب نہیں سمجھا کہ بغیر فوج کے مشورہ کے میں اپنی طرف سے کسی قسم کا جواب دوں۔ ان مجھے مفسد آدمیوں سے اب بھی خوف تھا کہیں وہ یہ نہ کہہ بیٹھیں کہ یہ تو انگریزوں سے ملا ہوا ہے ہمارا ملک یوں ہی ملکے نکلوا دے گا۔ اور پھر میرا سارا بنا بنایا کام بگڑ جائے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب اس موقع پر یہ بھی دیکھنا ہے کہ خارجی معاملات کے انجام دینے میں یہ لوگ مجھے کتنا اختیار دیتے ہیں۔ خط کو خوب بآواز بلند پڑھ کے سنایا۔ اور سرداروں سے کہا کہ آپ بھی اس کے جواب کا مسودہ تیار کرنے میں میری مدد کریں۔ میں بغیر آپ کی صلاح کے کوئی کام نہیں کرنا چاہتا۔ سرداروں نے دو روز کی مہلت مانگی۔ تیسرے دن کوئی سو خطوں کا ڈھیر میرے آگے لا کے ڈال دیا۔
کسو ئی لکھتا ہے "اے انگریزو۔ تم ہمارا ملک چھوڑ دو ورنہ ہم تم کو مار کے نکال دیں گے اور یا خود مر جائینگے" بعض نے لکھا کہ جو کچھ ہمارا نقصان ہوا ہے پہلے اس کو پورا کر دو جب ہم کہیں کچھ معاملات کی بات چیت کریں گے۔ ایک دوسرے نے لکھا ہم کو سو کروڑ روپیہ دو تو ہم اپنے قلعے اور توپخانے درست کریں۔ ورنہ ہم ایک انگریز کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے کہ وہ پشاور تک صحیح سلامت پہنچے جیسا کہ

ایک مرتبہ ہو چکا ہے۔ ایک سردار نے لکھا " اے دغا باز کافر و۔ تم نے ہندوستان دہوکے سے لیا۔ اور اب تم اسی طرح افغانستان لینا چاہتے ہو۔ جبتک ہو سکے گا ہم تمہارا مقابلہ کرینگے اور پھر اس کے بعد اور کوئی سلطنت روس جیسی ہماری شریک ہو کے تمہارا مقابلہ کریگی " غرض کہ اسی قسم کی اور بھی بہت سی بے سرو پا باتیں تہیں۔ ان خطوں کو مینے سب کے سامنے زور زور سے پڑہا اور کہا اب میں ایک خط تمہارے سامنے لکہتا ہوں جس مین تمہیں یہ نہ شبہہ ہو کہ پہلے ہی سے کسی سے پوچھہ کے لکھہ لیا ہے۔ کاغذ کا ایک ٹکڑا اور قلم لیکے مین بیٹھہ گیا اور اس ذات پاک سے مدد مانگی جو تمام مخلوق کا پیدا کرنے والا ہے کہ اے خدا آج مجھے وہ قوت دے جس سے مین اس خط کا ایک نہایت موزون جواب لکھوں۔ پھر میں نے سات ہزار ازبکوں اور افغانیوں کے سامنے یہ لکھا کہ " بجناب مہربان گیریفن صاحب عالی مرتبہ قایم مقام سرکار انگریزی۔

مجھہ راقم خط (سردار عبد الرحمٰن خاں) کا سلام قبول ہو۔ مجھے آپکے خط دیکھنے سے بڑی خوشی ہوئی کہ آپ نے میرے کتغان آنے کی خبر بڑی خوشی کے ساتھہ سنی۔ آپنے جو دریافت کیا کہ میں نے روس کا ملک کیوں چھوڑا تو اس کی نسبت یہ عرض ہے مین نے جنرل کاف مین صاحب وایسرائے اور روسی سلطنت کی اجازت سے ایسا کیا۔ میری غرض بس یہ تھی کہ میں اس پر آشوب زمانہ میں اپنی قوم کی مدد کرون۔ تسلیم و آداب وغیرہ وغیرہ۔

مین نے اس خط کو فوج کے آگے پڑھہ کے سنایا اور پوچھا کہ تم اسے پسند کرتے ہو یا نہین۔ انہوں نے کہا کہ ہم تو آپ کی ماتحتی میں اپنے دین اور ملک کے لئے لڑنا چاہتے ہیں۔ ہمیں نہین معلوم بادشاہوں سے کیسے خط کتابت کرتے ہین۔ اللہ اور اس کے رسول کی قسم کھائی اور انہوں نے مجھے اختیار دیا کہ جو چاہو لکھو " اور باواز بلند یہ کہا " اے چاریار جو تو نے لکھا سب صحیح ہے اور ہم سب اس سے راضی ہین۔ چار یار یعنی صحابہ کرام (ابو بکرؓ۔ عمرؓ۔ عثمانؓ۔ علیؓ) افغانی جنگ کے موقع پر جب انہین کوئی خوشی ہوتی ہے تو چار یار کے نعرے بلند کرتے ہین۔

چونکہ میرا خط انہین پسند آیا اس لئے یہ نظر محمد سرور (قاصد) کو دیا گیا۔ جو چار روز دم لینے کے بعد کندوز سے کابل روانہ ہوا۔

نظر محمد خاں سرور کے کابل روانہ ہو جانیکے بعد مین نے بھی چاریکار کی طرف آہستہ آہستہ بڑہنا شروع کیا۔

اور کابل میں انگریزی افسروں کے پاس زبانی کہلا بھیجا کہ مین چارا کار کی طرف فیصلہ کیلئے جارہا ہون ۲۰ اپریل کو گریفن صاحب نے میرے پاس پھر ایک خط بھیجا جس مین بہت اصرار کے ساتھ لکہا تھا تم کابل چلے جاؤ اور افغانستان کی سلطنت کو سنبھالو - مین نے اس خط کا ۲۶ اپریل کو حسب ذیل جواب دیا -

مہربان من مجھے جسطرح سابقاً گورنمنٹ سے امیدیں تھیں اسی طرح میں اب بھی گورنمنٹ سے ہرطرح کی امید رکھتا ہون اور آپ کی دوستانہ عنایتون نے میری بہت سی امیدون کو پورا کر دیا اسلئے کہ آپ افغانستان کی حالت سے خوب واقف ہیں کہ افغانی میری کوئی بات نہین مان سکتے - جبتک وہ یہ نہ سمجھ لین کہ مین ان کی بھلائی میں ہون - میرے ساتھی جبتک وہ مندرجۂ ذیل سوالات کا شافی جواب پالیں مجھے کابل نہ جانے دینگے سوالات یہ ہیں - اول یہ طے کردیا جائے کہ میری سلطنت کی حدود کیا رہین گی - دوم کیا میری سلطنت میں قندہار بھی شامل رہے گا - سوم انگریزی ایلچی یا انگریزی فوج افغانستان مین رہیگی یا نہین چہارم برٹش گورنمنٹ کے کونسے دشمن کے مقابلہ کے واسطے مجھے تیار رہنا پڑیگا - پنجم میرے اور میرے ملک والون کے ساتھ برٹش گورنمنٹ کونسی رعایتوں کے کرنے کا وعدہ کرتی ہے ششم - ان رعایتوں کے بدلے مین مجھسے کیا خدمات لیجائیں گی - ان سوالات کے جواب میں اپنے آدمیون کو دکھاکے اُنسے مشورہ کرون گا - اس عہدنامہ پر جس کی پابندی میرے اوپر لازمی ہوگی غور کرون گا کہ مین کہاں تک اسکی پابندی کرسکتا ہوں - مین خدا پر بھروسہ رکہتا ہوں کہ ایک دن میں اور میری قوم ان کی خدمت انجام دینے مین فرد ہو گی - اگرچہ گورنمنٹ کو میری امداد کی ضرورت نہین مگر دنیا میں اکثر ایسے بھی موقعے ہوجاتے ہین - کہ امداد لینی ہی پڑتی ہے -

آجکل میرے پاس غول کے غول آدمیوں کے چلے آرہے تھے اور میری تابعداری اور ساتھ رہنے کی قسمیں کھارہے تھے - اور سب میرے ہرطرح کی جان ومال سے خدمت کرنے کو تیار تھے یہانتک کہ جب مین پنجشہر سے چارا کار میں داخل ہوا تو اس وقت تین لاکھ غازی میرے ساتھ تھے مین نے خدا کا شکر یہ ادا کیا کہ میرے ساتھ اس قدر آدمی ہوگئے - جو اپنے پہلے بادشاہ کی طرح میری تابعداری کرنے میں خوش ہیں اور میری مرضی کے موافق عمل کرتے ہین -

ان آدمیوں نے مجھسے سچے وعدے کئے کہ ہم انگریزوں سے لڑنے کے لئے بالکل مستعد ہیں - مگر مین نے اُن سے کہدیا کہ سلطنت برطانیہ سے لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ گورنمنٹ نے کابل

کا تخت قبول کرنے کے واسطے مجھے خود لکھا ہے۔

۱۴ر جون کو گریفن صاحب نے پھر میرے پاس خط بھیجا جس مین میرے سوالات کے جواب مین حسب ذیل تحریر تھا۔ مین باتباع حکم گورنمنٹ آپ کو ان سوالون کے جواب سے جو آپنے دریافت فرمائے تھے منجانب گورنمنٹ آگاہ کرتا ہوں۔ اوّلاً اس سوال کا جواب کہ کابل کے حکمراں کے سلطنت غیر سے کیا تعلقات رہین گے۔ یہ ہی کہ جبتک برٹش گورنمنٹ کو یہ حق حاصل ہی کہ کسی غیر سلطنت کو افغانستان کی معاملات مین مداخلت نکرنے دے اور جبتک روس فارس افغانستان کے معاملات میں کوئی پولیٹکل داخلت نہیں کرتے۔ یہ واضح ہی کہ کابل کے حکمران کو کسی غیر سلطنت سے سوائے انگریزی سلطنت کے پولیٹکل تعلقات کی ضرورت نہین اور اگر ایسی کسی سلطنت کا افغانستان میں دخل بیجا کرنے کا ارادہ ہو اور اس مداخلت سے کابل کے حکمراں پر حملہ کیا جانیکا اندیشہ ہو تو اس وقت گورنمنٹ اگر ضرورت ہوئی تو اسکے دفعیہ کے لیئے مدد کرے گی بشرطیکہ حکمران کابل بیرونی معاملات میں گورنمنٹ کی نصیحتوں پر عمل پیرا رہے۔ دوم حدود کے متعلق مجھے یہ جواب ملا ہے کہ قندہار کا تمام صوبہ جداگانہ حکمرانون کی ماتحتی میں رہا ہی۔ اور صرف پشین اور سیبی گورنمنٹ کے قبضہ مین ہیں اسلیئے گورنمنٹ اس معاملہ مین آپ سے کوئی نیا بندوبست کرنا نہیں چاہتی۔ اسی طرح شمال و مغربی حدود کے متعلق جن کا فیصلہ امیر محمد یعقوب خان کے زمانہ مین ہوچکا تھا کسی نئے انتظام کی ضرورت نہیں۔ ان خصوصیتوں کے ساتھ گورنمنٹ راضی ہے کہ آپ افغانستان پر (معہ ہرات کے جس کی مخصوصیت کی ضمانت نہیں ہوسکتی۔ حالانکہ گورنمنٹ کی یہ مرضی نہین ہے کہ اس کے قبضہ مین آپ کے واسطے رکاوٹیں پیدا کیجائیں) مستقل طور سے مثل اپنے پیشروؤں کے حکمرانی کریں۔ گورنمنٹ کی یہ بھی خواہش نہیں کہ آپ کے ملک کے اندرونی معاملات مین کسی قسم کی مداخلت کرے۔ اور نہ ایسے کسی مقام پر انگریزی سفیر رکھنے کی درخواست کی جائیگی۔ اگرچہ یہ مناسب ہوگا کہ دوستانہ خط وکتابت اور معمولی سہولیت کے واسطے کابل میں ایک مسلمان ایجنٹ گورنمنٹ کی طرف سے رکھا جائے۔

۲۲ر جون کو مین نے اس خط کا مختصر سا جواب تحریر کیا مگر میں نے قندہار کو اپنی سلطنت سے علیحدہ ہونے پر رضامندی ظاہر نہیں کی۔ اور یہ وجہ تحریر کی کہ قندہار شاہی خاندان کا شہر تھا اور بغیر ایسے شہر کے الحاق کے سلطنت کی بالکل کم وقعتی ہوگی۔ خدا پر بھروسہ کرکے میں کوہستان (کوہستان

کابل کے شمال و مشرقی صوبوں میں (ایک مقام ہے جہاں افغانیوں کے بڑے بڑے سردار رہتے ہیں) سے ہو کے چاراکار میں داخل ہوا۔ انگریزی فوج میں غازیوں کی کثیر تعداد کے جمع ہونے سے بے چینی پائی جاتی تھی۔ کابل اور کوہستان کے سردار اور آدمی جو انگریزوں سے لڑ رہے تھے ہر روز میری اطاعت کی قسمیں کھا کھا کے میرے ساتھ شامل ہوتے جاتے تھے اور جو میرے پاس نہیں آسکتے تھے وہ بذریعہ خط یا کسی اور ذریعہ سے کہلا بھیجتے تھے کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ کابل سے میرے مخبروں نے مجھے اطلاع دی کہ انگریزی افسر اس بات سے سخت پریشان ہو رہے ہیں کہ آپ کے خیالات اُن کی جانب سے کیسے ہیں۔

۲۰ر جولائی کو تمام سردار اور افغانی جرگوں کے سرغنوں نے جو موجود تھے چاراکار میں مجھے اپنا بادشاہ اور امیر قبول کیا۔ اور اپنے خطبہ میں میرا نام بطور اپنے حکمراں کے داخل کر لیا۔ تمام آدمی خوش تھے کہ خدا نے اُن کے ملک کو ایک مسلمان حکمراں کے ہاتھ میں سونپا۔

تسلسل واقعات نے سردار عبدالرحمٰن خاں کو ایسی حالت پر پہنچایا کہ جس سے گورنمنٹ کی خواہش اور امیدیں پوری ہوگئیں۔ وائسرائے ہند اور ملکہ معظمہ قیصر ہند کی گورنمنٹ اس بات سے خوش ہے کہ سردار عبدالرحمٰن خاں نبیرہ دوست محمد خان مرحوم عام طور سے امیر کابل قبول کرئے جائیں۔ گورنمنٹ کو بالکل اطمینان ہے کہ جرگوں اور اُن کے سرداروں نے بارک زئی خاندان میں سے ایک ممتاز رکن کا انتخاب کیا جو مشہور و معروف عاقل اور تجربہ کار ہے۔ انگریزی حکومت کی جانب اس کے خیالات دوستانہ ہیں وہ اپنے زمانہ سلطنت میں ہمیشہ ایسے خیالات کو پسند کرتا رہے گا اس کے مقابلہ میں برٹش اعظم اس کی مدد کرتا رہے گا۔ وہ لوگ جنھوں نے ہماری خدمتیں انجام دی ہیں اُن کے ساتھ اچھا برتاؤ کر کے عبدالرحمٰن خاں گورنمنٹ انڈیا کی دوستی کا اظہار کریں گے۔

۲۹ر جولائی شملہ سے ان انگریزی افسروں کے نام جو کابل میں مقیم تھے یہ تار برقی پہنچی کہ ایوب خان نے میمند پر انگریزی سپاہ کو بڑی بھاری شکست دی۔ اس خبر کے سنتے ہی گریفن صاحب بغیر کسی روک کے فتا پہنچے۔ اس کے ساتھ سواروں کا ایک دستہ تھا اُن کی غرض یہ تھی کہ مجھ سے ایسے مقام پر مل کے تمام آئندہ انتظامات کا فیصلہ کر لیں۔ تین روز ۳۰ر جولائی سے یکم اگست تک جلسہ ہوتا رہا۔ میں نے گریفن صاحب سے درخواست کی کہ مجھے پہلے شرائط نامے دیدیئے جائیں تاکہ میں

اُنہیں اپنے لوگوں کو دکھلا دوں - گریفن صاحب نے میری درخواست پر ذیل کی دستاویز مجھے دیدی
وائسرائے اور گورنر جنرل ان کاؤنسل اس بات سے نہایت خوش ہوئے کہ آپ گورنمنٹ کی
دعوت کے بموجب کابل کو جا رہے ہیں -
برٹن اعظم اس لئے آپ کو امیر کابل تسلیم کرتا ہے کہ اوّل تو آپ ہمارے دوست ہیں اور دوسرے
کابل کے مستقل حکومت کے ہونے سے افغانستان کے سردار رعایا معقول فائدہ حاصل کریگی
میں بلحاظ عہدہ وائسرائی اور گورنر جنرل ہندوستان مجاز ہوں - کہ آپ کو اطلاع دیدوں کہ گورنمنٹ
کو آپ کے اندرونی معاملات میں دخل دینے کی خواہش نہیں اور نہ گورنمنٹ یہ بات چاہتی ہے کہ
آپ کی سلطنت مین کسی جگہ انگریزی رزیڈنٹ رکھا جائے البتہ دوستانہ خط و کتابت اور عام سہولیت
کی غرض سے بالاتفاق یہ مناسب ہوگا کہ ایک مسلمان ایجنٹ گورنمنٹ کی طرف سے کابل میں رکھا
جائے - آپ نے گورنمنٹ کے متعلقہ حکمران کابل دربارۂ تعلقات سلطنت غیر ضبط تحریر میں لانے
کی درخواست کی ہے - منجانب گورنمنٹ آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ جبتک گورنمنٹ کو یہ حق حاصل
ہے کہ کسی غیر سلطنت کو افغانستان میں داخل نہو نے دے اور جب تک روس اور فارس افغانستان
کے معاملات میں دست اندازی کرنے سے باز رہین - یہ ظاہر ہے کہ آپ کو سوائے سلطنت برطانیہ
کے دوسری سلطنت سے سیاسی تعلقات قایم کرنے کی ضرورت نہین - اگر کوئی غیر سلطنت افغانستان
مین دست اندازی کی کوشش کرے اور اس کوشش کا نتیجہ آپ کی سلطنت پر حملہ کیا جانا منصور ہو
تو ایسی صورت میں برٹش گورنمنٹ اس صورت اور اس طریقہ مین جو مناسب وقت خیال کرے
اس کے دفعیہ کی غرض سے مدد دینا منظور کرتی ہے بشرطیکہ آپ بیرونی تعلقات میں گورنمنٹ کی
نصیحتوں کا لحاظ رکھین گریفن صاحب نے مجھ سے کہا کہ آپ کابل تشریف لے جائیے انگریزی
افسروں کو اس سے قبل کہ وہ کابل سے روانہ ہوں آپ سے ملنے کی بڑی خواہش ہے -
مسٹر گریفن نے مجھ سے اپنی حفاظت کے انتظام اور اس فوج کے لئے جو زیر ماتحتی جنرل رابرٹ
قندھار کو اور سر ڈانیلڈ اسٹورٹ کی ماتحتی مین پشاور کو جا رہی تھی سامان رسد کے مہیا کرنے کی درخواست
کی - میں نے اس معاملہ میں حسب مقدور نہایت کوشش کی اور ان کو ہر طرح سے اطمینان دلادیا
کہ ان کا حدود افغانستان مین بال بیگانہ ہوگا - مین نے مسٹر گریفن سے کہا کہ میری رائے یہ ہے

کہ جنرل رابرٹ فوراً قندہار روانہ ہوجائیں۔ اوران کی روانگی کے بعد میں سر ڈانیلڈ اسٹورٹ سے ملاقات کروں گا۔

۸ اگست کو جنرل رابرٹ کابل سے قندہار کی جانب روانہ ہوئے اور مین نے سردار محمد عزیز خاں ولد سردار شمس الدین خاں کو معہ چند افسروں کے اُن کے ہمراہ کردیا اوران کو ہدایت کردی کہ وہ قندہار تک جنرل رابرٹ کے ہمراہ رہیں تاکہ کوئی شخص راستہ مین اُن کا مزاحم نہ ہو۔ اور اُنکی فوج اور جانوران بار برداری کے سامان رسد کا پورا انتظام رکہا جائے۔ جرگوں نے ان افسروں کی زبانی میرا حکم سنکے کسی قسم کی مزاحمت نہین کی اس وجہ سے جنرل رابرٹ بہ حفاظت تمام قندہار پہنچ گئے اور یکم ستمبر کو ایوب خان شکست پاکے ہرات کی جانب بھاگ گیا۔

سر ڈانیلڈ اسٹورٹ اور گریفن صاحب ۱۰ اگست کو شیرپور سے پشاور کی جانب روانہ ہوئے ان کی روانگی سے چند منٹ پہلے مین اُن سے ملنے گیا۔ ۵ منٹ تک میں نے دربار کیا اور آپس میں صاحب سلامت کرنے کے بعد دوستانہ باتیں کیں۔ معاہدات کے اثنا میں اسبات کا بھی تصفیہ ہوگیا کہ افغانی توپخانہ کی ۳۰ توپین جو اس وقت شیرپور میں موجود ہیں مجھے دیدیجائیں اور قریب ۱۹ لاکھ روپے کے جو دوران قیام انگریزون نے بطور مالگزاری وصول کیا ہے مجھے واپس دیدیا جائے اور جملہ اخراجات جو فوج کی رسد مین خرچ ہوئے ہیں وہ بھی مجھے دیدیئے جائیں۔ اور وہ نئے قلعے جو گورنمنٹ نے کابل میں بنائے ہین مسمار نہ کئے جائیں۔ ان واقعات نے افغانستان کی دوسری لڑائی اور انگریزی قبضہ کا خاتمہ کردیا۔ اوراس صورت سے تخت کی باگیں میرے ہاتھ میں ہوتی گئیں تاکہ مین عون اور تومیت اور خدمت کے پنجہ سے بہت مضبوط انکی باگوںکو پکڑلوں اور تمام ملک پران ہی تین چیزوں کو مدنظر رکھ کے حکومت کروں۔

افغانی اپنے ملک کو ایک مسلمان بادشاہ کے قبضہ میں دیکھ کے بہت خوش تھے اور مین خدا کا نہایت شکرگزار تھا کہ اس نے مجھے یہ خدمات سُپرد کیں اوراس طرح سے میرے آدمیون کو ان تکالیف سے نجات بخشی جوان کو سلطنت کی تنزل کی حالت میں پہنچ رہی تھین۔ مین نے اپنے ملک میں امن ترقی قایم کرنے میں اپنے فرائض شاہی کو شروع کیا مگر یہ کام سرِدست آسان نہ تھے۔

آٹھواں باب

انتظام

جب میں تخت پر بیٹھ گیا اور کابل سے انگریز چلے گئے۔ میں انتظام و ترقی سلطنت کی طرف راغب ہوا۔ میں نے ان شہروں میں جو میری عملداری میں تھے عمال مقرر کئے۔ میں نے بڑے بڑے شہروں میں اُن آدمیونکو مقرر کیا جو لیاقت اور دیانت مین فرد تھے۔ چھوٹے مقامات پر جہاں کم آبادی تھی ایسے آدمی مقرر کئے گئے جو معمولی لیاقت کے تھے۔ وہ آدمی جن کا اس طرح تقرر کیا گیا حسب ذیل ہیں۔ اوّل گورنر۔ اور معتمد معہ عملہ متعلقہ۔ دوم قاضی اور ان کے ماتحت۔ سوم کوتوال معہ عملہ پولیس سکرٹری اور محکمہ راہداری کے افسروں کی تقرری کی گئی۔ چہارم قافلہ باشی۔ اس میں میں نے ایک جماعت پنچایت کی مقرر کی اور ایک دفتر جس میں روزانہ آمدنی اور خرچ تحریر کیا جائے۔ دفتر متعلقہ ٹکس۔ (موسومہ چبوترہ) خزانہ۔ فوج اور دیگر اشخاص جو شہروں میں امن قایم رکھنے کے واسطے ضروری تھے بھیجے گئے۔

میں نے ایک حکم مختلف قریوں اور صوبوں کے سرداروں کے نام بدیں مضمون جاری کیا کہ تم لوگ شہر میں امن قائم کرو اور اہل شہر سے نیک سلوک کرو جس کے صلہ میں تم کو انعام دیا جائیگا اور سلطنت کی طرف سے ہر طرح کا سلوک ہوگا میں نے ان سب آدمیوں کو اس بات کا پورا یقین دیا کہ اگر تم شہر میں امن قائم کرو گے اور اہل شہر سے اچھا برتاؤ کرو گے تو تم کو ضرور انعام دیا جائیگا اس انتظام سے فراغت پا کے میں نے اپنے متعلقین اور دو لڑکوں حبیب اللہ خان اور نصر اللہ خان کو جو روس میں میرے وفادار نوکروں کی سپردگی میں تھے بلا بھیجا۔ میں نے قندہار سے اپنے اور رشتہ داروں کو بھی بلا لیا اور اسی سال ۲۲ر نومبر کو ایک دوسری شادی کر لی۔ یہ خاتون جس سے میں نے شادی کی تھی ملا علی قلی کی لڑکی تھی اور اس کی ماں میری چچی ہوتی تھی۔ میری یہ شادی میرے چچا سردار محمد یوسف خان کے مکان میں ہوئی اور میرے چچا ہی نے اس شادی کا انتظام کیا۔ میرا چھوٹا لڑکا محمد عمر اسی خاتون کے بطن سے ہے جو میری پچھلی بیوی ہے۔ تھوڑے عرصہ کے بعد میرے اہل و عیال میری ماں اور میری بہن بھی کابل میں پہنچ گئی۔ اور میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر یہ ادا کیا کہ اس نے ہم کو ایک مدت کے

بعد جس کو بارہ برس گزر چکے تھے اور جس زمانہ میں سوائے تکلیفوں اور سختیوں کے ہمنے کچھ نہیں دیکھا تھا ایک جگہ پھر ملایا۔

ملک میں شرارت اور فساد کا مادّہ پھیل رہا تھا اس لئے میں نے خفیہ پولس اور جاسوس مقرر کئے اور ان کو حکم دیدیا کہ جو کچھ شہر کے آدمیوں کے متعلق معلوم ہو مجھے مطلع کریں۔ اس طرح جب مجھے تحقیقات سے ثابت ہوگیا کہ فلاں آدمی مفسد ہے اور فلاں میرا دوست اور خیر خواہ ہے میں نے اُن کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا۔ شریروں کو کافی سزائیں دیں اور ان کو جو میرے دوست ہوئے انعام اور اکرام سے مالامال کردیا۔ شریر اور مفسد لوگوں میں سے متعصب ملّانوں کا گروہ تھا اور وہ سردار بھی جو شیر علی اور اس کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان سب لوگوں سے ان کے برتاؤ کے موافق سلوک کیا گیا۔ بعض ان میں سے جلاوطن کردیئے گئے اور بعضوں کو ایسی سزائیں دیگئیں جن کے وہ مستحق تھے۔ اس زمانہ میں میں نے نہایت سخت برتاؤ کیا۔ میں تمام خطوط اپنے ہاتھ سے لکھا کرتا تھا۔ کیونکہ مجھے اس زمانہ میں کسی پر بھروسہ نہیں تھا۔

اس زمانہ میں جبکہ میرے خیالات عام نگرانی کی طرف مبذول تھے۔ دو باتیں ایسی تھیں جن کی طرف مجھے سب سے زیادہ توجہ کرنی پڑی۔ اوّل یہ کہ خزانہ روپیہ سے بالکل خالی تھا نہ فوج کی تنخواہ دیجاسکتی تھی نہ سلطنت کے اور خرچ نکل سکتے تھے۔ دوسری فوج کے پاس نہ کچھ سامان میگزین تھا اور نہ اسلحہ۔ روپیہ کے متعلق میں نے یہ کارروائی کی کہ اپنے ملک میں ایک دارالضرب مقرر کی جہاں پر سکہ ہاتھ سے بنایا جاتا تھا کیونکہ اس وقت میرے پاس کوئی کل اس قسم کی نہیں تھی یہ دارالضرب جس میں ہاتھ سے کام ہوتا تھا آج کل میری خوش قسمتی سے اس میں کلوں سے کام لیا جارہا ہے اور ایسا ہی کام ہوتا ہے جیسا کہ انگریزی دارالضرب میں کیا جاتا ہے۔ اس میں ہمیشہ اصلی حالت پر ایسا ہی کام ہوتا رہیگا۔ سرکار انگلشیہ نے دارالضرب کلکتہ سے میرے پاس کچھ روپیہ بھیجا تھا۔ جس میں میں نے ۴ فیصد تانبا ملوا کے اپنے ملک کے دارالضرب میں کابلی روپے تیار کرا لئے۔

میں نے اپنے افسروں کے نام حکم جاری کردیا کہ وہ شہر میں سے چاندی خرید کر اس میں مناسب مقدار تانبے کی شامل کرکے روپیہ کا سکہ تیار کریں اس ترکیب سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ علاوہ اس کے میں نے یہ حکم جاری کیا کہ جن لوگوں کے پاس پہلی عملداری کا روپیہ باقی ہے خواہ وہ روپیہ اُن کو

بطور پیشگی دیا گیا ہو یا عمال میں تقسیم کرنے کی غرض سے عطا ہوا ہو سب خزانہ میں واپس جمع کر دیا جائے یہ روپیہ ابھی تک یا تو انہیں لوگوں کے پاس تھا جنہیں دیا گیا تھا یا اُن کاموں میں خرچ کر دیا گیا تھا جن کے واسطے وہ روپیہ عطا ہوا تھا۔

اِس عام اعلان سے بعض لوگوں نے تو وہ روپیہ جو ان کے پاس قرض تھا واپس جمع کر دیا۔ اور بعض آدمیوں کے واسطے جنہوں نے روپیہ داخل کرنے میں لیت و لعل شروع کی میں نے کلکٹر مقرر کئے اور ان کو ہدایت کر دی کہ قرضداروں پر تشدّد کر کے روپیہ جلد وصول کر لیا جائے۔ میں نے اس کام کے واسطے محاسب مقرر کئے جن کا کام یہ تھا کہ وہ اس بات کی پڑتال کریں آیا وہ تمام روپیہ جو بمد ٹیکس باقی تھا وصول ہو گیا یا نہیں۔

ملک کو لڑائی۔ بغاوت اور مفسدہ پردازی کے خطرہ سے محفوظ کرنے کے لئے میں نے حکم دیا کہ فوج کے لئے تمام سامان اور رسد وغیرہ کا کافی انتظام کر لیا جائے۔ بار برداری کے جانور خریدے جائیں اور تمام ضروری چیزیں کافی مقدار میں مہیا کر لیجائیں۔ اسی طرح سے میں تمام ناگہانی آفات کے مقابلہ کے واسطے بالکل تیار ہو گیا۔

دوسری مشکل یعنی سامان جنگ کی ضرورتوں سے نجات پانے کے واسطے میں نے رائفل توپیں۔ گولہ اور ہاتھ سے کارتوس بنانے والے مقرر کئے۔ کیونکہ اس زمانہ میں ہر ایک کام ہاتھ سے کیا جاتا تھا۔ کوئی کَل اس قسم کی میرے پاس نہین تھی جس سے میں کام لے سکتا۔ یہ دستکاری جس کو میرے جدامجد نے میرے والد کی نگرانی میں جاری کی تھی اور بعد میں خود میں اس کام کا نگراں رہا تھا کابل میں بہت کمی کی حالت مین تھی جس کو میں نے اب پھر ایک بڑے پیمانہ پر جاری کر دیا۔

میں نے اپنے افسروں کو بھی حکم دیا کہ وہ شہر میں ان آدمیوں سے جن کے پاس ذخیرہ موجود ہے یا جو فروخت کرتے مین سامان جنگ خرید لیا جائے۔ اس طریقہ سے تھوڑے ہی دنوں میں جب میں ایوب خاں کے مقابلہ میں لڑنے نکلا ہوں میرے پاس میگزین کی اگرچہ نہایت ابتر حالت تھی مگر تو بھی ۱۵۰۰۰ گولے موجود تھے۔ علاوہ ان کے میرے پاس اسلحہ اور سامان جنگ کافی مقدار میں تھا۔ یہ نگرانی میری سلطنت کے واسطے نہایت مفید ثابت ہوئی۔ اس کے بعد میں نے اچھے اچھے افسر شیر علی کی فوج سے منتخب کرنے شروع کئے اور ان تمام افسروں کو بلا بھیجا جو میری جلاوطنی سے پہلے میری ماتحتی میں کام کرتے

تھے اور اس طرح سے میں نے تھوڑے ہی دنوں میں ایک زبردست اور بڑی فوج تیار کر لی۔ میں نے فوج کی خدمات یعنی کا طریقہ جو شیر علی خاں نے مقرر کیا تھا موقوف کر دیا اور بجائے اس کے والنٹروں کی جماعت قایم کی جس میں ہر شخص جس کی مرضی ہو اور وہ فوج کے لایق ہو شامل ہو سکتا تھا۔ میں نے زخمی اور بیمار سپاہیوں کے واسطے ہر ایک کیمپ اور چھاؤنی میں شفاخانے مقرر کر دیئے اور سپاہیوں کی تعلیم کے واسطے مدرسے کھول دیئے اور مسافروں کی حفاظت کے واسطے پہرے چوکیاں مقرر کیں سوداگروں کو یہ یقین دلایا گیا" وہ میرے ملک میں بلا خوف وخطر سفر کر سکتے ہیں میں نے انکی ہمت دونوں بیرونی اور اندرونی تجارت کی ترقی میں بڑھائی۔ اس کے بعد میں نے پیمایش کرنے والے مقرر کیئے تاکہ وہ سڑکوں کی درستی کریں۔ اور مقامات مناسب پر کارواں سرائے تعمیر کریں۔ کہ مختلف انتظام کے نگراں رہیں جس سے مسافروں کو آرام ملے اور ملک میں امن ہو جائے۔ میں بالتفصیل اُن سب باتوں کو بیان نہیں کر سکتا جن کی طرف مجھے اپنی شروع سلطنت میں ملک کو منصف گورنمنٹ بنانے کیواسطے توجہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی۔ میری سلطنت کیحالت بالکل ذیل کے قصہ کی طرح تھی۔ اور اس سے یہ بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ کن کن باتوں کا انتظام ضروری تھا۔

ایک شخص نے جبکہ ٹھیکہ داروں کو اپنے لئے ایک باغ تیار کرنے کا ٹھیکہ دیکر اُن کو پیشگی روپیہ دیدیا اور ان سے شرط ہو گئی کہ اتنی مدت میں کام پورا کر دینا ہوگا۔ ٹھیکہ داروں نے روپیہ اپنے خرچ میں اُٹھا ڈالا اور باغ کی طرف بالکل بھی توجہ نہیں کی۔ جب وقت معینہ گزر چکا ٹھیکہ داروں نے مالک کو اطلاع دیدی کہ باغ بالکل تیار ہے اور وہ اُس کو باغ کی طرف لیچلے۔ مگر جب مالک نے باغ کو دیکھکر کہا کہ اس میں درخت تو لگے ہی نہیں۔ ٹھیکہ داروں نے جواب دیا کہ سوائے اس کے کہ درخت نہیں لگے اور سب کام ہو گیا ہے۔ مالک باغ نے جب یہ دریافت کیا کہ اس میں کوئی نہر نہیں جس سے باغ سینچا جائے تو انہوں نے پھر وہی جواب دیا کہ صرف نہر ہی نہیں نکلی ورنہ سب کام تیار کر دیا گیا ہے۔ مالک نے کہا اس میں دیوار بھی تو نہیں ہے جس سے باغ کو جانور نقصان نہ پہنچا سکیں۔ تو اُن سے وہی جواب ملا کہ دیوار ہی باقی رہ گئی اور تو سب کام ختم ہو چکا ہے۔ جب مالک نے پوچھا زمین میں ہل تک نہیں چلا اور تم کہتے ہو باغ تیار ہو گیا۔ تو ٹھیکہ داروں نے کہا کہ اس زمین میں ہل چلنا باقی ہے سوائے اس کے اور کچھ کام باقی نہیں چھوڑا۔

افغانی سلطنت بالکل اسی حالت مین تہی - ہر ایک چیز موجود تہی - مگر وہی چیز نہ تھی جو ترقی کے واسطے ٹھیک ہوتی -
اس وقت جب میں جنوب مشرقی اطراف اور کابل کے اندرونی انتظامات مین مشغول تھا مینے سردار عبداللہ خاں توخی کو بدخشاں کا گورنر مقرر کیا اور اپنے چچازاد بھائی محمد اسحاق کو سردار عبدالقدوس خاں کے ساتھ ترکستان کا ویسرائے بنایا تاکہ یہ دونوں وایسرائے میری ہدایتوں کے مطابق ملک کے جنوب مغربی صوبجات کا انتظام کریں - جنوب مشرقی سرحدات ابھی تک انگریزوں کے قبضہ میں تہیں کیونکہ وہ قندہار میں موجود تھے اور انہوں نے اپنی جانب سے شیر علی ولی کو منتظم مقرر کردیا تھا - پھر انگریزوں نے جب وہ قندہار سے گئے ہیں شیر علی ولی کی پنشن مقرر کردی تہی جو کراچی میں جا کے مقیم ہوگیا تھا -
۲۱ را پریل ۱۸۸۱ء میں قندہار انگریزوں نے خالی کردیا تھا - کل صوبہ مجھے سونپ دیا اور پھر میں نے اس صوبہ کو اپنی سلطنت کے ساتھ شریک کرلیا -
جہاں تک مجھے معلوم ہوا وہ یہ ہے کہ ولی مفصلہ ذیل اسباب کی بنا پر انگریزوں نے قندہار سے نکالا تھا -
(۱) محمد ایوب نے تمام قسم کی تیاری قندہار پر حملہ کی غرض سے کرلی تہی بکثرت فوج بہی جمع ہوگئی تھی شیر علی میں اس سے مقابلہ کرنے کی ذرا بھی قوت نہ تہی -
(۲) شیر علی سے سب ناراض تھے اور ہر شخص اُسے بُری نگاہوں سے دیکھتا تھا ہر وقت اُس کی جان خطرہ میں پھنسی رہتی تھی اور اُسے ڈر تھا کہ کیا تو غدر ہوجائے گا یا مجھے کوئی قتل کردیگا -
(۳) میں نے کوئی معاہدہ قندہار سے دست بردار ہونے کے لئے نہیں کیا تھا - میں نے نہ اس بات کی کوئی مرضی ظاہر کی تھی کہ میں قندہار دیدوں گا مگر جب انگریزوں نے مجھ سے درخواست کی کہ میں اس شہر پر قبضہ کرلوں تو میں نے بڑی پھرتی اور پریشانی سے اس شہر پر قبضہ کرلیا کیونکہ یہ شہر میرے اب وجد کا خاص وطن ہے -
میں نے یہ لے تو لیا لیکن جب یہ خیال آیا کہ قندہار کی حفاظت کیونکر ہوگی تو میری زبان سے بیساختہ یہ نکل گیا مصرع " کہ عشق آساں نمود اول ولے اُفتاد مشکلہا " کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ عنقریب ایوب قندہار پر حملہ کرنے والا ہے اور میرے پاس جنگ مدافعت کی تیاری کرنے کا پورا وقت نہیں ہے مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ کابل کی حالت ٹھیک نہیں ہے اگر میں جنگ میں مبتلا ہوگیا تو پھر کابل کس پر چھوڑونگا

وہاں اونٹ ابھی کل سے بیٹھا ہی نہیں ہے لڑائی کوئی ایک دو روز میں تو ختم ہونیسے رہی ضرور ہے کہ کئی مہینے تک جاری رہے اس عرصہ تک کابل سے بغیر موجودگی پر مجھے اندیشہ ہے مبادا افسا ہو جائے اور پھر میں دیکھتا کا دیکھتا رہ جاؤں۔

ایک طرف تو یہ خیال تھا اور دوسری جانب یہ سوچتا تھا کہ اگر سلطنت کابل کے ساتھ قندھار نہیں رہا تو اسکی مثال ایسے سر کی ہوگی جس میں ناک نہ ہو یا ایسے قلعہ کی مثال ہوگی جسکے دروازے نہ ہوں۔ میں اس وقت دنیا کے سامنے گویا انسری نزول پیش ہوا جو ہر قسم کے خوف سے کانپا جاتا ہوا اور جس کی حالت اپنے اب وجد کے تخت پر قبضہ کرنے سے سخت ناگفتہ بہ ہوگئی ہو کبھی مایوسی اور کبھی امید اس وقت میں امید وبیم میں غلطان وپیچان ہو رہا تھا۔ یہ تو مجھے آنکھوں سے دکھائی دے رہا تھا کہ میرے آگے خطرہ عظیم ہے اور مجھے اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ پھر بھی میں نے خدا پر بھروسہ کیا اور اسباب کا عزم بالجزم کرکے کہ جہاں تک ممکن ہو تمام مشکلات کا مقابلہ کروں گا میں نے انگریزوں سے قندھار لے کے ہاشم خاں کو یہاں کا گورنر مقرر کیا۔

پھر سب سے زیادہ قاضی کی عدالت مقرر کی گئی اور اس عدالت میں نہ صرف مذہبی امور کے متعلق مقدمات دائر ہوئے بلکہ دیوانی اور ہر قسم کے مقدمات رجوع ہوتے ہیں۔ تمام معاملات اور مذہبی

ہر شہر میں امیر نے بڑے بڑے انتظامی محکمے مقرر کر دیئے تھے اور انتظام کی زنجیروں میں بڑے بڑے عہدہ داروں کو ایسا چکر دیا تھا کہ کوئی اُکس نہیں سکتا تھا۔ جہاں مستغیث چاہتا اپنے مقدمات کو منتقل کرا سکتا تھا۔

گورنر تمام شہر کی عدالتوں کا افسر گنا جاتا تھا۔ اور اس کے ہاں اپیل ہوتی تھی لیکن وہ بھی بغیر جلسۂ حکام اپنی رائے سے کسی مقدمہ میں فیصلہ نہ کر سکتا تھا۔

گورنر کا بڑا فرض یہ قرار دیا گیا کہ وہ زمینداروں سے محاصل سرکاری وصول کرے اور زمینداروں کے جھگڑے کا فیصلہ کرے اور شاہ کے احکام وقتاً فوقتاً عہدے داروں اور رعایا کو پہنچائے۔

چھوٹے چھوٹے گورنروں پر امیر کے ہاں اعلیٰ گورنر بھی مقرر ہیں اور ان پر وایسرائے جن کا لقب نائب الحکمار ہے اور تمام وبیراؤں۔ کل جنگی اور دیگر محکمہ جات پر امیر کے بڑے بیٹے شہزادہ حبیب اللہ خاں مقرر تھے جن کی عدالت عدالت العالیہ کہلاتی تھی۔

جھگڑے ٹنٹوں کا یہیں فیصلہ ہوتا ہے۔ طلاق۔ وراثت اور نکاح کے متعلق یہیں فیصلہ کیا جاتا
اس عدالت کے چیف جج کو قاضی کہتے ہیں اور اس کے ماتحت جج مفتی کہلاتے ہیں سب ال
کے ہر مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہیں۔

فوجداری کے مقدمات میں کوتوال کو بڑا اختیار دیا گیا ہے اور کسی دوسرے افسر کو اتنا اختیار فوجداری کے
مقدمات میں نہیں ہے۔ ایک طرح سے کوتوال فوج پولس کا اعلیٰ افسر ہے اور عدالت فوجداری کا
جج بھی ہے اور اس کے اختیار میں محکمہ خبر رسانی بھی ہے۔ غرض کہ مشرقی ممالک میں جو اختیارات
کوتوال کو حاصل ہوتے ہیں وہ ہی یہاں دیئے گئے ہیں۔ تمام مشرقی کتابوں میں کوتوال کے اختیارات
اور مظالم کی داستانیں ہم نے بارہا پڑھی ہیں۔ کوتوال چھوٹے چھوٹے فوجداری کے مقدمات کا خود فیصل
کر دیتا ہے اور سنگین مقدمات پائے تخت بھجوا دیتا ہے۔

قافلہ باشی وہ افسر ہے جس کے فرض میں داخل ہے کہ وہ مسافروں کے لئے اونٹ اور بار برداری کے
جانور بہم پہنچائے۔ یہ بھی اس کا فرض ہے کہ وہ اس بات کی نگرانی رکھے کہ جو لوگ کرایہ کرتے ہیں اور
جانور لیتے ہیں انہیں لوگ دھوکا تو نہیں دیا دیتے۔ جو شخص اونٹ وغیرہ کرایہ کرتے ہیں وہ اپنی کمیشن
ان سے لے لیتا ہے۔ اور اپنی کمیشن کا ایک ایک کوڑی کا حساب گورنمنٹ میں داخل کر دیتا ہے
اس محکمہ کے کل اخراجات گورنمنٹ اٹھاتی ہے اور کمیشن وغیرہ کا جو کچھ روپیہ آتا ہے وہ گورنمنٹ
خزانہ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

بورڈ آف کامرس سوداگروں کے جھگڑے کا تصفیہ کرتا ہے۔ ایک میر مجلس ہوتا ہے اور بہت سے
ممبر ہوتے ہیں جنکا انتخاب ہندو مسلمان تاجروں کے جرگوں سے کیا جاتا ہے۔

محکمہ محاصل صرف ان مقدمات کا فیصلہ کرتا ہے جو محاصل کے متعلق دائر ہوتے ہیں۔ محکمہ محاصل
کے جمع کرنے کا ایک رجسٹر ہوتا ہے جس میں سالانہ آمدنی جمع ہوتی ہے۔ زمیندار سالانہ محاصل وہاں
داخل کر دیتے ہیں۔

روزنامچہ میں روز آمد و خرچ درج ہوتا ہے اور اس رجسٹر میں تمام اُن زمینداروں کی ایک فہرست
ہوتی ہے جو سرکار میں محاصل ادا کرتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہوا ہوتا ہے کہ فلاں زمیندار اتنی رقم سالانہ
ادا کرتا ہے۔

چبوترہ یا ٹیکس وصول کرنے کے افسر۔ یہ محکمہ چنگی کا روپیہ وصول کرتا ہے جو اشیائے تجارت پر لگایا گیا ہے اور جس کا نرخ ڈھائی فی صدی ہے۔ یہی چنگی کل بیرونی اور اندرونی تجارت پر لگائی گئی ہے

خزانہ شاہی۔ محاصل اور ٹیکس کا روپیہ وصول کرنیوالے بطور خود روپیہ نہیں لیتے صرف احکام شایع کر دیتے ہیں کہ اتنا روپیہ فلاں شخص پر واجب الادا ہے اور پھر وہ احکام خزانہ میں آجاتے ہیں کہ اتنا روپیہ فلاں شخص سے لیلیا جائے اور ہر ٹیکس وغیرہ ادا کرنے والا وہ روپیہ داخل خزانہ کراتا ہے

ہر چھوٹے بڑے شہر میں ضرورت کے موافق تھوڑی سی فوج رکھی جاتی ہے۔

ان تمام محکموں کی سالانہ رپورٹیں براہِ راست پایۂ تخت بھیجی جاتی ہیں اور یہ کل رپورٹیں افسر اعلیٰ کی خدمت میں پیش ہوتی ہیں۔

نواں باب ۹

ہرات کا الحاق

میں پہلے ذکر کر چکا ہوں کہ جب میں تخت کابل پر بیٹھا ہوں تو میری زندگی پھولوں کے بچھونے پر نہیں گزرتی تھی۔ تمام قسم کی پیچیدگیوں نے مجھے چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا۔ اب رشتہ داروں رعایا اور میرے آدمیوں سے مجھے لڑنا پڑا۔ کابل میں مجھے ایسی دقتیں پڑ گئیں کہ میں جنگ کی تیاری نہ کر سکا حالانکہ جنگ کی آفت میرے سر پر منڈلا رہی تھی۔ جب انگریزوں نے محمد ایوب خاں کو شکست دی ہے تو وہ قندہار کو چھوڑ کے ہرات پر قابض ہو گیا تھا اور جس دن سے اُسے شکست ہوئی تھی وہ برابر جنگی تیاریاں کر رہا تھا۔ بہت سی زبردست فوج جمع کر کے وہ ہرات سے قندہار کی طرف روانہ ہوا۔ میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ مجھے پہلے سے اس کا کھٹکا لگا ہوا تھا وہ میرے سامنے آگیا۔

بہت سی باتیں اس وقت ایوب خاں کی تائید اور میری مخالفت میں موجود تھیں اس کے پاس سامان جنگ بہت اچھا تھا اور فوج کی تعداد بھی بہت تھی۔ دوسری سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جاہل ملانوں نے جہیر جہاد کا فتویٰ دیدیا تھا کہ ہر مسلمان کو عبدالرحمٰن پر جہاد کرنا فرض ہے اُنھوں نے کہا کہ عبدالرحمٰن انگریزوں کا دوست ہے جو اس سے قتال کرے گا غازی ہوگا۔

ایوب کے پاس بارہ ہزار تعلیم یافتہ سپاہی مفصلہ ذیل افسروں کی ماتحتی میں تھے۔ حسین علی کمانڈر انچیف

نائب حفیظ اللہ ڈپٹی کمانڈر انچیف جنرل تاج محمد پسر ارسلا خاں غلزئی - سردار حسن خاں - سردار عبداللہ خاں پسر سردار سلطان خاں نبیرہ محمد عظیم خاں سردار احمد علی پسر محمد علی - نور خاں - سردار عبدالسلام پسر قاضی محمد سعید -

ایوب چند ہزار سپاہیوں کے ساتھ خوشدل پسر شیر دل کو ہرات میں چھوڑ آیا تھا - سردار شمس الدین اور سردار ہاشم جو میری طرف سے قندہار کے گورنر تھے مفصلہ ذیل افسر ایوب سے جنگ کرنیکے لئے مقرر کئے - غلام حیدر توخی کمانڈر انچیف سردار محمد حسن پسر سردار خوشدل قندہاری قاضی سعید الدین (جو آجکل ہرات کا وسپرائے ہے) پیادہ فوج کی سات رجمنٹیں - دو توپخانے - سات رجمنٹیں باقاعدہ رسالہ کی - تین ہزار ملیشا سوار اور سات رجمنٹیں ملیشا پیادہ فوج کی -

بتاریخ ۲۰ر جولائی ان دونوں فوجوں کا مقابلہ بمقام کرز ہوا جو گرشک کے قریب تھا - اور بہت سخت جنگ ہوئی - اوّل ہی اوّل قندہاری لشکر کی فتح ہوئی جو نہایت شجاعت سے لڑا اور داد مردانگی دکھائی - ایوب کا سارا رسالہ ہر طرف سے پسپا ہو کے بھاگا صرف اسّی افسر ایوبی فوج کے معہ چند ساتھیوں کے میدان جنگ میں رہگئے - اور یہ بھی یوں ہوا کہ یہ لوگ سمجھ بیٹھے تھے کہ جان بچا کے بھاگنا محال ہے کیونکہ کل فوج انہیں چھوڑ کے چلدی تھی اس لئے اُنہوں نے دل میں ٹھان لی تھی کہ بھاگ کے کتّے کی موت مرنے سے یہی بہتر ہے کہ میدان جنگ میں مرد میدان بن کے سر دیدیا جائے -

باہم متفق ہو کے وہ یکایک قندہاری فوج پر جھپٹے اور سیدھے فوج میں رستہ پیدا کرتے ہوئے کمانڈر انچیف اور قاضی سعید الدین کی طرف بڑھے - ان مٹھی بھر سپاہیوں سے شکست کھا کے قندہاری رسالہ بھاگ گیا سردار عبداللہ خاں اور ایوب کے کئی افسر اس جنگ میں کام آئے - ایوب کی بن آئی وہ سیدھا قندہار پر بڑھا اور بغیر کسی مزاحمت اور جنگ کے قبضہ کر لیا -

میرے سرداروں میں سے ہاشم اور غلام حیدر قلات چلے گئے اور سردار حسن مکہ بھاگ گئے - شمس الدین خرقہ میں چھپ گیا ایوب نے وعدہ کیا تو اس مقدس عمارت سے باہر نکل آ میں تجھے کچھ نہیں کہنے کا کہتے ہیں جب وہ باہر نکل آیا تو ایوب نے اُسے خوب بیدیں ماریں -

جب میں نے یہ کیفیت سُنی تو ناچار بادلِ ناخواستہ حبیب اللہ خان کو بطور گورنر کابل اور پروانہ خاں کو کمانڈر انچیف فوج کا چھوڑ کے کابل سے روانہ ہو گیا اس وقت میرے ساتھ بارہ ہزار فوج تھی اور یہ

افسر ہتے۔ غلام حیدر چرخی کمنڈر انچیف۔ فرامرز کمنڈر انچیف اول کی وفات ہو چکی اور ثانی ابھی تک ہرات میں موجود ہتے۔ غلام حیدر خاں توخی کمنڈر انچیف اور ابھی بہت سے افسر تہے جنکے نام گنانے کی میں ضرورت نہیں سمجہتا۔

جب میں ایوب خاں کی ۲۰۰۰ فوج کے مقابلہ میں قندہار کی جانب روانہ ہوا تو قریب ۱۰۰۰ آدمیوں کے توخی آمدرا اور دوسرے فرقوں کے میرے ہمراہ ہو گئے تہے۔ اکثر مولویوں نے مجہپر کفر کا فتویٰ جاری کر دیا تہا اور ان فتووں پر مولویوں نے اپنے دستخط کر دیئے تہے۔ بعض آدمیوں کا یہ بیان ہے کہ ان فتا وے پر ایوب خاں نے مولویوں سے خلاف مرضی دستخط کرائے ہے۔

میں بہت جلد کوچ کرتا ہوا چند روز میں موضع تموریان میں جو قندہار سے چار میل کے فاصلہ پر ہے پہنچ گیا۔ ایوب خاں نے جب یہ دیکہا کہ میں موضع تموریان میں پہنچ گیا اس نے مقام خیل ملا عالم سے جو قندہار سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے اپنا کمپ اٹہا لیا اور خاص شہر قندہار چلا گیا۔

۲۲ ستمبر ۱۸۸۱ء کو دونوں فوجوں کا قندہار کے میدان میں مقابلہ ہوا مگر ایوب خاں کی فوج اس کی بعض غلطیوں کی وجہ سے جو اس نے لڑائی کے شروع ہونیسے پہلے کیں ہمت ہار چکی تہی۔ ایوبخاں کی اوّل توسب سے بہاری غلطی یہ تہی کہ اس نے قندہار سے باہر نکل کے میری فوج کی مزاحمت نہیں کی اور بجائے اس کے کہ وہ خود مجہپر حملہ آور ہوتا اُس نے مجہے حملہ کرنے کا موقع دیا۔ دوم اُس نے قندہار کو غیر مقبوضہ حالت میں چہوڑ دیا۔ تیسرے اُس نے مقام خیل مُلّا عالم کے چہوڑنے میں فاش غلطی کی جو ہتے شروع جنگ سے اخیر تک وہ لڑائی میں شامل نہیں ہوا بلکہ کوتل چہل زینہ سے جو میدان جنگ سے ۱/۲ میل پر واقعہ تہا بیٹھا ہوا لڑائی کا تماشا دیکہہ رہا تہا۔ تمام باتیں ایسی تہیں کہ جس سے اسکی فوج کا ہمت ہارنا تعجب خیز نہ تہا۔ کیونکہ فوج نے یہ سمجہہ لیا تہا کہ وہ خود نہیں لڑتا بلکہ ہماری جانیں ضائع کرتا ہے پانچویں ایوب خاں نے ۷۰۰ سواروں کے ایک رسالہ کو متذکرہ بالا پہاڑی کے دامن میں اس غرض سے پوشیدہ کر دیا تہا کہ جب لڑائی گہمسان کی ہونے لگے تو ان سواروں سے ایک دم حملہ کر دیا جائیگا۔ مگر ایوبخان خود ایسا پریشان ہو گیا تہا کہ اُسکو رسالہ یاد ہی نہ آیا۔ اور یہ لوگ لڑائی کے ختم ہونے تک بالکل معطل رہی اور لڑائی میں کچہہ امداد نہ دیسکے۔ یہ لوگ چٹان کے نیچے پڑے رہے۔ اور میدان میں اپنی صورت بہی نہیں دکہائی جس سے انکی فوج کی ہمت بڑہہ جاتی۔ مگر توپہی لائق اور بہادر افسر اور مرد میدان سپاہیوں نے خوب جانیں توڑ کر

میدان جنگ میں کام کیا۔ ایوب خاں کے توپ خانہ نے جو پرانی قندہار کی چوٹی پر تھا بہت اچھا کام کیا۔ دو گھنٹے کامل لڑائی ایسے زور شور کی ہوتی رہی کہ غالب و مغلوب کی تمیز نہ ہو سکتی تھی۔ میری فوج یمین و یسار کی جانب سے ہٹنے لگی تھی۔ لیکن اس فوج کی جو قلب لشکر میں مشغول پیکار تھی۔ ہمت میں فرق نہ آیا۔ کیونکہ میں خود مع اپنے پیدل سپاہیوں سے اُن کے جوش کو بڑھا رہا تھا میری فوج کا ہر ایک سپاہی ایسا لڑائی میں مشغول تھا کہ اس کو اپنے سر پیر کا بالکل ہوش نہ تھا۔ یہاں تک کہ جوش میں آ کے خاص میرے اردلیوں کو لڑائی میں شریک کر لیا تھا اور اب صرف میرے پاس میرا ایک سائیس رہ گیا تھا۔ اس موقع پر میں برابر لڑائی میں آگے بڑھا چلا جاتا تھا ایوب خاں کی فوج میں کمزوری نظر آنے لگی۔ اور چونکہ میرے عہد حکومت سے قبل سپاہیوں میں یہ دستور تھا کہ وہ دونوں گروہوں میں سے جس کسی کو عین موقع جنگ میں غالب دیکھتے تھے تو مغلوب کا ساتھ چھوڑ دیتے تھے اسی دستور کے موافق میری خاص فوج کی چار رجمنٹوں نے جو اس وقت سے جبکہ وہ مقام گرشک پر مغلوب ہوئیں اور محمد ایوب کے ہمراہ تھیں اپنی نظریں بدل لیں اور انہوں نے ایوب خاں کی فوج پر جب وہ جان توڑ کے لڑ رہی تھی بندوقوں کی فیر کر دیئے۔ میری فوج نے جب یہ دیکھا تو ایک سخت حملہ کیا اور بندوقوں اور سنگینوں سے دشمن پر ٹوٹ پڑی جس سے ایوب خاں کی فوج ہر طرف بھاگ نکلی اور وہ خود ہرات بھاگ گیا۔

میں جب کابل سے قندہار روانہ ہونے لگا تھا تو میں نے سردار قدس خاں کو ترکستان سے ہرات پر حملہ آور ہونے کے واسطے حکم دیدیا تھا۔ کیونکہ میں یہ سمجھ چکا تھا کہ ایوب خاں ضرور ہرات کو غیر محفوظ حالت میں چھوڑ جائے گا۔ سردار قدس خاں نے میرے حکم کے بموجب ۔۔ رسالہ کے سوار اور ۔۔ پیدل اور دو پہاڑی توپوں کے ساتھ ہرات پر حملہ کر دیا۔ لوی نائب خوشدل نے جس کو ایوب خاں ہرات میں چھوڑ آیا تھا کچھ آدمی میری فوج کے روکنے کے واسطے بھیجے مگر وہ پس پا کر دیئے گئے اور میری فوج ہرات پہنچ گئی۔ خوشدل میں اتنی ہمت کہاں تھی کہ وہ خود میدان جنگ میں آتا۔ اور لڑائی میں شریک ہوتا اس نے یہ ترکیب کر رکھی تھی کہ روز چند آدمیوں کو قدس سے لڑنے کے واسطے بھیج دیتا تھا۔ ۔۔ اگست کو قدس خاں نے ایک سخت حملہ کر کے قلعہ کو فتح کر لیا۔

میں ناظرین کی آگاہی کی غرض سے یہ بیان کئے دیتا ہوں کہ قدس خاں جب کابل میں انگریز موجود تھے تاشقند میں مجھ سے ملنے کے لئے روانہ ہوا تھا لیکن میں نے اس وقت خود کابل چھوڑ دیا تھا جب

قدس خاں سمرقند پہنچا تو میں نے اُسے کہلا بھیجا کہ میرے پہنچنے تک تاشقند میں رہے ۔ میں شاید اپنے اس سوانح میں کسی جگہ ذکر کر چکا ہوں کہ سردار سرور خاں ۔ اسحاق اور قدس خاں کو ترکستان کے انتظام کے واسطے بھیجا گیا تھا اور قدس خاں آج کے دن تک میرا نہایت جان نثار ملازم بنا رہا۔
ایوب خاں کو جب ہرات کے رستہ میں یہ معلوم ہوا کہ اس کے سواروں نے ہرات کو کھو دیا اور اب اس پر میرا آدمیوں کا قبضہ ہے تو وہ مشہد کی طرف بھاگ گیا۔ اب میں نے فرامرز کمانڈر انچیف کو معہ رسالہ پیدل اور توپخانہ کے فوراً ہرات کیجانب کوچ کرنے کا حکم دیدیا اور قندہار کا بخوبی انتظام کر کے میں کابل روانہ ہو گیا۔
ایک مُلا جس نے مجھپر کفر کا فتویٰ لگایا تھا اور الہام گو کے بھیس میں عبادت گاہ میں رہا کرتا تھا۔ میں نے اس کے واسطے حکم دیا کہ عبادتخانہ میں ایسے بدخصلت کا رہنا مناسب نہیں ۔ میرے حکم کے بموجب اس مُلا کو عبادت خانہ سے باہر نکالدیا گیا اور میں نے اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا۔
جب میں کابل پہنچا تو مجھے پروانہ خاں ڈپٹی کمانڈر انچیف اور اپنے لڑکے حبیب اللہ خان کی خدمات سے بہت خوشی حاصل ہوئی میرا لڑکا حبیب اللہ خاں اس زمانہ میں بالکل بچہ تھا لیکن اس نے بہت بڑا کام یہ کیا کہ سپاہیوں میں جاکے میری جانب سے انکو جوش دلایا۔ وہ مطلق پریشان نہ ہوا نہ اُسے اس لڑائی سے کچھ خوف ہوا بلکہ ہر بات میں وہ مردانہ خاں ۔ میرزا عبدالحمید خاں اور دیگر افسروں کے مشورہ میں جنکو میں نے اس کی نگرانی کے واسطے مقرر کیا تھا شریک ہوتا رہا۔ اس زمانہ میں جب میں کابل میں موجود تھا کوہستان اور حصارک کے آدمیوں نے اور محمود باشندہ کنار عبدالرشید۔ جمعہ خان ۔ محمود حسین باشندہ وردک نے عام غدر مچادینے کی کوشش کی تہی ۔ مگر اُن افسروں کی حکمت عملی اور دوستانہ دباؤ سے جنہیں میں کابل چھوڑ آیا تھا کسی خاص مشکلات کا سامنا نہیں ہوا۔
محمد ایوب خاں کی شکست اور ہرات کے قبضہ سے میں اپنے آبا و اجداد کی سلطنت پر پھر قابض ہو گیا۔ لیکن قبل اس کے کہ میں ملک اور سلطنت کا اپنے آپ کو مالک سمجھوں مجھے بہت کچھ کرنا باقی تھا کیونکہ میں کسی مقام پر پہلے بیان کر چکا ہوں کہ ہر ایک مُلا اور ہر ایک سردار قصبہ و فرقہ اپنے آپکو ایک آزاد اور خود مختار سمجھتا تھا اور قریب دو سو برس کا زمانہ ہو چکا تھا کہ گورنمنٹ کی جانب سے ان کی آزادی میں کچھ فرق نہیں آیا تھا۔ ترکستان اور ہزارہ کے میر ۔ اور غلزئی کے سردار اپنے امیر سے زیادہ طاقتور تھے ۔ اور جبتک ان کی حکومت رہتی بادشاہ اپنے ملک میں انصاف نہیں کر سکتا تھا ان لوگوں کی

زیادتیاں اور ظلم ناقابل برداشت تھا۔ یہ تو ان لوگوں کی معمولی دل لگی تھی کہ مرد یا عورت کا سر کاٹ کے جلتے ہوئے لوہے کی چادر پر ڈال دیا اور ان سروں کے تڑپنے کا تماشا دیکھتے رہے۔ اس سے بھی سخت ترین مظالم کئے جاتے تھے جنکو میں بیان نہیں کرتا اسلئے کہ میری کتاب کے ناظرین ان واقعات کو پڑھنے سے لرز لرز اُٹھیں گے۔ ہر ایک سردار۔ افسر شاہزادہ اور خاص بادشاہ کے پاس قاتلوں لٹیروں اور چوروں کا گروہ موجود رہتا تھا جن کا یہ کام تھا کہ مسافروں۔ بیوپاریوں اور شہر کے متمول سوداگروں کو لوٹ لیتے تھے اور ان کی جائداد اور مال کو تباہ و برباد کر دیتے تھے اور مال مسروقہ ملازمین اور آقاؤں کے درمیان تقسیم کر لیا جاتا تھا۔ ان ڈاکوؤں میں سے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ گروہ تھا جو بندوقوں اور رائفلوں سے مسلح رہتے تھے۔ میں کسی دوسرے باب میں اس کا ذکر کرونگا کہ مجھے ان لٹیروں میں سے دو سرغنوں سا دو اور دادو سے کتنی دفعہ جھگڑا کرنا پڑا اور انہوں نے میری فوج کو چند مرتبہ شکست دی۔ ان میں سے ایک اس وقت پنجرہ میں بند ہے اور اس کو لتابند پہاڑی کی چوٹی پر لٹکا دیا گیا ہے۔

ان مُلانوں میں بہت آدمی مذہبی طریقہ پر عجیب عجیب لٹیرے پن کی تعلیم دیتے تھے جو مذہب اسلام اور پیشوائے دین رسول برحق سرور کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سے بالکل خلاف تھی۔ لیکن ملانوں کی اس تعلیم کا لوگوں پر اثر ہو جانا صرف اس سبب سے تھا کہ ہر ایک ملک میں اسلام برائے گفتن رہگیا تھا۔ ملانوں کی تعلیم یہ تھی کہ آدمی کو خود کچھ کام نہیں کرنا چاہئے بلکہ دوسروں کے مال چھین لینے اور آپس کے لڑائی جھگڑے میں زندگی بسر کرنی چاہئے۔ حقیقتاً ان میں سے ہر ایک مصنوعی بادشاہ اپنی رعایا سے طرح طرح کے ٹکس وصول کرتا تھا۔ پس سب سے پہلے کام جو مجھے کرنا چاہئے تھا وہ یہ تھا کہ ان بے شمار لٹیروں۔ چوروں اور جھوٹے پیشواؤں اور مصنوعی بادشاہوں کا خاتمہ کیا جائے۔

یہ کچھ آسان کام نہیں تھا۔ بلکہ اس میں پورے پندرہ برس لڑنے میں گزرے۔ جس عرصہ میں یا تو انہوں نے پورے طور سے میری اطاعت قبول کر لی یا شہر بدر ہوگئے یا اُن کو جلا وطن کر دیا گیا یا ہمیشہ کے واسطے وہ دنیا سے رخصت کئے گئے۔ دوسرے باب میں میں ان لڑائیوں کا حال بیان کروں گا جو میرے زمانہ حکومت سے تاحال جاری ہیں اور اس کے بعد میں اپنی سوانح عمری کے متعلق دوسری باتوں کا تذکرہ کروں گا۔ سب سے پہلے یہ ضروری تھا کہ ان لوگوں کا جو شایستگی۔ ترقی تعلیم اور ارادے میں رخنہ انداز تھے خاتمہ کر دیا جائے۔

بہت سے متعصب اور جاہل آدمی ایسے ہیں جو مجھے ان اندرونی لڑائیوں کی وجہ سے مطعون کرتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ میرا برتاؤ اپنے آدمیوں سے نہایت سخت تھا۔ لیکن زمانہ حال کے نہایت شایستہ ممالک میں بھی اس قسم کی کوئی مثال نہیں مل سکتی کہ جس کو سب سے پہلے اپنے ہی ایسے آدمیوں سے لڑنے کی نوبت نہ آئی ہو جو شایستگی کا نام تک نہیں جانتے ہوں۔ اسی صدی میں انگلینڈ میں برخلاف اپنی گورنمنٹ کے فساد ہو چکے ہیں۔ مجھے اس بات کا دعوےٰ ہے کہ میرے عہد حکومت میں میری رعایا نے شایستگی میں ایک نمایاں ترقی کی دولتمند اور مالدار میری عملداری میں رات کو بھی ایسے ہی گزر سکتے ہیں جس طرح دن میں۔ برخلاف اس کے سرحد افغانستان پر وہ حصۂ ملک جو سلطنت برطانیہ کے قبضہ میں ہے اس میں کوئی شخص جب تک اس کے ساتھ کافی تعداد محافظین کی موجود نہ ہو ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتا۔

دسواں باب

میرے عہد حکومت میں ملک کی حالت

عام آدمی یہ خیال کرینگے کہ میں تخت کابل پر بیٹھ کے آرام وچین سے زندگی بسر کرنے کے قابل ہو گیا ہونگا میرے واسطے سراسر خوشی اور آرام نصیب ہوا ہو گا۔ مگر نہیں میری حالت اس کے بالکل برخلاف تھی تخت پر بیٹھتے ہی میرے ارادے نے مجکو جواب دیدیا۔ مشکلات۔ تکالیف۔ ناامیدی اور فکر نے چاروں طرف سے مجھے گھیر لیا۔ اس سوانح عمری کے ناظرین کو یہ بات بخوبی معلوم ہے کہ مجھے اپنے والد ماجد اور چچا کے زمانہ حکومت میں بھی امورات سلطنت میں بہت کچھ دخل تھا مگر نہیں اس زمانہ میں تمام ذمہ داریوں سے مجھے نجات ملی ہوئی تھی۔ اور ہر ایک بات کے میرے باپ اور چچا ذمہ دار تھے یہ مثل بہت سچ ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے آدمیوں کے ساتھ ذمہ داریاں بہت ہوتی ہیں اور ذمہ داریوں کے ساتھ تشویش اور فکر بھی بڑھتا جاتا ہے۔

مذہب اسلام کی یہ تعلیم ہے کہ ہر شخص اپنے افعال کا قیامت کے روز بحضور خداوند ذوالجلال جوابدہ ہو گا۔ مگر نہیں بادشاہ نہ صرف اپنے کاموں کا ہی جوابدہ ہے بلکہ اُسے اپنی رعایا کے آرام وآسایش ملک کے امن وصلح کا بھی جواب دینا ہو گا۔ مولانا روم اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں "مصر کے پل کی خرابی کی

وجہ سے ایک بکری کے کھر میں چوٹ آگئی اسپر خلیفہ وقت حضرت عمرؓ خداوند ذوالجلال کی درگاہ میں معتوب ہوئے۔"
روایت ہے کہ قیامت کے روز خداوند تعالیٰ ہر بادشاہ سے سوال کرے گا کہ آج کے دن دنیا کی
بادشاہت کس کی ہے۔ تمام شہنشاہ بارگاہ صمدی میں بعجز وانکسار عرض کریں گے۔ اے خدائے
ارض وسما تمام بادشاہت کا تو ہی سزاوار ہے اور تو ہی سب سے بزرگ و برتر ہے۔ بارگاہ خداوندی
سے اس جواب پر خطاب ہوگا کہ جب تم یہ جانتے تھے تو تم نے اپنی رعایا میں جسپر تمہیں مقرر کیا
گیا تھا امن کیوں نہیں رکھا۔"
جب مجھے خداوند تعالیٰ کے روبرو جوابدہی کا خیال آتا تھا اور ساتھ ہی اسکے اپنے ملک کی ابتر حالت پر
نظر اٹھاتا تھا تو میری بے چینی اور پریشانی بڑھتی تھی۔ ملک کی ابتری اور حالت موجودہ سے مجھے اپنی
ترقی دشوار ہی معلوم نہ ہوتی تھی بلکہ میں اُسے ناممکن الوقوع سمجھتا تھا۔ یقیناً کسی شخص کو یہ خیال بھی
نہ تھا کہ افغانستان کو ایسی ترقی نصیب ہوگی جیسے کہ خدا کی عنایت سے میرے قلیل زمانہ حکومت میں
نظر آنے لگی۔ نہ صرف ملک کی سرسبزی کو ہمیشہ کے واسطے الوداع کہہ چکی تھی بلکہ ترقی کے تمام ذرایع
کا خاتمہ نظر آرہا تھا۔ اور نہ صرف تمام ذرایع ترقی کے ختم ہوچکے تھے بلکہ کسی قسم کے آثار نہیں تھے۔
جس سے پایا جاتا ہو کہ ملک میں پھر ترقی کی صورت نظر آئے گی۔ مگر خدائے برتر و توانا نے جب ایسی
بڑی ذمہ داریاں میرے سپرد کیں میں نے اس سے التجا کی اور دعا مانگی کہ اے رب العزت جب تو نے
مجھے ایسے ملک کی آدمیوں پر حکومت بخشی ہے تو ان کی اصلاح کرنے میں میری مدد فرما جس سے میں
قیامت کے دن تیرے حضور شرمندہ نہونے پاؤں۔ جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اپنے
صبر اور استقلال کو نہیں چھوڑتے خدا کی امداد اُن کے واسطے کافی ہے۔ اور وہی اُن کا سچا مددگار ہے
جو صبر سے کام لیتے ہیں۔ غرضکہ مشکلات اور ملک کی ناگفتہ بہ حالت کے ذکر کرنے کے واسطے ایک
ضخیم کتاب چاہیئے۔ مگر تو بھی میں اپنے ناظرین کی آگاہی کے واسطے تھوڑا سا حال لکھے دیتا ہوں
جس سے انہیں اسبات کے جانچنے کا موقع ملسکے کہ میرے عہد حکومت سے قبل ملک کی کیا حالت
تھی اور اسوقت ملک میں کس قدر ترقی ہوگئی۔ اور اب اور پچھلے زمانہ کی حالت میں کتنا فرق ہوگیا۔ میں
اپنے بہت سے مشکلات میں سے بمصداق مشتے نمونہ ذیل میں کچھ حالات درج کرتا ہوں۔
سب سے پہلی مشکل جو مجھے برداشت کرنی پڑی یہ تھی کہ میں افغانستان کا بادشاہ ہوگیا مگر میرے رہنے

کے واسطے کوئی مکان نہ تھا۔ وہ مکان جس میں کابل کے امیر اور بادشاہ رہتے تھے انگریزی فوج نے مسمار کر دیئے تھے اور اس وقت کوئی مکان ایسا نہ تھا جس میں عارضی طور سے سکونت اختیار کی جا سکے۔ افغانستان میں کوئی ایسا ہوٹل بھی موجود نہ تھا جہاں پر میں رہتا۔ تاریخ اس بات کا پتہ نہیں دے سکتی کہ کسی کو ایسی حالت پیش آئے کہ بادشاہ ہو کے مکان کی تلاش کرنی پڑے۔ جب مجھے کوئی مکان نہیں ملا تو مجبوراً جبتک میرا محل تیار ہو میں نے خیموں یا اپنی رعایا کی جھونپڑیوں میں زندگی بسر کی۔

جیسا اس سوانح عمری کے پچھلے بابوں میں ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا۔ میری عادت بچپن سے یہ تھی کہ میں کھلی ہوا میں رہنا پسند کرتا تھا اور میرا مکان ہمیشہ شہر سے باہر باغ میں رہتا تھا جہاں مجھکو تازہ تازہ ہوا ملتی تھی۔ مجھے اپنی بادشاہت کے زمانہ میں سب سے زیادہ مصیبت یہ ہوئی کہ اول مجھے ایسے مکانو نمیں رہنا پڑا جہاں تازہ ہوا کا نام نہ تھا جن میں ہزاروں سوراخ موجود تھے۔ راتوں کو چوہوں کی لڑائی اور پریشان کرنیوالی دل آزار صداؤں کی وجہ سے تمام شب مجھکو جاگتے ہی گزر جاتی تھی۔

دوسری مصیبت یہ تھی کہ خزانہ بالکل خالی تھا۔ اور کوئی چیز خزانہ میں ایسی نہ تھی جس سے ریاست کے نوکروں اور فوج کی تنخواہ دی جاتی۔ مالگزاری جو رعایا پر واجب الادا تھی اس سے دو ایک سال زیادہ کی جمع شیر علی یعقوب خاں اور انگریزوں نے وصول کر لی تھی اور کسی کے پاس اتنا ہی باقی نہ تھا کہ جسے وصول کر کے کام چلایا جاتا۔

تیسرے۔ ملک میں کسی قسم کا سامان جنگ جو امن اور صلح کے واسطے ضروری ہے موجود نہ تھا۔ میرے پاس ۳۰ افغانی توپیں تھیں جن کو میں نے انگریزی افسروں سے لیا تھا۔ مگر اُن کی یہ کیفیت تھی کہ اگر کسی توپ کی نال موجود ہے تو پہیا ندارد اور اگر پہیہ تھا تو دُہرا موجود نہ تھا اور اگر کسی میں یہ سب چیزیں بھی درست تھیں تو توپ کھینچنے کی گاڑیاں اس کی منتظر تھیں کہ کب توپ چڑھائی جائے اور کب اس کا ڈھانچ ٹکڑے ٹکڑے ہو۔ ان توپوں میں سے اگر بعض ہمہ وجوہ درست بھی تھیں تو گولہ اور سامان جنگ موجود نہ تھا۔ سچ ہے کوئی سپاہی خواہ کتنا ہی بہادر کیوں نہ ہو جبتک اس کے پاس لڑنیکے ہتیار نہ ہوں کام نہیں دیسکتا۔

چوتھے ہرات میری عملداری سے علیحدہ ہو کے ایوب خاں کے قبضہ میں چلا گیا تھا وہ میرے خلاف آمدہ ہوا

کو بہڑکاتا تہا اور لڑائی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ قندہار میں انگریزوں نے سردار شیر علی کو والئے قندہار بنا رکہا تہا جو آدمیوں کو اپنی طرف ملانے کی کوشش کرتا تہا۔ میمنہ کا گورنر۔ دلاور میرے خلاف تہا۔ ملک میں پہلے بادشاہوں کی کمزوری کی وجہ سے شجاع۔ شیر علی۔ یعقوب۔ ہر ایک سردار سید ہو یا ملا اپنے کو خود مختار بنا کے رعایا سے مالگزاری وصول کر لیتا تہا۔ بادشاہ ایسے غاصبوں کا کسی قسم کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے کچھہ نہ کر سکتا تھا۔

شیر علی کے زمانہ کے کاغذات جو اس وقت میرے دفتر میں موجود ہیں مظہر ہیں کہ اس کے زمانہ میں خون کرنے کی سزا صرف پانچ روپیہ مقرر تہے۔ یعنی مرد عورت کی جانیں اس وقت بھیڑ بکریوں کی جان سے بہی سستی تہیں۔ اس بے انصافی کی وجہ سے صرف ایک صوبہ بخراب سے جس میں ۲۰۰۰۰ خاندان ہیں ۵۰۰۰ روپے سالانہ کی آمدنی خزانہ سرکاری کو ہوا کرتی تہی یعنی ۱۰۰۰ خون سالانہ اس خاندان میں ہوتے تہے۔

شیر علی کے خاندان کے طرفدار جاہل ملا جو غازی کہلاتے تہے میرے خلاف لوگوں میں جوش پہیلاتے رہتے تہے اور ان کا وعظ یہ تھا کہ یہ شخص کافر ہے ہر ایک شخص کو اسے تکلیف پہنچانی چاہئے کیونکہ یہ کافر انگریزوں سے ملا ہوا تھا۔

طریقہ انصاف یہ تھا کہ ہر مستغیث سر دربار بادشاہ کی ڈاڑہی اور پگڑی کو پکڑ لیتا تہا جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ بادشاہ کو اس ڈاڑہی اور پگڑی کی شرم کرنی چاہئے اور اس ڈاڑہی اور پگڑی کے لحاظ سے ہمارا پورا انصاف کرنا فرض ہے۔ ایک روز میں حمام جا رہا تہا کہ ایک مرد اور عورت فریاد کناں دوڑتے ہوئے آئے اور مرد نے میری ڈاڑہی پکڑ لی اور عورت نے پیچھے سے دہکے دینے شروع کئے۔ اس شخص نے ڈاڑہی اس زور سے پکڑ رکہی تہی کہ میں تکلیف سے بیتاب تھا

چونکہ اس وقت کوئی چوکی پہرہ والا حمام کے دروازہ پر نہیں تہا میں نے اس آدمی سے درخواست اور التجا کی کہ میری ڈاڑہی چہوڑ دے میں بلا ڈاڑہی کہینچے ہوئے تیرا انصاف کر دوں گا۔ مگر میں نے کتنا ہی غل مچایا اس نے میری ڈاڑہی نہیں چہوڑی۔ اس موقع پر مجھکو بہت افسوس آیا کاش میں انگریز ہوتا کہ میری ڈاڑہی منڈی ہوئی ہوتی۔ میں نے ان عورت و مرد کے فیصلہ کے بعد حکم دیدیا کہ آئندہ حمام پر ہر وقت پہرہ رہے۔

دربار میں یہ ایک اور نیا دستور تہا کہ جب کبھی مٹھائی آتی تہی تو بجائے اس کے کہ افسر اور وزرا اپنے اپنے حصہ کے واسطے انتظار کریں مٹھائی پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ مٹھائی کی چھینا جھپٹی میں ایک دوسرے پر گرپڑتا تہا اور ہر ایک کی یہی کوشش ہوتی تہی کہ مٹھائی میں زیادہ کھاجاؤں۔ میں نے چند مرتبہ اس بات سے ان لوگوں کو منع کیا اور اُن سے کہا کہ یہ تمہارے اور میرے لئے بڑی شرم کی بات ہے کہ تم سردربار مٹھائی پر جانوروں کی طرح گرپڑتے ہو مگر انہوں نے میرے کہنے کی کچھہ پروا نہیں کی۔ ایک مرتبہ عید کے روز یہ لوگ حسب عادت مٹھائی پر کُشتم کُشتا کر رہے تھے اور اس بیہودہ حالت کو یہاں تک ترقی ہوگئی تہی کہ میں زیادہ برداشت نہ کرسکا اور میں نے پہرہ والے کو حکم دیدیا کہ ان لوگوں کو جہاں تک تم سے ہوسکے خوب مارو۔ پہرے والوں نے میرے حکم کے بموجب میرے وزیروں اور افسروں کو جو مٹھائی پر جھگڑرہے تھے مارنا شروع کردیا۔ ان لوگوں کا پٹنا دیکھہ دیکھہ کے میں افسوس بہی کررہا تہا اور سکرا بہی رہا تھا لیکن یہ سزا کچھہ ایسی موثر ہوئی کہ آئندہ پھر کسی نے ایسی بیہودگی نہیں کی۔

سلطنت کے وزرا اور مشیران دربار کی عقلمندی کی ایک ادنے مثال ہے کہ ایک مرتبہ جب روٹی آٹا نہایت گراں ہوگیا تو میں نے ایک وزیر سے اس کے دفعیہ کی تدبیر دریافت کی تو وزیر نے یہ تدبیر بتائی کہ غلہ فروشوں کے نام نہایت سخت احکام جاری کردیئے جائیں کہ وہ غلہ کی گرانی کو موقوف کردیں اور غلہ ارزاں فروخت کیا جائے۔ مجھے اس تدبیر پر بے ساختہ ہنسی آگئی اور آئندہ میں نے کسی اراکین دولت سے مشورہ نہیں کیا۔

سلطنت کے دعویداروں کی تعداد اس قدر بڑھ گئی تہی کہ ان کے نام کی فہرست بنانا غیرممکن تہا میرے اہل و عیال روس میں تھے جو ملازم میرے بھروسہ کے تھے ان کو میں نے مجبوراً انتظاماً شہر میں تعینات کررکہا تہا۔ کسی صلاح کار کے نہونے کے باعث مجھے ناامیدیوں نے ہر طرف سے گھیر رکھا تھا۔ لیکن جو لوگ خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں خدا مصیبت کے وقت انکی ضرور مدد کرتا ہے۔

ہمسایہ دول خارجہ کے معاملے میرے لئے سخت پریشانی کا باعث ہوتے تھے کہ اگر میں ایک طرف اپنا خیال رجوع کروں تو دوسری سلطنت مجھہ پر حملہ کردے گی۔ مورخ اور تجربہ کار مدبر سلطنت اس کو اچھی طرح سمجھہ سکتے ہیں کہ جب سلطنت تنزل کرکے ایسی بربادی کی حالت تک پہنچ جاتی ہے

کہ اس میں طوایف الملوکی ہو جاتی ہے تو ایسی سلطنت کو طاقتور مستقل بنانے کے واسطے ایک مدت درکار ہے۔ مثال کے لئے ہندوستان کی سلطنت موجود ہے۔ جب شاہان مغلیہ کی کمزوری کی وجہ سے اس کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بن رہی تھیں تو سلطنت برطانیہ کو کیا کیا کچھہ نہ کرنا پڑا۔ کن کن مصیبتوں کا سامنا ہوا۔ حالانکہ انگریزی مدبروں کی عجیب و غریب قابلیت۔ تجربہ اور علم زمانہ میں مشہور ہے "۔

افغانستان کی کمزوری کی یہ نوبت تھی اگر بادشاہ اپنے پایہ تخت سے دو تین میل کے فاصلہ پر بھی باہر چلا جاتا تو واپسی پر دوسرے شخص کو تخت سلطنت پر بیٹھا ہوا پاتا اور سوائے اس کے کہ بھاگ کے اپنی جان بچاتا اور کوئی صورت نہ ہوتی تھی۔ اسی لئے جب شیر علی نے اپنے سرداروں سے لڑنے کی قوت نہ دیکھی تو اس نے یہ تدبیر نکالی تھی جس کو وہ اپنے خیال میں بہت مناسب تدبیر سمجھا ہوا تھا۔ وہ تدبیر یہ تھی کہ اس نے خاص اپنے افسروں کو ہر ایک سرکش سردار پر مقرر کر دیا تھا اور ان کو قتل و غارت گری کی اجازت دیدی تھی اور اس کے لئے یہ قانون مقرر تھا کہ اگر کوئی اپنے دشمن کو مار ڈالنا چاہے تو وہ فی کس تین سو روپیہ سرکاری خزانہ میں داخل کر دے اور پھر جس قدر آدمیوں کو چاہے قتل کر ڈالے۔ شیر علی کے خیال کے بموجب یہ تدبیر بہت اچھی تھی۔ سب سے اول اس تدبیر سے اس کو باغیوں اور مفسدوں سے لڑنے سے نجات مل گئی وہ خود ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے دوسرے اسے تین سو روپیہ ہر ایک شخص کا جان بہا ملنے لگا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ جب خدا کسی قوم سے راضی ہوتا ہے وہ اس پر ایک رحم دل اور منصف بادشاہ کو مقرر کرتا ہے۔ اور جب وہ یہ جانتا ہے کہ کوئی قوم برباد اور تباہ ہو جائے اس پر ظالم بادشاہ مقرر فرماتا ہے۔

میری تمام سلطنت میں سالانہ اوسط قتل پانچ سے زیادہ نہیں تھی۔ جس تعداد سے بڑی بڑی شائستہ سلطنتیں بھی مشکل سے مقابلہ کر سکیں گی۔ میرے عہد حکومت سے قبل افغانستان کے آدمیوں کی شریر النفسی اور خودسری یہاں تک بڑھہ رہی تھی کہ خود شیر علی کے بڑے بیٹوں یعقوب اور ایوب نے اپنے باپ کے مقابلہ پر ہرات میں بغاوت شروع کر دی تھی۔ اس واقعہ سے ہر شخص خیال کر سکتا ہے کہ جب خود بادشاہ کے لڑکوں کا یہ حال تھا تو رعایا کی حالت کیسی ہو گی اور انہوں نے شاہی خاندان سے

کیا کچھ سبق حاصل نہ کیا ہو گا۔ بقول شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ۔

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم ۔ کہ با من انچہ کرد آں آشنا کرد

بادشاہ اور ارکین سلطنت خودغرضی اور نفس پرستی کے شکار تھے رعایا کا ٹیکسوں اور بے جا محصول کی زیادتیوں سے ناک میں دم آرہا تھا۔ مسجدوں میں سوائے شریر ملّانوں کے کسی نمازی کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ جمعہ کا روز جو نہایت متبرک دن ہے اور خاص عبادت کے لئے مخصوص کیا گیا ہے اس روز افغانستان کے آدمی اپنا وقت بیہودہ کھیل تماشوں میں صرف کرتے تھے ان کے کھیل کی بیہودگی کی ادنے مثال یہ ہے کہ آپس میں پتھروں کی لڑائی ہوتی تھی۔ ایک مقام پر جو کابل کے بہت قریب واقع ہے اور رُحبا کے نام سے مشہور ہے وہاں پر اس نامہذب کھیل کی وجہ سے بیسیوں کا سر پھوٹتا تھا۔ اس زمانہ میں قرآن حمید کی یہ آیت کہ خدا کسی قوم کو برباد نہیں کرتا جب تک کہ قوم خود اپنے کو برے افعال سے برباد نکردے افغانستان کی بربادی کی شہادت دے رہی تھی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہی ملک جس کی ابتری کی یہ حالت بیان ہوئی ہے اس زمانہ میں ایک نمایاں ترقی پر ہے اور رعایا مالدار اور خوش نظر آرہی ہے استقلال اور قوت کی یہاں تک ترقی ہوگئی کہ دشمنوں کی بھی نظروں میں سماگئی اور اب وہ اس سلطنت کو ایک قوی سلطنت جاننے لگے۔

وہی سرکش رعایا اب میری اس قدر فرمانبردار ہے کہ ہر ایک حکم نہایت خوشی اور خندہ پیشانی سے مان لیتی ہے۔ جنگ ہزارا اور کافرستان میں رعایا نے اپنی وفاداری اور محبت کا پورا ثبوت دیا وہ مجھ سے یہاں تک خوش ہیں کہ سلطنت کی ہر ایک ترقی اور تنزل کو اپنی ترقی اور تنزل سمجھتے ہیں یہ وہی رعایا ہے جس نے کافرستان اور ہزارہ کی لڑائی کے زمانہ میں سلطنت کے واسطے اپنی ذات خاص سے روپیہ دیا۔ مزید ثبوت رعایا کی وفاداری کا یہ ہے کہ ۱۸۹۵ء میں بلا میری درخواست کے ہر شخص نے اپنی سالانہ آمدنی کا دسواں حصّہ خزانہ سرکاری میں سامان جنگ کی خریداری کے لئے داخل کر دیا کہ سلطنت کو بیرونی حملوں سے نجات ملے۔ وہی رعایا جو میرے ابتدائے عہد حکومت میں میری جانی دشمن تھی اور ہمیشہ برسر پرخاش رہتی تھی اب میری وفاداری کا دم بھرنے لگی اور قانون کی پابندی اور شایستگی میں بڑا حصّہ لے لیا۔ اور انہوں نے اپنے کو

صنعت و حرفت کے کام میں لگا دیا جس سے سلطنت اور ان کا خود ذاتی نفع مقصود ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ترقی کا سلسلہ ابھی تک میرے آدمیوں کی رفتار زندگی اور طرز معاشرت میں جاری ہے۔ آدمیوں کی وہ حالت جو مجھ سے پہلے بادشاہوں کے زمانہ میں تھی بیان کر چکنے کے بعد میں وہ واقعات جو مجھے پیش آئے بیان کروں گا۔

میں نے نہایت سنجیدگی سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کے اس مقولہ کی تائید کی جو انہوں نے اپنے ایک مصاحب سے ارشاد فرمایا کہ خداوند تعالےٰ پر بھروسہ رکھو لیکن اپنے اونٹ کی حفاظت کرو دو واقعات ایسے پیش آئے ہیں جنہوں نے میری تشفی کر دی اور مجھے امید ہوئی کہ میں ضرور بادشاہ بنا رہوں گا اور بالآخر مجھے میرے مقاصد میں کامیابی ہوگی۔

ایک رات جب میں نے سلطنت روسیہ کو چھوڑا مجھے دو فرشتے خواب میں نظر آئے جو مجھے پکڑ کے ایک بادشاہ عالیجاہ کے پاس جو ایک کمرہ میں رونق افروز تھا لے گئے۔ اس بادشاہ کا نہایت خوشنما چہرہ تھا لمبی اور خوبصورت بھویں اور گول ڈاڑھی تھی اس کے چہرہ سے خلق کے آثار نمایاں تھے۔ بادشاہ ایک نیلے رنگ کی قبا زیب تن کئے ہوئے تھا اور سبز پگڑی باندھ رہا تھا۔ اس کے تمام چہرے سے ایک عجیب خوبصورتی برس رہی تھی۔ اس بادشاہ کے داہنی جانب ایک طویل القامت اور پتلے دبلے جسم کا آدمی بیٹھا ہوا تھا جس کی داڑھی لمبی اور بھوری تھی اور اس کے چہرے سے ایک ذہانت ٹپکتی تھی اسی کے پہلو میں ایک دوسرا شخص تھا جس کا اوسط درجہ کا قد تھا اور اس کے چہرے پر بہ نسبت اس شخص کے جو اس کی داہنی طرف بیٹھا تھا نہایت رعب داب برس رہا تھا۔ اور اس کے پاس ایک قلمدان رکھا ہوا تھا۔ اس شخص کی پوشاک کسی قدر امیرانہ تھی اور بہت سے عربی میں لکھے ہوئے نوشتے جو مختلف کاغذوں پر تحریر تھے اس کے سامنے رکھے ہوئے تھے بادشاہ کی جانب چپ ایک آدمی اور بیٹھا ہوا تھا جس کی ڈاڑھی میں خضاب لگا ہوا تھا اس کی مونچھیں اور بھویں گھنی دار تھیں اور چہرہ پر متانت کے آثار نمایاں تھے۔ یہ شخص اُن ہرسہ آدمیوں سے جن کا ذکر میں نے کیا علیحدہ تمیز کیا جاسکتا تھا۔ یہ سب سے لمبا تھا۔ اس کے پہلو میں ایک بہت بڑا چابک رکھا تھا اس کے برابر ایک نہایت خوبصورت آدمی تھا جس کی صورت بادشاہ کی صورت سے بمقابلہ اور آدمیوں کے زیادہ ملتی جلتی تھی۔ اس کا لباس قریب قریب پُرانی وضع کا فوجی لباس کی طرح تھا اور ایک تلوار اس کے

پاس تھی۔ اس کے چہرہ سے پھرتی پائی جاتی تھی اور بہادر معلوم ہوتا تھا یہ شخص ان تمام آدمیوں سے جو کمرہ میں بیٹھے ہوئے تھے چھوٹا تھا۔ جب میں اس کمرہ میں جہاں بادشاہ معہ اپنے ہر چہار اصحاب کے بیٹھا ہوا تھا پہنچا تو اس کمرہ کی ایک کھڑکی دفعتہً کھل گئی اور ایک دوسرا آدمی بادشاہ کے پاس حاضر کیا گیا۔

بادشاہ نے اس آدمی سے جو ابھی حاضر ہوا تھا اپنی آنکھ کے اشارہ سے سوال کیا جس کو میں سمجھا اگر اس کے جواب کو جو سمجھا۔ اگر میں بادشاہ ہو گیا تو دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کو برباد کر دوں گا اور بجائے اُن کے مساجد تعمیر کراؤں گا۔ بادشاہ اس جواب سے نہایت ناخوش معلوم ہوا اور اس فرشتہ سے جو اسے لایا تھا حکم دیا کہ اسے لیجاؤ جس نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ اس شخص کے چلے جانے کے بعد بادشاہ نے مجھسے بھی یہی سوال کیا جس کا جواب میں نے یہ دیا۔ میں انصاف کردونگا اور بتوں کو توڑونگا اور کلمہ طیبہ کا رواج دوں گا۔ جب میں نے یہ جواب دیا بادشاہ کے مصاحبین نے میری طرف نہایت تلطف آمیز نگاہوں سے دیکھا جن کی نظروں سے یہ بات پیدا تھی کہ مجھے بادشاہ بنایا جائیگا۔

مجھے اسی وقت یہ الہام ہوا کہ یہ بادشاہ جس کی حضوری میں میں موجود تھا رسول مقبول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور دو آدمی جو داہنی طرف بیٹھے ہوئے ہیں ان کے صحابہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ اور وہ جو بجانب چپ موجود ہیں حضرت عمرؓ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ اس خواب کے دیکھتے ہی میری آنکھ کھل گئی اور مجھ کو یقین ہو گیا کہ رسول عربی اور اُن کے صحابہؓ نے مجھے اسلامی سلطنت کے واسطے تجویز کر لیا ہے اور اب میں اس ملک کا بادشاہ ہو گیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ ایک روز میں اپنے ملک کے آدمیوں کی مصیبت کو سنکر خواجہ احرار کے مزار مقدس پر گیا اور وہاں جاکے میں نے امداد کی درخواست کی۔ میں مزار کے قریب بیٹھ کے اپنی ناامیدی اور مصیبتوں پر زار وقطار رویا کیا کہ اسی اثنار میں میری آنکھ لگ گئی اور میں نے خواب میں دیکھا کہ بزرگ خواجہ کی پاک روح میرے پاس آئی اور مجھ سے کہا کہ کابل جاؤ اور تو ہی بادشاہ بنایا گیا۔ میرے مقبرہ میں سے ایک لکڑی لے اور اُس کا نشان بناکے اس کو اپنی فوج کے نشان کے آگے رکھ تو ہر ایک مہم میں فتحیاب ہوگا اور وہ نشان اب تک میرے پاس موجود ہے اور میری فوج نے کبھی شکست نہیں پائی۔

گیارہواں باب

میرے عہد حکومت کی لڑائیاں

جس سال ایوب خاں نے میری فوج سے شکست پائی مجھے دوسرے سردار سے لڑائی کرنی پڑی۔ یہ لڑائی سید محمود سکنہ کنار سے ہوئی تھی۔ جو وزیر اکبر ڈاکو کا داماد تھا اور اس لئے شیر علی کے گروہ کا ایک بڑا رکن سمجھا جاتا تھا۔ میرے عہد حکومت میں وہ اپنے آپ کو بادشاہ سمجھنے لگا تھا اور کنار کو اپنی ریاست بنا لیا تھا۔ وہ مہدی نامی پہاڑی پر جو کنار سے چھ میل کے فاصلہ پر تھی رہتا تھا اور جب میں قندہار گیا تھا تو اس نے میری رعایا پر جو کنار میں رہتی تھی چارسو یا پانسو آدمیوں کی جمعیت سے حملہ کیا تھا۔ یہ اس کی بیوقوفی تھی جو اس نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ صرف چارسو یا پانسو آدمیوں اور پرانی توپوں سے میں بادشاہت حاصل کرلوں گا۔

عبدالرسول اور میر سینا گل افسروں سے اس کا مقابلہ ہوا مگر وہ لڑا نہیں اور بھاگ کے اسی پہاڑی پر چلا گیا جہاں اس نے جاہل شخصوں سے سازش کر رکھی تھی۔ اس واقعہ سے چھ ماہ بعد سید محمود نے اپنی سازشوں سے بہت آدمی جمع کر لئے اور پھر میرے مقابلہ پر آیا۔ اس زمانہ میں میں قندہار سے فتح حاصل کر کے واپس آلیا تھا۔ میں نے غلام حیدر چرخی کمانڈر انچیف اور عبدالغفار کو سید محمود کے مقابلہ کے واسطے بھیجا یا میر کما ندر انچیف عین میدان جنگ میں گھوڑے سے گر پڑا جس کے صدمہ سے اس کا ٹخنہ ٹوٹ گیا مگر اس پر بھی میرے بہادر سپاہیوں نے میدان جنگ کو نہیں چھوڑا اور برابر لڑتے رہے یہاں تک کہ سید محمود کو ہندوستان کی جانب بھاگنا پڑا اس طرح میں نے سید محمود پر القطاعی فتح حاصل کی اور اس کے طرف داروں کے مکانات کو پھکوا دیا۔

اسی سال ۱۸۸۱ء میں شیر خاں احمد سکنہ کلمان کے لڑکے نے اپنے آپکو شیر علی مشہور کر دیا اور اس بات کی کوشش کی کہ آدمی اسکو شیر علی سمجھ کر بادشاہ تسلیم کرلیں اور میری مخالفت میں اسکا ساتھ دیں۔ لیکن قبل اسکے کہ وہ اپنی فتنہ پردازی سے میرے واسطے کوئی سخت مصیبت پیدا کرتا میں نے اس کو گرفتار کرلیا اور وہ قید ہی میں مرگیا۔

سال ۱۸۸۲ء میں حسب ذیل لڑائیاں ہوئیں

دلاور خاں والئے میمنہ جو اپنے آپ کو ایوب خاں اور شیر علی کے خاندان کا ممد و معاون جانتا تھا جب

اُسے یہ معلوم ہوا کہ ایوب خاں شکست کھا کے بھاگ گیا اور میں اب میمنہ کے صوبہ میں خود مختار رہونگا تو اس نے اپنی خود مختاری قایم رکھنے کی ہر ایک ممکن الوقوع کوشش کی۔ اس خواہش کے پورا کرنے کے لیے اس نے اول روسی افسروں کو امداد کے واسطے لکھا اور جب وہاں سے کسی قسم کی مدد نہ ملی تو سر رابرٹ سنڈیمن گورنر جنرل متعینہ بلوچستان کے پاس لکھا کہ میں برطانیہ سلطنت کا خیر خواہ ہوں مجھے مدد ملنی چاہیئے۔ اس تحریر کا اسے یہ جواب ملا کہ تم اپنے امیر کی اطاعت قبول کرلو کیونکہ سلطنت روسیہ اور برطانیہ اپنے عہد ناموں کی پابندی کی وجہ سے افغانستان کے اندرونی معاملات میں دخل نہیں دیسکتی جب اُسے ہر طرف سے مایوسی ہوچکی تو وہ خود آمادہ فساد ہوا۔ اور فوج کشی کردی۔ میں نے ترکستان کے گورنر محمد اسحاق کے پاس والاور خاں کے مقابلہ کے لئے حکم بھیجدیا جس نے میرے حکم کی تعمیل تو کی مگر مجھے یہ بات دکھائی کہ والئے میمنہ بہت طاقتور ہے اور مغلوب نہوگا جس سے مجھے یقین ہوگیا کہ محمد اسحاق جیسا میں خیر خواہ اور وفادار سمجھتا تھا سلطنت کا خیر خواہ اور میرا سچا وفادار نہیں ہے، اس شخص کی بیوفائی اور نمکحرامی بالآخر پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی۔

اسی سال میں نے میر یوسف والئے شغنان و روشنان کے خلاف فوج بھیجی۔ اس مہم کے بھیجنے کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

حالانکہ میر یوسف اپنے کو خود مختار سمجھتا تھا لیکن اس کو اس کا خدشہ لگا رہتا تھا کہ مبادا میں اس کے ملک کو اپنی سلطنت میں شامل نہ کرلوں اس خیال سے اس نے کوکند کے حکمراں سے عہد و پیماں شروع کر لیے۔ اور کوکند کے حکمراں نے روس سے سلسلہ عہد و پیمان جاری کیا۔ اس نے ڈاکٹر لیبر ڈیگل کو شغنان میں مدعو کیا اور اس سے شکایت کی کہ امیر افغانستان اس کے ملک کو اپنی سلطنت میں شامل کرنا چاہتا ہے اور یہ کہ وہ اپنے کو روس کا ماتحت جانتا ہے۔ میں پہلے ہی سے بوجہ ان مشکلات کے جو اس کی وجہ سے میری عملداری افغانستان میں میرے لئے پیدا ہوئی تھیں میر یوسف سے تنگ تھا اور موقع کی تاک میں تھا اس موقع پر میرے جاسوسوں اور خفیہ مخبروں نے جو مختلف مقامات مثل کوکند۔ روشنان۔ شغنان اور بخارا میں تعینات تھے اس کے ارادہ سے مجھے اطلاع دی اور بیان کیا کہ وہ روسی سلطنت کی نگرانی میں چلا گیا ہے۔ مخبروں نے یہ بھی اطلاع دی کہ وہ روسیوں کو اپنے شہر میں مدعو کرتا ہے اس خبر سے مجھے سخت تشویش پیدا ہوگئی کیونکہ اگر روس کا ایک مرتبہ بھی روشنان اور شغنان پر قبضہ ہوجاتا تو

پھر اسکو بے دخل کرنا نہایت مشکل تھا اور پھر میری سلطنت ایک غیر محفوظ حالت میں ہوجاتی۔ اس لئے میں نے جنرل قتال خاں اور سردار عبداللہ خان گورنر قتغان کے نام حکم جاری کیا کہ وہ یوسف علی کے مقابلہ پر روانہ ہوجائیں۔ اس حکم کے ہوتے ہی وہ روانہ ہوگیا اور تھوڑی سی لڑائی کے بعد یوسف علی گرفتار ہوکے معہ اپنے متعلقین کے کابل بھیجدیا گیا اور میں نے یوسف علی کی جگہ گلعذار خاں گورنر قندھار کو مقرر کردیا اور جب روسی افسر آیم آی وانف مع اپنی فوج کے شہر میں میر یوسف علی کا طلبیدہ پہنچا تو اُس نے شہر کو میرے گورنر کے قبضہ میں پایا۔ اور اسی وجہ سے سلطنت روسیہ عرصہ تک اس شہر کا دعوے کرتی رہی۔ اور بالآخر ۱۸۹۳ء میں جب سر مارٹیمر ڈیورنڈ کی مشن کابل میں آئی اس وقت اس کا فیصلہ ہوگیا۔ جب میرا ان صوبوں پر قبضہ ہوگیا تو میں نے اُن مظالم کا جو میری رعایا پر اور کرتے تھے خاتمہ کردیا۔ اور نیز نہایت سختی سے غلامی کا رواج موقوف کیا۔ مجھے یہاں میروں کی بُری عادات کا اعادہ کرنا ضروری نہیں کیونکہ میں اپنی سوانح عمری میں اُن کے متعلق پہلے لکھ چکا ہوں۔

۱۸۸۳ء میں شنواری کے قبایل جو جلال آباد کے جنوب و مشرق میں پشاور کے راستہ تک پھیلے ہوئے تھے اور جن کی موجودگی کابل کے حکمرانوں کے لئے نہایت تکلیف دہ تھی۔ میرے زمانہ حکومت میں بھی ناقابل برداشت ہوگئی۔ کیونکہ عرصہ دراز سے قافلوں کا لوٹنا اور مسافروں کو قتل کرڈالنا اور دیہاتیوں کے زراعت اور گلوں کو برباد کردینا اور چھین لینا ان قبایل کا عام وطیرہ ہو رہا تھا۔ جب تک شیر علی کی حکومت کا زمانہ رہا پشاور کا رستہ نہایت خطرناک حالت میں تھا۔ لوٹ اور غارتگری کی وجہ سے پشاور اور کابل کے رستوں پر کوئی شخص بےخوف و خطر نہ گزر سکتا تھا۔ اس لئے میں نے تمام کاموں سے یہ بات نہایت ضروری سمجھی کہ ایسی سفاکی اور بے رحمی کا جلد خاتمہ کردیا جائے اور اس مقصد کے لئے میں نے اُن آدمیوں کو جو ان قبایل کے ساتھ رشتہ اتحاد رکھتے تھے نہایت سختی سے تنبیہ کرنا شروع کیا۔

۱۸۸۳ء کے موسم سرما میں حبیب اللہ خاں اپنے لڑکے کو کابل میں بطور گورنر مقرر کرکے میں خود ملک میں امن و صلح قایم کرنے کی غرض سے روانہ ہوا اور شنواری کے تمام سرداروں اور ملاؤں کو بلا کے اُن سے نہایت دوستانہ اور نصیحتانہ پیرایہ میں کہا کہ یہ خدا اور اس کے رسول کے حکم کے بالکل خلاف ہے کہ تم مسلمانوں کو لوٹ لیتے ہو میں نے ان کے سمجھانے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا مگر انہوں نے عرصہ دراز سے لوٹ مار کے عادی ہونے کی وجہ سے میری بات کی کچھ پروا نہ کی۔

اس موقع پر یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ شیر علی کے زمانہ میں شاہ مدگورنر جلال آباد نے یہ معلوم کر کے کہ شکایت کرنے والوں کی غرض یہ ہے کہ اس میں اور شنواری کے باشندوں میں رنج پیدا ہو جائے شنواریوں کی شکایت کرنے والوں کو سزا دینی شروع کر دی تھی۔

بالآخر جب میں نے دیکھا کہ یہ لوگ میری بات نہیں مانتے اور لوٹ مار کو نہیں چھوڑتے تو میں نے اُن کو سزا دینے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اسی زمانہ میں نور محمد جو سردار ولی محمد کا لڑکا تھا سادوادر داؤد قبیلہ سالاخیل کے مشہور ڈاکوؤں کے ساتھ شنواریوں سے جا ملا اور پندرہ ہزار جنگجو آدمی میری فوج کے مقابلہ کے لئے جمع کر لئے۔ میں نے جنرل غلام حیدر خاں کو جو آپ ترکستان کا کمانڈر انچیف ہے یہ جمعیت تین دستے فوج پیادہ اور ایک رجمنٹ رسالہ کے اور دو توپخانوں کے ساتھ اس کے مقابلہ پر روانہ کیا۔

میری رعایا نے جو پشاور کی سڑک کے قرب جوار میں رہتی تھی مجھ سے درخواست کی کہ ہمیں ان شریروں سے لڑنے کی اجازت دی جائے کیونکہ ہم اُن کی غارت گری اور ظلم سے تنگ آگئے ہیں۔ لیکن میں نے ان لفظوں میں اُن سے انکار کر دیا کہ یہ میرا فرض ہے میں اُن لوگوں کو جو میری رعایا کو تکلیف دیتے ہیں سزا دوں۔ ان باغیوں سے چار مرتبہ مختلف مقامات حارک۔ آچین۔ منگل اور منگوخیل پر لڑائیاں ہوئیں۔ ان ہر چہار لڑائیوں میں باغیوں کو شکست ہوئی اور ان کے بہت سے آدمی میدان جنگ میں کام آئے اور زخمی ہوئے۔ بعد اس لڑائی کے بہت سے باغی فرقوں نے میری اطاعت قبول کی۔ منگوخیل والے قتل کر دیئے گئے اور بقیۃ السیف تراہ کی جانب بھاگ گئے جنگ ختم ہونے پر میں نے یہ حکم دیدیا کہ ان تمام باغیوں کے سروں سے جو لڑائی میں کام آئے ہیں دو منارے ایک جلال آباد اور دوسرا شاہ مد کے رہنے کی جگہ جو ان کو ہمت دلانا رہتا تھا بنائے جائیں۔ تاکہ آدمی جب ان مناروں کو دیکھیں تو انہیں معلوم ہو جائے کہ جو آدمیوں کو قتل کرتے اور لوٹتے ہیں اُن کی یہ سزا ہوتی ہے۔ زبان پشتو میں ایک شعر ہے جو بالکل شنواریوں کی حالت کا مصداق ہے "اگر تم برسوں متواتر کوشش کرتے رہو لیکن یہ ناممکن ہے کہ سانپ اور شنواریوں کو دوست بنا سکو"

اسی سال ۱۸۸۲ء کے اخیر میں منگل ضرست کے قبیلوں نے میرے مقابلہ پر سرکشی اختیار کی۔ اس بغاوت کی وجوہات میں کسی مقام پر بیان کر چکا ہوں جو عملی طور پر تمام ملکی لڑائیوں کی بنیاد تھیں علاوہ اس کے مفرورین کی سازش اس بغاوت کا اور بھی باعث ہو گیا۔

اس بغاوت کے رفع کرنے کے لئے ایک فوج بماتحتی جنرل شرف الدین بھیجی گئی۔ یہ جنرل دہی سست اور نالایق افسر ہے جسکو شیر علی کے زمانہ میں سوائے تنخواہ لینے کے اور کچھہ کام نہ تھا۔ اس موقع پر بھی یہ ان باغیوں سے نہ لڑا۔ اور اسی وجہ سے اس کو پا بجولان کابل واپس بلا لیا گیا۔ اور اسکے بدلہ دوسری فوج بماتحتی جنرل قتال خاں اور یحیی (ایک مُلّا) بھیجی گئی۔ جنھوں نے معمولی جنگ وجدال کے بعد باغیوں کو شکست دی۔ جو شکست کھا کے ہمیشہ کے واسطے میری غریب نبردار اور صلح پسند رعایا ہو گئے۔

سنہ ۱۸۸۴ء میں یہ ضروری معلوم ہوا کہ دلاور خاں والئے میمنہ کی گوشمالی کی جائے جس نے اپنے کو خود مختار حکمران مشہور کر رکھا تھا۔ اور جس کے مقابلہ پر بماتحتی محمد اسحاق فوج کی روانگی بے سود ہو چکی تھی جیسا کہ پچھلے ابواب میں بیان کیا گیا ہے۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ اس کو زیادہ وقت تیاری کے لئے نہ دیا جائے۔ دو فوجوں کو جداگانہ میمنہ کی طرف روانگی کا حکم دیا ان میں سے ایک ہرات سے بماتحتی زبردست خاں بھیجی گئی جس میں ہرات انفنٹری کی ایک بٹالن ۲۰۰ سوار اور چھہ توپیں تھیں۔ جمشیدی سرداریالوں دوششخاں بھی معہ چھہ سو ملیشیا سپاہیوں کے زبردست خاں بریگیڈیر کے ہمراہ تھے۔ ۱۱ اپریل کو یہ فوج ہرات سے حسب الحکم زبردست خاں میمنہ کو روانہ ہوئی۔ اور میں نے محمد اسحاق کو ۵۰۰۰ آدمیوں کی جمعیت کے ساتھہ بلخ سے روانہ کیا۔ قلعہ میمنہ نہایت مستحکم بنا ہوا تھا لیکن چند روز کے محاصرے اور تھوڑی سی لڑائی کے بعد فتح ہو گیا۔ اور مفتوحین نے میرے حکم کی تعمیل پر رضامندی ظاہر کی۔ دلاور خاں اپنے اعمال کی پاداش میں قید ہو کے کابل بھیجا گیا۔ میر حسن خاں جسکو دلاور نے قید کر رکھا تھا میمنہ کا دلاور کی جگہ گورنر بنایا گیا۔

اسی سال جب کابل اور سلطنت افغانستان پر میرا پورا تسلط ہو گیا اور تین بڑے بڑے صوبے جن میں ہرات پر ایوب خاں کا۔ قندہار میں شیر علی کا۔ میمنہ پر دلاور کا قبضہ تھا۔ میرے ہاتھہ آ گئے۔ میں نے اس بات کو ضروری سمجھا کہ میں دول خارجہ کی حدود پر ایسے نشانات کر دوں جن سے معلوم ہو جائے کہ یہاں سے میری حدیں شروع ہوتی ہیں۔

اس موقع پر میرا مقصد مسئلہ حد بندی پر تحریر کرنے کا نہیں ہے۔ یہ مسئلہ ایک جداگانہ باب میں تحریر کیا جائے گا۔ یہاں پر اس کے بیان کرنے کی غرض یہ ہے کہ یہ مسئلہ بھی ان لڑائیوں کا ایک سبب ہو گیا جن کا ذکر آگے کیا جائے گا۔

کمیشن حد بندی ایک طرف سلطنت برطانیہ اور افغانستان اور دوسری طرف سلطنت روسیہ کی جانب سے مقرر کی گئی تاکہ روسی اور افغانستان کے درمیان حد فاصل مقرر کردی جائے۔ انگریزوں کی جانب سے جو کمیشن مقرر کی گئی اس کا افسر سر پٹر لمسڈن تھا۔ گورنمنٹ روسیہ نے میرے انگریزوں سے دوستانہ برتاؤ کو بہت بری نگاہوں سے دیکھا اور میری موافقت سے ناخوش ہوئے۔ میں اس کا مقر ہوں کہ میں روس کی سلطنت میں اپنے زمانہ قیام میں بہت آرام سے رہا اور میں ان مہربانیوں کو جو گورنمنٹ نے میرے اوپر کیں ہرگز نہ بھولوں گا لیکن میرا انگریزوں سے دوستانہ برتاؤ کرنا چند وجہ سے تھا۔

اوّل۔ میرا ان کا عہد نامہ ہو چکا تھا اور وہ معاہدہ میرے مقاصد کے لیے بہتر تھا۔

دوم۔ انھیں یہ بات معلوم ہوتی تھی کہ افغانی گورنمنٹ کا یہ مستقل ارادہ ہے کہ سرحد کا نشان کر کے روسی حملہ سے ہمیشہ کے لئے نجات پائے۔

سوم۔ انہوں نے اس بات کو پسند کیا کہ دولت خداداد افغانستان اور روسیہ افغانستان کے معاملہ میں بغیر انگلستان کے مداخلت کے اپنے طور پر حدود کا فیصلہ کرلیں۔

چہارم۔ میرا راولپنڈی جانا روسیوں کی نظروں میں بہت کھٹک رہا تھا۔ کیونکہ سلطنت روس کے اخباروں نے غل مچا رکھا تھا کہ ۱۸۸۰ء میں انگریز نہ عبدالرحمن کی دوستی کی وجہ سے اور نہ خود کابل سے علیحدہ ہوئے ہیں بلکہ کابل سے شکست کھا کے چلدیئے۔

میری کل وجوہات میں سے ایک وجہ راولپنڈی جانے کی یہ تھی کہ ان لغو بیانات کی تکذیب ہو جائے اور روس کو معلوم ہو جائے کہ میں انگریزوں کا دوست ہوں۔ علاوہ ازیں گورنمنٹ انگلشیہ اور میرے باہمی تعلقات کو قایم دیکھ کے سلطنت روس پہلے سے زیادہ آزردہ تھی۔ متذکرہ بالا وجہ سے یا یہ کہ سلطنت روس کی عادۃً جنوبی اطراف میں بڑھنے کی حکمت عملی پر توجہ رہتی ہے۔ پنجدہ کی طرف روس کی فوج نے بڑھنا شروع کردیا میں نے جس طرح شغنان اور روشنان پر قبل ایم آئی والفف کے پہنچنے کے قبضہ کرلیا تھا۔ اس موقع پر بھی ایک بہت بڑی فوج پنجدہ کی جانب روانہ کرنی مناسب سمجھی تاکہ وہ روسیوں کا پنجدہ پر قبضہ نہ ہونے دے اور ساتھ ہی انگریزوں پر اس بات کا زور دیا کہ ایک بہت بڑی فوج بھیجکر پنجدہ پر روسیوں کا قبضہ روک دیا جائے۔

اس کا انگریزوں کی جانب سے مجھے یہ جواب ملا کہ جو مقامات افغانی سپاہ کے قبضہ میں ہیں اُن کو روس ہاتھ نہیں لگا سکتا۔"

انگریزوں کی جانب سے نہ صرف اسی قدر جواب میری تشفی کے لئے بھیجا گیا بلکہ ۱۲ر فروری ۱۸۸۴ء کو سر پیٹر لمسڈن نے میرے پاس اس مضمون کی چٹھی بھیجی کہ روس اور افغانی فوج میں ہرگز لڑائی نہ ہوگی میرے اور انگریزوں کے درمیان یہ خط وکتابت ہو رہی تھی اور روسی نہایت جلد جلد آگے بڑھ رہے تھے یہاں تک کہ مارچ ۱۸۸۵ء میں روسی فوج کازلیتیپ کے مقام پر جمع ہوگئی اور وہاں پر اپنے مورچے قایم کر دیئے افغانی فوج مقام اکتیپ پر تھی جو دریائے اکسس کی جانب چپ واقع ہے اس فوج میں، ۴ گولہ انداز اور چار برنجی توپیں اور چار پہاڑی بڑی توپیں اور تھوڑے سے پیدل تھے۔ ۳۰ر مارچ کو افغانی فوج مقام پل خشتی پر پہنچی۔ جہاں سے صرف ایک میل کے فاصلہ پر روسی فوج مقام کازلیتیپ میں مورچہ زن ہوئی ۲۹ر مارچ کو جنرل کوماروف نے افغانی سپاہ سالار کے پاس اس مضمون کا مراسلہ بھیجا کہ یا تو اپنی فوج دریا کے داہنے کنارے سے ہٹا لو ورنہ افغانی فوج پر حملہ کر دیا جائے گا۔

اس وقت تک انگریزی مشن کے افسروں اور سپاہیوں نے ہر قسم کا اطمینان دلا رکھا تھا کہ روسی کسی طرح حملہ کرنے کی جرأت نہ کریں گے اُن کی مجال نہیں کہ وہ اپنے مقام سے آگے بڑھ سکیں علاوہ ازیں روسی سپاہ میری فوج پر بلا کسی خاص وجہ معقول کے حملہ نہ کر سکتی تھی کیونکہ یہ بات عہد نامہ کے خلاف تھی۔ اور شرائط عہد نامہ کے خلاف کرنے پر روس سے تمام طاقتیں باز پرس کرتیں۔

میرا جنرل جس کا نام غیاث الدین تھا اور جس کو میں نے ہدایت کر دی تھی کہ انگریزی افسروں کے منشار کے خلاف نہ کرنا۔ انگریزوں کے وعدہ کے اطمینان پر اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھا۔ مارچ کی ۳۰ر تاریخ کو روس کے سالم دستہ فوج نے افغانی سپاہ پر جو وہاں پڑی ہوئی تھی حملہ کر دیا۔ انگریزوں نے جب یہ سنا تو معہ اپنی فوج اور سپاہیوں کے ہرات کی جانب بھاگ گئے۔

جنرل غیاث اور دوسرے افسروں نے انگریزوں کو انکا یہ وعدہ کہ روس افغانی فوج اور سرحد پر حملہ نہیں کر سکتا اور یہ کہ اگر بفرض محال روس حملہ کرے گا تو ہم مدد دیں گے۔ یاد دلایا اور کہا کہ اپنے وعدہ کے بموجب ہمیں روس کے مقابلہ پر تنہا نہ چھوڑنا چاہئے۔ لیکن انگریزوں نے

کچھ نہ سنا اور بھاگ گئے۔ افغانیوں نے انگریزوں سے یہ بھی درخواست کی کہ ہمیں اپنی رائفلیں ہی عاریتاً دیدو کیونکہ ہم روسیوں کا اپنی خراب خستہ بندوقوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔
رائفلیں اور بارود جو افغانی سپاہیوں کے پاس موجود تھیں وہ بارش اور نمی کی وجہ سے ایسی خراب ہو گئی تھیں کہ کسی طرح کام نہ دے سکتی تھیں۔ انگریزوں نے جن کا وعدہ افغانی سپاہ کو امداد دینے کا تھا اپنی رائفلیں تک بھی نہ دیں اور بہادر افغانیوں کو روس سے لڑنے اور میدان جنگ میں قتل ہونے کے واسطے چھوڑ کے ہرات کی جانب بھاگ گئے۔
مجھے بھی اس واقعہ کی خبر تو ہو گئی مگر یقین نہ آیا کہ انگریزی افسر ایسے بدحواس ہو کے بھاگے کہ انہیں دوست اور دشمن کی بھی تمیز نہ رہی اور اُن میں سے بعض ہندوستانی جاڑے کی وجہ سے اس قدر مجبور ہوئے کہ اپنے گھوڑوں پر نہ جم سکے اور اس بھاگ دوڑ میں گھوڑوں پر سے گر گر کے مر گئے۔ بہت سے انگریزی افسروں کو بھی گھوڑوں نے پٹک دیا جن کا میں اس جگہ نام نہ لوں گا۔ حالانکہ انگریز بھاگ گئے تھے اس پر بھی بہادر افغانیوں نے قومی حمیت کے لحاظ سے میدان کو نہ چھوڑا اور جی توڑ کے لڑے اور روسیوں کی کثیر التعداد فوج کا مقابلہ کیا۔ بہت سے زخمی ہوئے اور بہتوں نے جان دی مگر افسوس ہے کہ رائفلوں کی خرابی کی وجہ سے وہ دشمن کے مقابلہ میں جنکی تعداد زیادہ تھی کوئی کارنمایاں نہ کر سکے اور بقیۃ السیف پس پا ہو کے ہرات بھاگ آئے۔
انگریزوں کی بدسلوکی افغانیوں کے دلوں پر ایک نقش ہے اور وہ انگریزوں کو جھوٹا اور دغاباز سمجھتے ہیں۔ میں نے اپنے لوگوں سے بہت کچھ کہا کہ اس زمانہ میں لبرل پارٹی میں مسٹر گلیڈ اسٹون کی موجودگی کی وجہ سے انگریزوں نے ایسی کمزور حکمت علی سے کام لیا تھا ورنہ انگریز روسیونکو انکی بداعمالی کا مزا چکھا دیتے۔ میرے لوگوں نے ان باتوں پر کچھ توجہ نہ کی اور یہ جواب دیا کہ آئندہ جب کبھی ہمیں لڑائی کا موقع ملے تو ہم کس طرح سمجھیں کہ اس زمانہ میں لبرل پارٹی کا حکم ہے یا کنسرویٹیو کا دور دورہ ہے۔ یا سوا اس کے اگر اسوقت لبرل پارٹی کی حکومت تھی تو شن کے آدمیوں نے اسی وقت یہ کیوں نہ کہدیا کہ ہم آخر کار بھاگ جائیں گے بقولے "سخی سے سوم بھلا ترت دے جواب" اگر ہمیں پہلے سے یہ بات معلوم ہو جاتی کہ انگریزوں کا ارادہ وعدہ ایفائی کا نہیں ہے تو ہم اور کوئی دوسرا انتظام کر لیتے۔ اگرچہ کابل سے ہرات کو فوج بھیجنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ بہت سی افغانی فوج ہرات

اور ترکستان میں موجود تہی۔ مگر تو بہی یہ آسان بات تہی کہ دسمبر کے مہینہ سے جب یہ جہگڑا ہوا تہا مارچ تک افغانی فوجیں کابل سے پنجدہ کی حفاظت کے لئے ہرات پہنچ جائیں۔ غرضکہ روسی سپاہ نے ۳۰ مارچ ۱۸۸۵ء کو زبردستی پنجدہ پر قبضہ کرلیا اور چونکہ کسی میں اُس سے پہر چہین لینے کی طاقت نہ ہوئی وہ ابہی تک اُن ہی کے پاس ہے۔

مجہے لارڈ ڈفرن سے بعض معاملات میں کچہہ مشورہ کرنا تہا اس لئے میں اس موقع پر راولپنڈی تہا اور پنجدہ کے فتح ہوجانے کی خبر بہی مجہے لارڈ ڈفرن سے ملی تہی۔ لارڈ موصوف نے میرا بہت کچہہ اطمینان کیا کہ اگر روسی لوگ افغانی عملداری میں قدم رکہیں گے تو انگریزی سلطنت ہر طرح سے مدد دے گی۔ میں ان آدمیوں میں سے نہ تہا جو بات بات پر بہڑک جاتے ہیں۔ مجہے آئندہ کے لئے سبق ہوگیا۔

اسی سال ۱۸۸۵ء میں میں نے کلمان کے آدمیوں کے مطیع اور سلطنت میں شامل ہونے کے لئے ہدایتیں جاری کیں کلماں صوبہ لمکان کے شمال و مشرق کی پہاڑیوں کی چوٹی پر واقع ہے میری ان ہدایتوں سے یہ غرض تہی کہ وہ میری ایک صلح پسند رعایا بن جائیں اور آزاد رہیں اس حکم کے اجرا کی خاص وجہ یہ تہی کہ ہر ایک آدمی جو جلال آباد کے گرد و نواح میں کوئی سنگین جرم یا قتل کا مرتکب ہوتا تہا وہ کلمان کی پہاڑیوں میں چہپ جاتا تہا اور ان پہاڑوں کی گہاٹیوں کا ایسا تنگ راستہ تہا کہ نہ کوئی توپ وہاں جاسکتی تہی نہ سوار۔ یا پیادہ جانے کے لئے جو راستے تہے وہ بہی ایسے تنگ تہے کہ صرف ایک آدمی ایک وقت میں وہاں سے گزر سکتا تہا۔ اور دو یا تین آدمی پہاڑ پر سے صرف پتہر پہینک کے ایک بڑی فوج کا خاتمہ کرسکتے تہے۔ کیونکہ ایسے راستوں میں کتنی ہی فوج کیوں نہ ہو ایک ایک کرکے گزرتے اور وہ تمام ہوجاتے یہی وجہ تہی کہ ان لوگوں کی طاقت بڑی تہی اور کوئی بادشاہ اس سے قبل ان پر فتح نہ پا سکا۔

میرے فوج کے افسروں کے نام یہ ہیں۔ غلام حیدر خاں توخی سپاہ سالار۔ دوست محمد خاں جابر جیل یہ افسر اس وقت نابینا ہوگیا ہے) میر سانا گل (اب یہ امیر کا ملازم ہے) محمد گل خاں جرنیل (یہ ۱۸۹۶ء میں بحالت قید مرگیا) اور محمد افضل جرنیل (اس افسر نے بہی انتقال کیا) ان افسروں کی ماتحتی میں دو قسم کے سپاہی تہے ایک باقاعدہ اور دوسرے ملیشیا جو پہاڑی خدمات کے واسطے نہایت مناسب تہے

جب رات ہوگئی میرے افسر رسیّوں کے ذریعہ سے ایک پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ اور جہاں سے یہ مفسد لوگ نقصان پہنچا سکتے تھے اس راستہ کو بالکل چھوڑ دیا۔ اور اس طرح تمام فوج کو پہاڑی پر چڑھا دیا کہ ان کو بالکل اس نقل و حرکت کی خبر نہ ہوئی۔ جب تمام فوج پہاڑی پر پہنچ گئی تو ان پر حملہ کر دیا دشمن کی فوج بہت نہ تھی صرف ۱۰۰۰ آدمی اس پہاڑی پر رہتے تھے۔ تھوڑی سی لڑائی کے بعد وہ مغلوب ہوگئے اور انہوں نے آئندہ کے واسطے میری رعایا ہونے کا وعدہ کیا۔ لیکن ان لوگوں نے اپنے وعدے اطاعت سے انحراف کرکے ۱۸۸۶ء میں دغابازی سے میرے ایک لفٹنٹ کرنیل کو جو وہاں رہتا تھا مع ۲۰۰ سپاہیوں کے قتل کر ڈالا۔ اس مرتبہ سابق الذکر سپاہ سالار نے ان لوگوں پر حملہ کرکے پس پا کر دیا اور سب آدمیوں کو اس پہاڑی پر سے بھگا دیا کسی کو وہاں نہ رہنے دیا اور بجائے اس مقام کے ان کے رہنے کے لئے صوبہ ترشت ضمرت اور خوست میں جو ان کے اصلی مقام رہائش سے بہت دور تھا جگہ دیدی گئی۔ اور وہ مکان اور دوسرے صوبہ کے آدمیوں سے علیحدہ کر دیئے گئے اور اس طرح اس پہاڑی کی صعوبات سے ہمیشہ کے واسطے نجات مل گئی۔

۱۸۶۸ء اور ۱۸۷۰ء کی عام بغاوتیں

میرے تخت سلطنت پر متمکن ہونے سے اس وقت تک جس قدر ملکی لڑائیاں ہوئیں جن میں سے بعض کا ذکر کیا گیا ایسی تھیں کہ میری ذراسی توجہ اور تھوڑی سی فوج سے اُن کا خاتمہ ہوگیا اور مجھے ان لڑائیوں کی وجہ سے زیادہ مصیبت جھیلنی نہیں پڑی اور نہ ان سے کسی خاص قسم کا نتیجہ ظاہر ہوا مگر ان ہی لڑائیوں میں سے بعض ایسی بھی تھیں کہ جن سے سخت مشکلات کا سامنا ہوا اور مجھے بہت دنوں تک ان ہی لڑائیوں میں مشغول رہنا پڑا۔ ان لڑائیوں کا اثر ایسا خراب تھا کہ ملک میں عام بدعملی اور بغاوت کے آثار پیدا ہوگئے تھے ان میں سے سب سے پہلی لڑائی ۱۸۸۱ء میں محمد ایوب سے قندھار میں ہوئی اور جیسا میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ جاہل ملاؤں نے لوگوں کو میرے خلاف برانگیختہ کر دیا تھا اور وہ برابر اس کوشش میں رہے کہ لڑائی مذہبی جنگ کی صورت اختیار کرے مگر اُن کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ دوسری لڑائی غلزئی بغاوت کے فرو کرنے کے لئے ہوئی جس کو میں اس باب میں بیان کروں گا یہ لڑائی قریب دو سال کے جاری رہی ۱۸۸۸ء میں ترکستان میں محمد اسحاق نے بغاوت کی۔ اور یہ تیسری لڑائی تھی جو مجھے محمد اسحاق سے لڑنی پڑی ۱۸۹۱ء ۱۸۹۲ء ۱۸۹۳ء میں

حضانا جبت کی عام بغاوت کے فرو کرنے کی غرض سے بھے جنگ کرنے کی ضرورت ہوئی اور یہ
ان ہی خطرناک لڑائیوں میں سے چوتھی لڑائی تھی - آخرالذکر دو لڑائیوں کا بیان پھر کیا جائیگا -
اس جگہ میں غلزئی[1] کی بغاوت بیان کرتا ہوں -
اس عام غدر کے اسباب اور ان سے جو نتیجہ پیدا ہوئے حسب ذیل ہیں -
پہلی وجہ جیسا میں کہیں لکھہ چکا ہوں یہ تھی کہ شیر علی اور ایوب کی کمزوریوں اور بدانتظامیوں سے
ہر ایک مُلّا اور افسر اپنے کو خود مختار جانتا تھا - افسر اپنے کو شاہزادہ اور مُلّا اپنے کو پیغمبر سمجھتے
تھے - مُلّا اور غلزئی کے پٹھان ایک بڑی تعداد سے اس گروہ میں شامل ہو گئے تھے - افغانستان
کی قوم میں بہت بہادر اور جاں باز سمجھا جاتا تھا اور ملک کے تین بڑے فرقوں دُرّانی - ہزاری
غلزئی میں سے ایک فرقہ تھا - ترکمانیوں کا فرقہ بھی افغانستانی سلطنت میں ایک بڑا فرقہ ہے -
یہ افغانی جرگوں میں شریک کر لئے گئے ہیں اس وجہ سے کہ تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اور
مثل ترکمانوں کے علیحدہ نہیں ہیں - اپنی فوجی آدمیوں کی طرح سے سردار اور خان اپنی رعیت پر
سخت ظلم اور زیادتی کرتے تھے اور ان کی بے رحمیاں ان کے محدود اختیارات ان کے سخت
محاصل اُن کی لوٹ مار اور غارت گری ان کا قافلوں پر حملہ کرنا ان کی باہمی جنگ وجدال اور عموماً

---

[1] - غلزئی دو لفظوں غل اور زئی سے مرکب ہے اور پشتو یا افغانی زبان میں غل کے معنی چور اور زئی کے
معنے بچے کے ہیں یعنی غلزئی کے معنی "چور کا بچہ" غلزئی کی وجہ تسمیہ کے متعلق افغانیوں میں یہ بات مشہور ہے کہ
قدیم زمانہ میں افغانی بادشاہ کی لڑکی ایک شاہزادہ پر جس کا نام میر حسین تھا عاشق ہو گئی تھی اور اس شہزادہ نے اس سے
بلا اطلاع اس کے باپ کے شادی کر لی تھی - ان دونوں سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور جب بادشاہ نے اس لڑکے کی نسبت شاہزادی
سے دریافت کیا تو شاہزادی نے یہ جواب دیا کہ چونکہ کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ میرا شوہر ایک شاہزادہ ہے میں نے اس خوف سے
کہ مبادا اب اس سے میری شادی نہ کریں بلا اطلاع ان کے شادی کر لی تھی اور اسی شاہزادہ کا لڑکا ہے -
باپ نے لڑکی سے یہ بات سنکر مذاق سے یہ کہا کہ اس لڑکے کو غلزئی یعنی "چوری کا بچہ" کہنا چاہئے غلزئی
اُسی لڑکے کی اولاد میں ہیں جو آجتک ملک میں بڑا زبردست اور بہادر فرقہ مانا جاتا ہے - ابتک اس فرقہ میں عورتیں
خود اپنے لئے شوہر پسند کرتی ہیں اور پردہ کا رواج نہیں - شادی کی رسومات عجیب اور دلچسپ ہیں جنکو میں نے اپنی
کتاب میں جو شادی اور افغانیوں کی طرز معاشرت پر لکھی ہے اور جو عنقریب شائع ہو جائیگی بیان کیا ہے -

انسانی خونریزی نہ صرف ان کے ملک میں بلکہ تمام دنیا میں مشہور تھی - اس لئے یہ قدرتی بات ہے کہ مجھ جیسے شخص سے جو ایسے بیہودہ باتوں سے دلی نفرت کرتا ہو نفرت کریں اور اس بات کی کوشش کریں کہ جہاں تک ممکن ہو میری سلطنت کو برباد کردیں۔

ازاں مار برپائے راعی زند + کہ ترسند سرش را بکوبد بہ سنگ

دوسری وجہ یہ تھی کہ میں شیر خاں ٹوخی غلزئی کو معہ اس کے چند دوستوں اور ساتھیوں کے جنھوں نے ۱۸۸۱ء میں بغاوت کی تھی جس کا حال میں لکھ چکا ہوں قید کردیا تھا۔

تیسرے - عظمت اللہ خاں اور اس کے بعض غلزئی سردار شیر علی کے خاندان سے موافقت رکھنے کی وجہ سے میرے دشمنوں سے خط وکتابت رکھتے اور فرقوں میں سازش کیا کرتے تھے اس لئے میں نے اُسے ۱۸۸۲ء میں قید کردیا۔

چوتھے - مشہور مشک عالم (جہان کا خوشبودار کرنیوالا) جسکو میں موش عالم یعنی جہان کا چوہا کہتا تھا اور اس کا یہ نام پہلے نام سے بہت مناسب تھا کیونکہ اس کا چہرہ چوہے کی مانند تھا اور قریب قریب اس کے چال چلن بھی سب چوہوں کے مانند تھے) اس گروہ سے جا ملا جو لوٹ مار کرنے کی وجہ سے غازی کہلاتے تھے - یہ لوگ اپنے آپ کو ملّا اور غازی زیادہ تر اس وجہ سے بھی کہتے تھے کہ آدمیوں اور دوسری رعایا میں ان کی وقعت اور منزلت ہو اور چونکہ میں نے ایسی تمام بیہودہ باتوں کو موقوف کر رکھا تھا انہوں نے مجھکو تکلیف دینے کے واسطے غلزئی قوم کے جاہل آدمیوں کو جن میں وہ رہتے تھے میرے خلاف بھڑکانا شروع کردیا اور یہ سازشیں سال بھر تک جاری رہیں جس نے تمام ملک میں بغاوت کی آگ پھیلادی اور ایک ملکی جنگ شروع ہوگئی جو ہزاروں آدمیوں کی خونریزی اور تکلیف کا باعث ہوئی۔

خداوند تعالےٰ اپنے رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے کہ زمین پر انصاف اور امن سے رہو اور لڑائی اور خونریزی نہ کرو کیونکہ قادر مطلق ان سے محبت نہیں رکھتا جو زمین پر امن نہیں رکھتے" خدا کا حکم یہ ہے مگر افسوس ہے کہ مُلّا اپنی مذہبی تعلیم کے خلاف کام کرتے ہیں۔

پانچویں - میں نے ملک کی بقایا مالگزاری وصول کرنے کا حکم دیا جس کو لوگ دینا نہیں چاہتے تھے

چھٹے۔ افغانستان جیسے ملک میں جہاں کا خزانہ خالی تھا اور بہت سا روپیہ اندرونی اخراجات عمارتوں کی درستی اور سرحدی قلعوں کی مرمت کے لئے مطلوب تھا جہاں دول غیر ہر وقت موقع کی تاک میں لگی رہتی تھی۔ تقریبًا ملک کی نصف آمدنی مُلّانو۔ سیدوں اور درباریوں مصنوعی بزرگوں کو سابقہ گورنمنٹ نے نذر کردی تھی۔

زیادہ تر مصیبت یہ تھی ان پیر اور مُلّانوں نے ریاست کی بقیہ نصف مالگزاری لوگوں سے خود وصول کر لی جس پر ان کا کوئی حق نہ تھا۔ یہ لوگ آدمیوں کو بیکار زندگی میں رہنے کی ترغیب دیتے تھے ان کا طریقہ عمل لوگوں کو یہ سکھاتا تھا کہ اپاہج آدمیوں کی طرح گورنمنٹ سے امداد لو اور ملک یا رعایا کے واسطے کچھ مت کرو۔

میں نے اس خیرات کو جس کا بوجھ سرکاری خزانہ پر تھا بالکل بند کر دیا۔ اور حکم جاری کر دیا کہ صرف ان لوگوں کو تنخواہ دی جائیگی جو اپنی لیاقت کے موافق سرکاری خدمات انجام دیتے ہیں اور ایسی تنخواہ پانے والوں کو امتحان دینا پڑے گا جن میں ان کو کامیابی حاصل کرنے پر تنخواہیں دیجائینگی اس طریقہ سے تمام نذرانہ اور تنخواہیں جو ایسے خودغرضوں کو دیجاتی تھیں معہ خاندان مستذکرہ ”جہان کے چوہے“ اور دیگر خاندانوں کی موقوف کردی گئی۔ یہ روپیہ جو ایسے بیجا اخراجات کے بند کرنے سے جمع ہوا اس سے میں نے اپنے بہادر سپاہیوں کی تنخواہیں مقرر کیں جو ایسے خودغرض اور نقصان رساں چوہوں کے قتل کرنے کے واسطے مقرر کئے گئے تھے جس سے آئندہ ان لوگوں کے دستبرد سے رعایا اور آدمیوں کو نجات مل گئی۔ میری اس تدبیر نے ملانوں اور مذہبی پیشواؤں اور ریاکار مُلّانوں میں ایک عظیم تہلکہ مچادیا۔ اور یہ بغاوتیں جس کے فرو کرنے میں مجھے دقتیں پیش آئیں زیادہ تر اسی تدبیر کی وجہ سے ہوئیں۔ میری خوش نصیبی سے مجھے اس عام بغاوت کے فرو کرنے میں کامیابی ہوئی اور ہمیشہ کے لئے ان چوہوں کو جو انسانی جامہ میں نظر آتے تھے نیست و نابود کر دیا گیا۔ ان لوگوں کی بغاوت کا حال پہلے پہل مجھے ۱۸۸۶ء میں معلوم ہوا جبکہ انہوں نے ملکہ معظمہ شہنشاہ انگلینڈ کے پاس بہ توسط سر اولیور سینٹ جان عرضداشت بھیجی تھی جس کا مضمون یہ تھا ”اگر تم ہمیشہ کے واسطے افغانیوں پر قبضہ کرنا چاہتے ہو تو اس موقع سے بہتر دوسرا موقع نہیں ملسکتا۔ تم کو بلا کسی پس و پیش کے ہماری مدد کرنی چاہیئے“ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ چٹھی سلطنت

برطانیہ کے کسی مشیر سلطنت کی نذر سے گزری یا نہیں مگر یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ اس چٹھی یا عرضداشت کا کوئی جواب ان غبریروں کو نہیں دیا گیا۔ بعدازاں انہوں نے محمد ایوب کو شامل ہونے کے لئے مدعو کیا لیکن اسی ملک میں داخل ہونے میں ناکامیابی ہوئی۔ ان ہر دو تدابیر کے علاوہ جو تدبیریں ان مفسدوں نے کیں اُن سے مجھے آگاہی نہیں۔ بہرکیف جب وہ ہر طرف سے مایوس ہوگئے تو وہ خود ہی میرے مقابلہ میں شمشیر بکف ہوئے۔

۱۸۸۶ء میں لڑائی کا آغاز اس طرح سے ہوا کہ میر احمد خاں کے لڑکے شیر خاں نے سردار گل محمد خاں نبیرہ سردار خوندل خاں والئے قندہار کے لڑکے کو قندہار اور کابل کے راستہ میں مقام ماسکی اور چہاردمہ پر قتل کرکے اس کے اہل وعیال مال ومتاع پر قبضہ کر لیا اور ان کو گرفتار کرکے لیگیا دوسرا ڈاکہ مقام ماسکی پر اندر اور ہوتک کے غلزئی لوگوں کی جانب سے ہوا جنہوں نے درّانی قوم کے ایک بٹالین فوج پر جو میرزا سید علی کی ماتحتی میں قندہار سے کابل آرہی تھی حملہ کر دیا۔ چونکہ فوج کو اس ناگہانی آفت کی خبر نہ تھی نہ کسی لڑائی کا خیال تھا۔ فوج کے پاس سامان حرب بالکل ناکافی تھا۔ غلزئی لوگوں نے ۱۴۰ اونٹ ۸۰ جمعہ ۳۰۰۰۰ روپیہ چھین لئے فرقہ غلزئی کی جس میں مشک عالم شامل تھا یہ سرکشی دیکھ کے میں نے جنرل غلام حیدر خاں توخی حاجی گل محمد خاں کمانڈر (جواب بریگیڈیر ہے) اور کرنیل محمد صادق خاں (جواب قندہار میں بریگیڈیر ہے) کو دو بٹالین پلٹن اور سواروں کے چار رجمنٹوں اور دو توپخانوں کے ساتھ غلزئی کی سرکوبی کیواسطے روانہ کیا۔ جب یہ فوج غزنی پہنچی تو اس سے باغیوں کے ساتھ مقام دہانی شیر و نانی پر ایک خفیف لڑائی ہوئی جس میں باغیوں کو پوری شکست ملی اور وہ بھاگ گئے۔

جاڑوں کے موسم میں یہ لوگ بالکل چپ چاپ رہے۔ غلزیوں کو میرے خلاف خفیہ طور سے برانگیختہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ماہ مارچ کے شروع میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہو کے انہوں نے ایک عام بغاوت شروع کردی۔ ملا عبدالکریم ولد مشک عالم نے مارچ ۱۸۸۶ء میں اس مضمون کا ایک اشتہار جاری کیا کہ میرے پاس ۱۲۰۰۰ جنگجو موجود ہیں اگر اور فرقوں نے میرا ساتھ دیا تو بلاشک وشبہہ ہماری فتح ہوگی۔

ہوتک کے آدمیوں کی بغاوت کی بابت جو ۱۸۸۶ء میں ہوئی جملہ حالات ہدیہ ناظرین سوانح عمری

کیئے جا چکے ہیں۔ اسی بغاوت کی وجہ سے میں نے اس موقع پر سکندر خاں (جسکا اب انتقال ہوگیا) والد جنرل غلام حیدر خاں کو حکم دیا کہ قندہار سے روانہ ہوکے صوبہ ہوتک کے تمام آدمیوں سے فی گھر ایک تلوار اور ایک رائفل بطور جرمانہ وصول کر لیوے جو میں سربند سکندر خاں صوبہ ہوتک میں پہنچا اور لوگوں کو اس کے ارادہ سے آگاہی ہوئی ایک عام جوش ہوتک کے لوگوں میں جو پہلے سے بھرے بیٹھے تھے پھیل گیا اور اندرا۔ ہوتک۔ تاخی اور غلزئی کے دوسرے فرقوں میں عام طور سے بغاوت شروع ہوگئی ان لوگوں نے اپنی اہل وعیال کو دزیری۔ وتھوپ اور ہزارجات جس کا ٹھکانا تھا بھیجدیا اور میری فوج سے لڑنے کو آمادہ ہوگئے غلزئی میں میرے پاس اس وقت زیادہ فوج نہیں تھی۔ اور نہ بڑے بڑے قصبوں مثل غزنی۔ قلات۔ غلزئی اور مار وف کی پوری پوری مورچہ بندی ہو رہی تھی۔ جنرل غلام حیدر خاں کے پاس صرف پیدلوں کی دو بٹالن اور تین رجمنٹیں تھیں۔ میں نے فوراً ۶۰۰ پیدل کرنل صوفی کی ماتحتی میں ماہ مارچ سکندر خاں کی مدد کے واسطے روانہ کردیئے۔ علاوہ اس کے کچھ ملیشیا پیدل دُرّانیوں کی جدید بٹالن کو سکندر خاں کی مدد کیواسطے بھیجدیا۔ مگران آخرالذکر آدمیوں نے کچھ اچھی خدمات انجام نہیں دیں۔ میں نے فوراً کابل سے غلام حیدر خاں کی مدد کیواسطے بہی فوج روانہ کردی۔

پہلے پہل باغیوں کو فتح ہوئی اور ماروف کے گورنر عیسےٰ خاں کو جو سکندر خاں کی مدد کے لئے جارہا تھا شکست ملی۔ باغی جنہوں نے عیسےٰ خاں کو شکست دی شاہ خاں ہوتک کی ماتحتی میں لڑ رہے تھے۔ ۲۰ اپریل کو سکندر خاں نے باغیوں سے ایک انقطاعی جنگ شروع کی جس میں اوّلاً سکندر خاں کو شکست ہوئی۔ مگر بعد ازاں سکندر خاں نے باغیوں پر پوری پوری فتح پائی اور باغیوں کو مار کے بھگا دیا۔

اسی زمانہ میں شمال کی طرف بہی بڑے زور شور سے لڑائی ہو رہی تہی جہاں غلام حیدر خاں تارخی اور اندری کے غلزئیوں سے نہایت بہادرانہ مقابلہ کر رہا تھا جس نے بالآخر باغیوں کو بھگا دیا اور اپنے باپ سکندر خاں کی فوج سے جسے ہوتک کے آدمیوں سے شکست ہوچکی تہی جا ملا۔

ان فوجوں کا اتصال مئی کے مہینہ میں ہوا جس سے پیدلوں کی چار بٹالن۔ سواروں کی دو رجمنٹیں اور آٹھ توپوں کی تعداد ایک جگہ ہوگئی۔ علاوہ اس فوج کے بعض وفادار رعایا کے آدمی بہی بماتحتی

ہبلول خاں سرکاری فوج کی امداد کے واسطے پہنچ گئے تھے۔ باغیوں کی فوج کی تعداد ۴۰۰۰ جنگجو آدمیوں کی تھی جنہوں نے شیر خاں ہوتک کو امیر کا خطاب دے رکھا تھا اور اسی کی ماتحتی میں لڑ رہے تھے۔ باغیوں کو ہر جانب سے مدد پہنچ رہی تھی۔ اور غلزئی کی سرکش رعایا اُن میں ملتی جاتی تھی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے سلطنت روسیہ ایوب خاں اور ہرات اور میمنہ کے لوگوں کے پاس امداد کیلئے درخواست کی تھی۔ ہرات اور میمنہ کے لوگوں نے صاف جواب دیدیا۔

ہرات میں میرے پاس جو فوج تھی اس میں غلزئی بہت تھے۔ جب انہوں نے یہ سُنا کہ ان کی قوم کے آدمی اور ان کے رشتہ دار مجھسے لڑ رہے ہیں وہ بھی مجھ سے علیحدہ ہونے لگے اور ۲۶ جون ۱۸۸۷ء ہزارہ کی فوج کے غلزئی لوگ جو ہرات میں تھے انہوں نے بغاوت شروع کردی اور میری فوج سے علیحدہ ہو گئے۔ ان باغی سپاہیوں کی تعداد ۸۰۰ تھی۔ اُنہوں نے تمام میگزین کو برباد کردیا اور میرے کمانڈر انچیف کو قلعہ میں قید کرکے اس کا محاصرہ کرلیا لیکن میرے اور سپاہی جو اس وقت تک وفادار رہے۔ انہوں نے ان باغیوں کا مقابلہ کیا جو تاب مقاومت نہ لا سکے اور ہرات سے آندر ابھاگ کے دوسرے باغیوں سے مل گئے۔ ان نمک حراموں میں سے بعض سپاہی باغیوں کی اس کثیر التعداد فوج میں شامل ہو ہو گئے۔ جو مرغاب میں جمع تھی اس سے میرے وفادار افسروں کو نہایت فکر اور تشویش ہوگئی۔ تشویش کا باعث زیادہ تر یہ تھا کہ بہت آدمی اس کے منتظر بیٹھے ہوئے تھے کہ اگر باغیوں کی جماعت کا پلہ بھاری رہا تو ان سے جا ملیں۔ علاوہ اس کے کہ میرے نمکحرام سپاہی باغیوں سے جا ملے تھے یہ ایک اور مصیبت تھی کہ جاہل مُلّا نو اور میرے دشمنوں نے یہ مشہور کردیا تھا کہ ہرات پر باغیوں کا قبضہ ہوگیا اور میمنہ اور ملک کے اور حصّوں میں بھی بغاوت ہوگئی۔ میرے بہادر سپاہ سالار غلام حیدر خاں نے جہاں کہیں ان باغیوں کی جماعت دیکھی ان کو پس پا کرکے پریشان کردیا۔ اس موقعہ پر غلام حیدر خاں سپاہ سالار نے ہوتک کے باغیوں کے ایک بہت بڑے گروہ کو مقام عطا گڈھ پر ایک بہت بھاری شکست دی۔ اور ان کو چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں پراگندہ کردیا۔ اس جماعت کو منتشر کرنیکے بعد غلام حیدر خاں اپنے باپ کو اس جگہ چھوڑ کے شمال کی جانب بڑھا جہاں پر اسے وندی آبا اشادہ کے مقام پر تراخی خانداں کے باغیوں سے ایک دوسری لڑائی لڑنی پڑی۔ اور وہ کامیابی کے ساتھ یہاں

سے مرغاب کی جانب روانہ ہوا جہاں فوج ہرات کے نمک حرام سپاہی باغیوں کے بڑے گروہ سے مل گئے تھے۔ میں نے فوراً ہی پیدلوں کی دو بٹالین اور ۴۰۰ سوار ماہ جون میں غلام حیدر خان کی مدد کے واسطے روانہ کر دیئے۔ اس فوج نے ۲۷ جولائی باغیوں کی ایک جماعت کو جو مفسدوں میں شامل ہونے کے واسطے جا رہی تھی راستہ ہی میں لے لیا اس جماعت کو پراگندہ کرنے کے بعد غلام حیدر خاں اصل جماعت کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا۔ باغیوں میں کمسریٹ اور ٹرانسپورٹ کا ایسا خراب انتظام تھا کہ یہ بھوک اور پیاس سے قریب مرگ ہو رہے تھے بالآخران باغیوں کی فوج کو پوری پوری شکست ہوئی اس کے بعد بھی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں مگر یہ لڑائیاں بالکل معمولی تھیں کیونکہ باغیوں کے گروہ بندی کے سلسلہ کے طریقہ کا شکستوں کی وجہ سے خاتمہ ہو چکا تھا۔

ملّا عبدالکریم کورم بھاگ گیا۔ اس کا بھائی فضل خاں گرفتار ہو گیا جو قتل کیا گیا۔ تیمور شاہ غلزئی نے جو میری فوج میں ڈپٹی کمانڈر انچیف کے عہدہ پر معمور تھا ۱۸۸۵ء کی لڑائی میں جو مقام پنجدہ پر ہوئی تھی۔ عدول حکمی کی تھی۔ جسے میں نے اس وقت معاف کر دیا تھا۔ لیکن جب مجھے یہ اطلاع ملی کہ اس بغاوت میں وہ بھی شریک تھا میں نے اس کو قید کر کے کابل بلا لیا اور ۱۳ر جولائی کو اس نمک حرامی کی پاداش میں اسے سنگسار کرا دیا۔ اس سزا سے فوجی افسروں کو ایک خاص عبرت دلانی منظور تھی تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ ایک شخص جو ڈپٹی کمانڈر انچیف کے عہدہ پر ممتاز ہو اور وہ اپنے آقا کے خلاف جس کا برسوں اس نے نمک کھایا ہو ہتیار اٹھائے تو اسے یہ سزا دی جاتی ہے۔

جب غلام حیدر خاں فتحیاب ہو کے کابل واپس آیا میں نے اس کو ڈپٹی کمانڈر انچیف کے عہدہ پر ممتاز کر دیا اور اس کی خدمات کے صلہ میں سنہری تمغہ عطا فرمایا۔ میں نے غلام حیدر خاں کے استقبال کے لئے جب وہ کابل سے ایک روز کے فاصلہ پر تھا اپنی خاص فوج زیر ماتحتی پرواز خاں کابل سے روانہ کی تاکہ اس کو بڑی عزت اور احترام سے کابل لا دیں۔ اس طرح غلزئیوں کی مشکلات کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو گیا۔

ایوب خاں نے جب باغیوں کی شکست کا حال سنا وہ فوراً بلا اطلاع گورنمنٹ پرشیا سے

بھاگ گیا مجھے ایوب خاں کے بھاگ جانے کی فوراً ہی خبر مل گئی کیونکہ میرے خفیہ پولس[۱] کی مستعدی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ یہ ممکن نہ تھا کہ روس - پرشیا - افغانستان - ہندوستان میں کوئی مشہور آدمی نقل وحرکت کرے اور مجھے خبر نہ ہو -

جب مجھے ایوب خاں کے بھاگنے کی خبر ملی میں نے سرحد پر آدمی مقرر کر دیئے کہ جب وہ میری حدود سلطنت میں داخل ہو فوراً گرفتار کر لیا جائے - ایوب خاں جب مقام گھوڑیان سرحد افغانستان میں پہنچا تو اس نے میرے آدمیوں کو سرحد پر مستعد پایا اور اب بجائے کابل کے

[۱] دنیا میں شاید ہی کوئی ملک ایسا نکلے جہاں خفیہ پولس اور جاسوس کی تعداد افغانی سلطنت سے زیادہ ہو - افغانستان میں جاسوس اور مخبروں کے معاملہ میں "دیوار ہم گوش دارد" کی پرانی مثل بالکل صادق ہے عورتیں اپنے شوہر کو اور شوہر اپنی بیوی کو جاسوس اور مخبر سمجھتا ہے - صدہا مثالیں ایسی مل جائیں گی جس میں باپ نے اپنے بیٹے کی اور بیٹے نے اپنے باپ کی مخبری کی - نمونہ کے طور سے سردار دالو اور مستری قطب کی بیوی کا قصہ کافی ہے جنہوں نے اپنے باپ اور اپنے شوہر کی مخبری کر دی - فی الحقیقت سال بھر میں سینکڑوں ایسے واقعات ہوتے ہیں جن میں دوستوں نے اپنے دوستوں کی اور شوہر نے اپنی بیوی کی اور زوجہ نے اپنے شوہر کی رشتہ داروں نے اپنے قریبی عزیز کی مخبری کی اور وہ مخبری ٹھیک ہوئی مجرم کو سزا ملی اور مخبر کو انعام عطا ہوا - اور یہی وجہ ہے کہ افغانستان میں عام طور سے لوگ کھٹکتے رہتے ہیں - کوئی ایک دوسرے کا اعتبار نہیں کرتا اپنا راز دوسرے پر ظاہر کرتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے - افغانی رعایا کیواسطے اس قدر مخبروں کا ہونا درحقیقت ضروری ہے کیونکہ امیر حفظ ماتقدم کے لحاظ سے مجبور ہے اور اس کو اس قسم کی تدابیر کرنی لازمی ہیں - اس وجہ سے کہ پچھلے بادشاہوں کا قتل اور معزول ہونا افغانی رعایا کے جوڑ توڑ کا ہی نتیجہ ہوتا رہا ہے - جس کے وہ عادی ہیں اُن کا یہ کام ہے کہ ہمیشہ امیر یا بادشاہ کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو خفیہ خبریں دیتے رہیں اور وقتاً فوقتاً حاکم وقت کے معزول ہونے کی تدبیر سوچتے رہیں - اگر مخبری کی یہ کثرت نہ ہوتی تو امیر عبدالرحمٰن خاں کا بھی وہی حشر ہوتا جو دوسرے بادشاہوں کا ہوا -

مثلاً ہم اس موقعہ پر ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جس سے ناظرین کو خود معلوم ہو جائے گا کہ افغانستان میں ایسی تدابیر سے کام لینا کہاں تک ضروری ہے ۱۸۹۱ء میں جب تمام فوج کابل سے ہزارہ کے آدمیوں کے مقابلہ پر چلی گئی تھی - چند آدمیوں نے جو معمولی حیثیت کے نہ تھے بلکہ معزز اشخاص میں تھے (بقیہ دیکھو صفحہ ۲۰۵)

تخت لینے کے اس کو اپنی جان بچانی مشکل ہو گئی اور مجبور خراسان کے جنگلوں کی طرف بھاگ کے بہ مشکل تمام میرے آدمیوں کے پنجہ سے جان بچائی جو اس کو تخت کابل دینے کیلئے منتظر بیٹھے تھے۔ بقول شاعر ؎ ''ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد ٭ ساعد سیمین خود را رنجہ کرد'' بڑے جھگڑے اور مشکلوں میں ایوب خاں نے اپنے کو بطور ایک شاہی قیدی کے جنرل میکلین کے حوالہ کر دیا جو مشہد میں بطور والیسرائے اور ایجنٹ کے موجود تھا۔ بعد خط و کتابت کے لارڈ ڈفرن والیسرائے کی رائے کے موافق ایوب خاں کو پرشیا سے ہندوستان بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴) خفیہ سازشیں شروع کر دیں اور ہزاروں آدمی اس سازش میں شریک ہو گئے۔ ایک رات ان لوگوں نے یہ مشورہ کیا کہ اس جیل خانہ میں جو شہر کے اندر ہے آگ لگا دی جائے اس طرح سے تمام پولس شہر کی آگ بجھانے میں مصروف ہو جائے گی اور بادشاہ بالکل اکیلا رہ جائیگا اس کو قتل کر دیں گے جب بادشاہ قتل ہو جائے گا تو عام بغاوت پھیلانے اور شہر کو لوٹنے کا اچھا موقع ملے گا۔

اس کارروائی کے شروع ہونے سے چند گھنٹے پہلے امیر کو مخبروں نے اس واقعہ کی خبر دیدی مفسدوں کو گرفتار کیا گیا تحقیقات سے جرم ثابت ہوا تمام باہمی خط و کتابت جو اس معاملہ میں ہوئی تھیں برآمد ہوئیں اور اس طرح محض مخبروں کی وجہ سے شہر بربادی سے بچ گیا اگر مخبر نہ ہوتے تو شہر برباد ہو جاتا۔ اور بادشاہ کا خاتمہ لازمی تھا۔

جو شخص امیر پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ وہ اپنی رعایا کا اعتبار نہیں کرتا اور اس نے مخبر لگا رکھے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ امیر مجبور ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو ایک دم کے واسطے وہ زندہ نہیں رہ سکتا ایک ساعت کے لئے اس کا تخت و سلطنت امن میں نہیں ہو سکتا اسے حفظ ماتقدم کے لئے اس کی اشد ضرورت ہے کہ وہ مخبروں کا ایسا زبردست گروہ اپنی رعایا پر مقرر کرے جس سے ہر وقت رعایا کو ''دیوار ہم گوش دارد'' کا سبق یاد رہے مخبری میں اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ بعض رشوت دے دلا کے اپنے دشمنوں کی مخبری کرا دیتے ہیں اور اس طرح دشمنوں سے اپنا بدلا لیتے ہیں۔ مگر جب کبھی ایسی مخبری کی تحقیق ہوتی ہے تو مخبروں کو سزا بھی ایسی سخت دیجاتی ہے کہ آیندہ جھوٹی مخبری کرنا آسان کام نہیں رہتا ایک مرتبہ کا ذکر ہے ایک ملا نے جسکا نام کشمش تھا امیر کے لڑکے ہی کی مخبری کی تحقیقات جو کی گئی تو ملا کا بیان غلط ثابت ہوا۔ امیر نے ملا کو توپ سے اُڑوا دیا۔

اب تک زندہ ہے اور میرے بہادر سپاہیوں کے پنجہ سے بچا ہوا ہے۔

(اسحاق کی بغاوت)

اب میں ۱۸۸۸ء کی ملکی لڑائی کے اسباب اور اس کے نتائج بیان کرتا ہوں۔ پہلے کسی جگہ بیان ہو چکا ہے کہ افغانستان روانہ ہونے سے پیشتر میں نے اپنے سرداروں کو جن کا نام قدس خاں سردار خاں اور اسحاق خاں تھا۔ یمنہ کی جانب روانہ کر دیا تھا۔ سفر کی مفصل کیفیت ابواب سابقہ میں بیان کی گئی ہے مگر اس خاص بغاوت کے متعلق جو میرے نمک حرام اور دغا باز سردار اسحاق خاں کی سازش سے ہوئی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ اسحاق خاں میرے چچا میر عظیم کا لڑکا تھا۔ اس کی ماں ارمنی عیسائی کی لڑکی تھی جو میرے چچا کی حرم تھی۔ اسحاق خاں اسی حرم کے بطن سے تھا۔

ناظرین سوانح عمری کو اُن حالات سے جو انہوں نے پچھلے بابوں میں پڑھے ہیں اسحاق خاں کے باپ کے چال چلن کی نسبت خوب آگاہی ہو گئی ہوگی۔ ناظرین کو یہ بھی یاد ہوگا کہ میں نے اپنے والد بزرگوار کی وفات کے بعد اس کو کابل کی حکومت پر مامور کر دیا تھا اور گو میرے والد بادشاہ تھے ان کے انتقال کے بعد مجھکو ہی تخت نشین ہونا چاہئے تھا لیکن میں نے اپنے چچا کو تخت پر بٹھا دیا تھا۔ میر عظیم کے مرتے دم تک جس قدر خدمات اور سلوک میں نے اُن کے ساتھ کئے اور جو مہربانیاں اُس کے بیٹے اسحاق اور اس کے بچوں پر کی گئیں اس جگہ اس کے دوہرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ پہلے کہیں لکھی جا چکی ہیں۔ ناظرین سوانح عمری اسحاق خاں کی ناشکرگزاری کا خود اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس نے میری تمام مہربانیوں اور احسانات کو فراموش کر دیا۔ جس قدر خرابیاں ہمارے خاندان میں واقع ہوئیں وہ میر عظیم ہی کے کرتوت تھے اور میرے والد اور شیر علی کے درمیان دشمنی کرانا اسی کا کام تھا یہ فطری شرارت میر عظیم کے بیٹے اسحاق خاں میں بھی موجود تھی جو کم و بیش وقتاً فوقتاً اُس سے ظاہر ہوتی رہی۔

روس کو چھوڑتے وقت میں نے اپنے ساتھیوں سے وفاداری اور اطاعت کا عہد و پیمان لیلیا تھا اور کابل میں بھی محمد اسحاق سے قرآن مجید پر دستخط اور مُہر کرا لی تھی اور اس نے بخوشی نمک حلالی۔ وفاداری اور فرمانبردار رہنے کیلئے حلف اُٹھایا تھا۔ اور اس عہد و پیمان کے

خیال سے میں نے اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی سال اسکو ترکستان کا ناظم بنادیا کیونکہ مجھ کو اس کی وفادار رہنے کی قسم پر کامل بھروسہ ہوگیا تھا تمام گورنروں فوجی افسروں کو جو کابل سے ترکستان بھیجے گئے ان کو خاص ہدایت ہوتی رہی کہ محمد اسحاق کو ہر وقت میرے لڑکے اور میرے بھائی کے برابر سمجھتے رہیں اسحاق خاں ہر ہفتہ ایک عرضی مجھ کو بھیجتا تھا جس کے ہر لفظ سے فرمانبرداری اور وفاداری ٹپکتی تھی یہ تمام کاغذات اب تک میرے دفتر میں موجود ہیں۔ وہ خط میں ہمیشہ مجھکو ایسے القاب لکھتا تھا جیسے کہ سعادتمند بیٹا اپنے باپ کو یا فرمانبردار ملازم اپنے آقا کو لکھتا ہے۔ اور خطوں پر اس کے دستخط کی عبارت یہ ہوتی تھی "آپکا غلام خاکسار ملازم محمد اسحاق" اس کی وفاداری دیکھہ دیکھہ کے میں بھی ہمیشہ اسکو "میرے پیارے بیٹے یا میرے پیارے بھائی" لکھا کرتا تھا۔ اس کی نمک حرامی کا ذرا بھی خیال نہ ہونے کی وجہ سے میں نے بہت سی عمدہ رائفلیں اور ہتھیار ترکستان میں اس کی حفاظت میں رکھہ چھوڑے تھے اس کی سرحد روس سے ملی ہوئی ہونے کی وجہ سے یہ مناسب سمجھتا تھا کہ ہر قسم کا ذخیرہ ایک اعلیٰ پیمانہ پر اس کے پاس رہنا چاہئے۔ سامان جنگ کی طرح سامان رسد اس کے پاس ہر وقت تیار رہتا تھا۔ اور اب تک یہ سلسلہ جاری تھا لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ میرا روپیہ میرے ہی خلاف صرف ہوگا۔ اور بہ جلوڈر بندوقوں کی گولیاں اور رائفلیں جو میں نے خود اس کے سُپرد کر رکھیں تھیں میرے ہی سینہ کو نشانہ بنائیں گی اور اسحاق ایسا ہی نالایق نکلے گا جیسا کہ اس کا باپ میر عظیم تھا۔ عین اس وقت جبکہ میں نے اس کو ترکستان کا حاکم بنایا اس نے مجھکو اطلاع دی کہ ملک کی آمدنی اس فوج کے خرچ کے لئے ناکافی ہے جو وہاں پر موجود ہے اس لئے میں اکثر دوسرے ملکوں کی آمدنی سے اس کے پاس روپیہ بھیجتا رہتا تھا تاکہ میرے سپاہیوں کو دیا جائے اس تمام زمانہ میں اسحاق روپیہ جمع کرنے میں اور میرے خلاف پوشیدہ تیاریاں کرنے میں لگا رہا۔ ترکستانیوں کے سامنے ایک اعلیٰ درجہ کا ولی اور نیک نہاد بنا رہا ہر روز علی الصباح اُٹھہ کے نماز پڑہتا تھا اور اس کی حالت بجنسہ اُن مُلّانوں کی سی تھی جو بڑی بڑی نمازیں پڑہتے اور روزے رکھتے ہیں مگر ویسا اُن کا عمل نہیں ہوتا۔

عبداللہ انصاری کے قول کے موافق یہ جاہل ریاکار خدا پرست بزرگ مولوی کہلانے کے کبھی

سزاوار نہیں ہیں۔ عبداللہ انصاری کا مقولہ ہے کہ بہت روزے رکھنا خوراک کی بچت ہے اور بہت نمازیں پڑھنے کاہلوں کو کام کرنے سے چھٹکارا دلاتی ہیں سچی عبادت یہ ہے کہ دوسروں کی مدد کی جائے۔ اسی مقدس بزرگ کا ایک دوسرا مقولہ ہے کہ ہوا میں اڑنا کوئی کرامت نہیں ادنے مکھی کرسکتی ہے۔ دریا کو بغیر پل اور کشتی عبور کرنا کوئی معجزہ نہیں ایک ناپاک کتا اور گھانس کا تنکا بھی کرسکتا ہے۔ نیک آدمیوں کا معجزہ اور کرامت یہ ہے کہ وہ دوسرونکی مدد اور شکستہ دلوں کی خاطر کریں۔

اسحاق خاں نے دوسری دغابازی یہ کی کہ جاہل مسلمانوں کو بہکانے کے لئے فرقہ نقشبندیہ[1] میں شامل ہوگیا۔ یہ مشہور درویشوں کا فرقہ ہے جو نقشبندیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس فرقہ کی بنیاد تیمور کے زمانہ میں ایک مشہور درویش خواجہ بہاؤالدین نے ڈالی تھی۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اس فرقہ کے بانی کی ہدایتیں نہایت مناسب مفید اور انسان کو کام کا بنانے والی ہیں لیکن اس فرقہ کے جھوٹے دعویدار جھوٹی تقلید کرکے اس کے بانی کو بدنام کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں کا اصول یہ ہے کہ جس طرح ہو روپیہ حاصل کیا جائے اور بیکار زندگی میں بسر کیا جائے۔ ان کا طرز عمل ان کے پیر کی ہدایتوں کے خلاف اور رسول مقبول صلعم کے طرز

[1] مسلمان فقرا کے چار بڑے بڑے گروہ ہیں نقشبندیہ۔ دوم قادریہ شیر عبدالشیخ نے جس کا مزار بغداد میں ہے ایجاد کیا تھا۔ سوم چشتیہ اس کا بانی معین الدین ہے جس کا مزار اجمیر میں ہے۔ چہارم سہروردی اس فرقہ کا بانی شہاب الدین ہے۔ علاوہ ان چار بڑے بڑے گروہوں کے فقرا میں ۲۶ فرقے اور ہیں جن کے بانیوں کے مزار ہندوستان اور دیگر ممالک میں موجود ہیں۔ اس تاریخ میں ان تمام فرقوں کی مفصل کیفیت لکھنے کی گنجایش نہیں۔ لیکن فرقہ نقشبندیہ کی وجہ تسمیہ بیان کردینی دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی۔ فرقہ نقشبندیہ کی اس نام کے متعلق یہ نقل مشہور ہے کہ ایک دن شیر عبدالشیخ (اللہ ھو) کی ضربیں لگا رہے تھے کہ ان کی کرامت سے ہر ایک ہانڈی پر جو اس وقت چولھے پر چڑھ رہی تھی،، اللہ،، کا لفظ نقش ہوگیا اس کرامت کی بنا پر اس کے معتقدین نقشبندیہ کہلانے لگے۔ معتقدین کا اعتقاد ہے کہ جس طرح اُن ہانڈیوں پر خدائے پاک کا نام اس بزرگ کے نعرہ،، اللہ،، سے نقش ہوگیا اسی طرح اسکا فیضان صحبت دلوں پر،، اللہ،، کا نام نقش کردیتا ہے۔

عمل کے بالکل برعکس ہے جو ہر ایک کام کو خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔
فرقۂ نقشبندیہ کا یہی اصول ہے کہ صرف دل ہی سے خداوند تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہو۔ زندگی کو بیکار مت گنواؤ۔ اس فرقہ کے اصول کے متعلق ایک فارسی نظم ہے جو ذیل میں درج کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقہ کا بانی بیکار زندگی کو ناپسند کرتا تھا۔ عبارت یہ ہے۔
"اپنے ہاتھوں کو ہر وقت کام میں لگائے رہو لیکن دل کو خداوند تعالیٰ کی محبت سے منور رکھو۔ دُنیا کا ہر ایک کام کرو مگر اندرونی خیالات اور روحانی زندگی آخرت کے کاموں میں صرف کرو"
چونکہ ترکستان کے لوگ بالعموم فرقۂ نقشبندیہ میں سے ہیں اس لئے اسحاق خاں ان کو اپنا گرویدہ بنانے کی غرض سے اسی فرقہ میں شامل ہو گیا۔
اسحاق خاں کو اس فرقہ کے بعض چالاک پیروں نے یہ بہکا دیا کہ ہمیں الہام ہوا ہے کہ خواجہ نے تجھکو کابل کا تخت عنایت کیا ہے اسحاق خاں کو اس کا پورا یقین ہو گیا اور عام طور سے اپنے کو افغانستان کا امیر مشہور کر دیا یہ بات بھی بیان کرنے کے لایق ہے کہ اس بغاوت سے تیس برس پہلے مجھ کو اطلاع ہوئی تھی کہ اسحاق خاں نے اس مالگزاری سے جس کا حساب اس نے میرے پاس بھیجا تھا بہت زیادہ روپیہ وصول کیا ہے اور اس ملک کی آمدنی وہاں کے اخراجات کے واسطے کافی ہے اور زاید روپیہ جو مجھ سے طلب کیا گیا اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔
جب مجھے یہ معلوم ہو گیا تو میں نے ایک افسر کو اسحاق کے حساب کی جانچ کے واسطے بھیجا اور اُسے ہدایت کر دی کہ جو کچھ حال ہو بے کم و کاست تحریر کرو۔ بایں ہمہ مجھے اسحاق کے جملہ مکر و فریب سے آگاہی ہو گئی تھی میں نے اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی بلکہ اپنی رعیت کو اس کے خلاف سرگوشی کرنے کی سختی کے ساتھ ممانعت کر دی تھی۔
دوسرے سال میں نے اُسے ملنے کے لئے بلایا اور ساتھ ہی اس کو یہ بھی تحریر کیا کہ کل حساب بھیجدو لیکن اسحاق نے اپنی بیماری کا بہانہ کرکے معافی چاہی اور حساب اپنے نائب سے لکھوا کے بھجوا دیا اب میں نے سمجھ لیا کہ اسحاق خاں کے مکر و فریب حد سے زیادہ تجاوز کر گئے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا اسحاق خاں رعایا کے آدمیوں سے زبردستی اپنی اطاعت کا حلف لے رہا ہے اور جو شخص انکار کرتا ہے اس کو سخت سزا دی جاتی ہے۔

میں نے اسحاق خاں کی بیماری کا حال اُس کے خط سے معلوم کر کے اپنا خاص حکیم جس کا نام عبدالشکور تھا اس کے علاج کے لئے بھیجدیا۔ اس عقلمند حکیم نے یہ خیال کر کے کہ ایسا نہ ہو کہ میری چٹھی اسحاق خاں کے آدمیوں کے ہاتھ لگ جائے میرے پاس اس مضمون کی رپورٹ بھیجی۔ کہ اسحاق کو زیادہ تر قلبی بیماری ہے۔ اس رپورٹ میں کنایتہً ظاہر کر دیا کہ بیماری کی اطلاع بالکل غلط تھی اسحاق کے دل میں امیر کی جانب سے کینہ بھرا ہوا ہے۔ لیکن باوجود ان تمام رپورٹوں اور خبروں کے جو مختلف ذرائع سے مجھے پہنچتی رہیں میں نے اسحاق کے خلاف کسی رپورٹ یا خبر کو ٹھیک نہیں سمجھا۔

ابھی تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ مجھے نقرس کی بیماری سے نجات ملی تھی کہ جون ۱۸۸۸ء میں لمکان کی پہاڑی پر جو کابل سے ۱۸ میل کے فاصلہ پر ہے میں سخت بیمار ہو گیا اور اگست کے مہینہ تک برابر بیمار رہا اس عرصہ میں سوائے شاہی حکیم اور میرے مصاحبوں کے میرے پاس کوئی نہ آ سکا کیونکہ حالت بیماری میں کسی کو میرے پاس آنے کی اجازت نہ ہوتی تھی۔ میرے اس قدر بیمار رہنے اور کسی کو میرے پاس نہ آنے دینے نے رعایا میں ہل چل پیدا کر دی اور عام طور سے میرے مرنے کی خبر مشہور ہو گئی۔

جب نمک حرام اسحاق نے میرے مرنے کی خبر سُنی تو اس نے میرے جانشین ہونے کا دعوےٰ کیا اور رعایا کو یہ کہہ کے دھوکا دیا کہ امیر مجھے اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے زیادہ چاہتا تھا پس ایسے وقت میں جبکہ کابل کا تخت بالکل خالی ہے اور خوف ہے کہ کہیں انگریز قابض نہ ہو جائیں۔ مجھ سے زیادہ کوئی دوسرا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اسحاق خاں کو اپنی اس چال میں کامیابی ہوئی اور وہ امیر بن گیا اور اپنے نام کا سکّہ بھی ذیل کے کتبہ سے جاری کر دیا۔ (لا الہ الا اللہ امیر محمد اسحاق) یعنی خدا ایک ہے اور اسحاق اس کا امیر ہے جب میں نے یہ خبر سنی کہ اسحاق خاں نے ایسی بدمعاشی کی ہے تو جنرل غلام حیدر خاں اورک زئی اور جنرل وکیل خاں (جو اپنی بدچلنی کی وجہ سے اس لئے جو امیر اسحاق کے مقابلہ میں ظاہر کی تھی برخاست کر دیا گیا) کمانڈنٹ عبدالحکیم خاں (جو لایق جنرل ابو احمد کا بیٹا عمر احمد خاں کا بھتیجہ۔ امیر کا فن جنگ میں اُستاد و اتالیق جنرل شہاب الدین کا پوتا افغانی فوجوں کا اُستاد ہے اور آجکل کابل ہیڈ کوارٹر کے توپخانہ کا انچارج ہے) بریگیڈیر فیض محمد خاں (جو اب امیر کے باڈی گارڈ کا افسر ہے) کرنل حاجی گل خاں۔ کرنل عبدالحیات خاں اور دوسرے سرداروں کو چار سواروں کی رجمنٹ اور تیرہ پیادہ کی پلٹنوں اور ۳۶ توپوں کے ساتھ براہ بامیاں اسحاق کے مقابلہ پر روانہ کیا۔

دوسری جانب سردار عبداللہ خان ٹوخی جو اسوقت کتغان اور بدخشان کا گورنر تھا (اب امیر کا پرسنل اسسٹنٹ ہے) مشرق سے بلخ کی طرف روانہ ہوا۔ ۷ ارستمبر جنرل غلام حیدر خاں کی فوج مقام ایبک میں پہنچی اور اسی مہینہ کی ۲۲ تاریخ کو سردار عبداللہ خاں کی فوج بھی جنرل غلام حیدر خاں کی فوج سے مل گئی۔ ۹ ۲ستمبر غزنی گاک کی گھائی پر جو تشکر غان کی جانب جنوب ۳ میل پر واقع ہے لڑائی ہوئی۔ لڑائی نہایت سخت تھی اسحاق خاں کے پاس بیس ہزار سے چونتیس ہزار تک فوج تھی اور وہ اور اس کا بیٹا سردار اسمعیل اس فوج کی خود کمان کر رہے تھے اور نہایت سرگرمی سے کوششیں کی جارہی تھیں کیونکہ انہوں نے سمجھ رکھا تھا کہ یہ لڑائی طرفین کی قسمت کا آخری فیصلہ ہے۔ علاوہ ازیں ناظرین سوانح عمری کو پچھلے بابوں کے پڑھنے سے معلوم ہوگیا ہے کہ سوائے سردار عبداللہ خاں کے میرا کوئی بھروسہ کا دوست نہیں تھا اور نہ سوائے جنرل غلام حیدر خاں کے کوئی تجربہ کار افسر۔ صرف یہ لوگ ایسے تھے جن کا مغلوب کرنا کچھ آسان بات تھی۔ محمد اسحاق اپنے باپ کی طرح سے نہایت ڈرپوک تھا لیکن اس کے فوجی افسر منتخب تھے جن کو میں نے اس غرض سے کہ اگر روس سے لڑنے کا موقع ہو تو اچھی طرح کام دے سکیں۔ اسحاق کے پاس بھیجدیا تھا جنرل محمد حسین خاں اور کرنل فضل الدین خاں اور دیگر افسر انہیں چیدہ افسروں میں تھے جن کو میں نے انتخاب کرکے بھیجا تھا اور اس وقت وہ میرے مقابلہ پر اپنی فوجی قابلیت دکھا رہے تھے۔

صبح سے رات گئے تک لڑائی بڑے زور شور سے ہوتی رہی اور طرفین کے سپاہی بڑی بے جگری سے لڑا کئے مقتولین اور زخمیوں کی تعداد بیشمار تھی۔ دوسرے دن لڑائی پھر اسی جوش وخروش سے ہوئی اور آخر کار میری فوج کے ایک کالم کو جو سردار احمد خاں۔ جنرل وکیل خاں اور کمانڈر محمد حسین اور عبدالحکیم کی ماتحتی میں لڑ رہا تھا محمد اسحاق کی فوج سے جو محمد حسین سکنہ ہزارا کی ماتحتی میں تھی بڑی بھاری شکست ہوئی دوسری طرف جبکہ غلام حیدر خاں اور دشمن کی فوج سے ایک خطرناک لڑائی ہو رہی تھی بعض نمک حرام سپاہی محمد حسین کی فوج سے جاملے اور محمد اسحاق کے سامنے پیش ہونے کی غرض سے اس پہاڑی پر جہاں وہ بیٹھا ہوا لڑائی کا تماشا دیکھ رہا تھا چڑھ گئے۔ محمد اسحاق نے ان آدمیوں کو آتے ہوئے دیکھ کے یہ سمجھا کہ میری فوج کو شکست ہوگئی اور یہ لوگ مجھے پکڑنے کو آرہے ہیں فوراً بھاگ گیا۔ محمد اسحاق کی فوج آفتاب غروب ہونے کے بعد تک اسی جوش کے ساتھ جنرل غلام حیدر خاں سے لڑتی رہی۔ اور یہ فوج بیجگری سے لڑ رہی تھی۔ ادہر محمد اسحاق سے جس قدر جلد ممکن ہوسکا بھاگ کے بچنے کی کوشش میں سرگرم رہا جب فوج

نے یہ سنا کہ اُس کا سردار بھاگ گیا فوج کا جی چھوٹ گیا۔ اور بالآخر ۹ ۲ ر ستمبر جنرل غلام حیدر خاں کو اسحاق کی فوج پر پوری فتح حاصل ہوئی۔

جس طرح محمد اسحاق بھاگنے کے کام میں مشغول تھا ایسی ہی میری وہ فوج جس نے محمد حسین کے کام سے شکست پائی تھی۔ بھاگوں بھاگ کابل پہنچی بہت لوگ خوف کے مارے راستہ ہی میں سے اپنے گھروں میں جا چھپے۔ فراریوں کی اس جماعت نے تمام ملک میں مشہور کر دیا کہ جنرل غلام حیدر خاں قتل ہو گیا۔ تمام فوج کاٹ ڈالی گئی اور اب امیر کی سلطنت باقی نہیں رہ سکتی۔ میں اس خبر سے اس طرح پریشان نہیں ہوا جس طرح شیر علی خاں اور چچا اعظیم پریشان ہو جاتے تھے اور فوج کے شکست پاتے ہی بھاگ جاتے تھے میں نے نہایت صبر کے ساتھ اپنی آئندہ قسمت کا انتظار کیا۔ اس کے دوسرے دن جب یہ ہاری ہوئی فوج کابل پہنچی یہ خبر ملی کہ جنرل غلام حیدر خاں کو لڑائی میں فتح ہوئی اور دشمن کی تمام فوج پریشان ہو گئی اس واقعہ نے ثابت کر دیا کہ فتح اور شکست خدا کے ہاتھ میں ہے۔ میری فوج نے ابتدا میں شکست پائی۔ محمد اسحاق کے پاس فوج کی تعداد زیادہ تھی مگر اس پر بھی چونکہ خدا کو مجھے امیر رکھنا منظور تھا دشمن کی فوج نے بُری طرح زک پائی۔

اسحاق کے چند وفادار افسروں نے اسے بھی یہ مژدہ سنایا تھا کہ اس کی فوج نے فتح پائی مگر اس نے باور نہیں کیا اور ان افسروں کو یہ کہہ کے قتل کرا دیا کہ تم دھوکا دے کے مجھے پکڑوانا چاہتے ہو۔

غلام حیدر خاں کی اس فتحیابی کے انعام میں میں نے دوسرا امتیازی نشان اُسے عطا فرمایا اور ترکستان کے کمانڈر انچیف کے عہدہ پر ترقی عطا کی۔ جس عہدہ پر وہ اب تک مامور ہے۔

اسحاق کی شکست کے بعد بعض اسباب کی وجہ سے مجھے ترکستان جانا پڑا۔ میرے ترکستان جانے کی خاص وجہ یہ تھیں۔

اوّل۔ ملک کو باقاعدہ کرنے کی غرض تھی اور انتظامی معاملات مدِنظر تھے جسکو عرصہ سے اسحاق انجام دیرہا تھا

دوم۔ سلطان مراد جیسے نمک حرام افسروں کو جو اسحاق خاں کا مددگار تھا وہاں سے علیحدہ کرنا منظور تھا تاکہ آئندہ کسی شرارت اور مشکلات کا سامنا نہ ہو۔

سوم۔ مجھے اس بات کی اطلاع مل چکی تھی کہ ایک پڑوسی سلطنت ملک دبانے کے فکر میں ہے اور اسی کے اشتعال سے اسحاق نے بغاوت کی تھی۔

چہارم - مجھ سے یہ بیان کیا گیا تھا کہ بعض افسر جو ترکستان میں رہ گئے تھے اور اسحاق کے شریک نہیں ہوئے تھے حقیقت میں اُن کا لڑائی میں شامل نہ ہونا وفاداری کے لحاظ سے نہ تھا بلکہ اگر محمد اسحاق ڈرپوک نہ ہوتا تو ضرور شامل ہو جاتے ۔

اس معاملہ میں جہاں تک میں نے تحقیقات کی یہ خبر بالکل غلط نکلی - علاوہ ازیں میرا ایک قلعہ کی بنیاد ڈالنے کی غرض سے ہرات جانیکا ارادہ تھا جس سے روس کے حملہ کی کافی روک ہو جاتی مگر افسوس ہے کہ اس کام میں بوجہ روپیہ نہ ہونے کے ناکامیابی ہوئی - مجھے امید تھی کہ گورنمنٹ اس کام میں مجھے مدد دیگی - مگر چونکہ اس کا کوئی انتظام نہ ہو سکا میں نے ملک کی آمدنی سے جو کچھ بچا اس کام میں صرف کر دیا - اور ایک جدید قلعہ دیہہ وادی میں جو مزار شریف کے قریب ہے بنا دیا - یہ قلعہ میری سلطنت میں سب سے زیادہ مضبوط اور بڑا ہے - یہ قلعہ ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے اور گھاٹیوں سے محفوظ ہے جہاں سے ایک خاص راستہ روسی سرحد کو ہے جو بلخ (پایۂ تخت ترکستان) سے جاتی ہے - میں کابل میں اپنے لڑکے حبیب اللہ خان کو چھوڑ کے ۱۸۸۸ء کے موسم بہار میں مزار شریف روانہ ہوا - اور جولائی تک وہاں رہا اسی زمانہ میں میرے وفادار ملازم جنرل امیر احمد خاں کا جو ہندوستان کی سفارت پر مقرر تھا - انتقال ہو گیا اور اس کے انتقال کی خبر مجھے لارڈ لینسڈون سے ملی جو بجائے لارڈ ڈفرن وایسرائے ہند ہو کے تشریف لائے تھے - وایسرائے نے انتقال کی اطلاع دیتے ہوئے مجھے اپنی بیش قیمت رائے سے مشکور کیا اور لکھا کہ افغان کے اندرونی معاملات کی خاص نگرانی ہونی چاہئے میں نے جن وجوہات سے وایسرائے کی رائے پر عمل در آمد نہیں کیا اُن کا بیان آئندہ کسی خاص موقع پر کیا جائیگا -

سلطان مراد ترکستان سے میرے آنے کی خبر سُن کے بھاگ گیا اور اب وہ روسی ترکستان میں رہتا ہے جس زمانہ میں میں مزار شریف میں موجود تھا بدخشاں کے لوگوں نے بھی سرکشی اختیار کرنی شروع کر دی تھی مگر میں نے کافی سزائیں دیں - جس کے بعد انہوں کسی قسم کی سرکشی نہیں کی -

میرے ترکستان کے زمانہ قیام میں ایک واقعہ اور درپیش آیا کہ ماہ دسمبر ۱۸۸۸ء جب میں بمقام مزار شریف اپنی فوج کا ملاحظہ کر رہا تھا ایک سپاہی نے مجھے گولی ماری - میں بال بال بچ گیا ورنہ اُس دن تو خاتمہ ہی ہو جاتا - جس قدر مجھے اپنے بچنے کا تعجب ہے اسی طرح اُن تمام آدمیوں کو تعجب ہوا جو وہاں پر موجود تھے کیونکہ سپاہی نے تاک کے گولی ماری تھی مگر خدا کی قدرت کہ گولی اُس کرسی ۔

میں بیٹھا تھا اس کے بالکل بیچ میں ہو کے نکل گئی اور بجائے اس کے کہ میں اس گولی کا نشانہ ہوتا ایک دوسرا شخص جو میرے پیچھے کھڑا تھا نشانہ بن گیا۔ میں نے اس کرسی کو اب تک اس واقعہ کی عجیب یادگار میں محفوظ رکھ چھوڑا ہے۔ یہ خیال کہ کرسی بڑی ہو گی اور اس وجہ سے گولی نے خطا کی بہت ہی ناواجب خیال ہو گا کیونکہ جیسا میں تنومند آدمی تھا ایسی کرسی بہی لمبی چوڑی تہی۔ مگر وہ اتنی ہی بڑی تہی جس پر مجھ جیسا شخص اچھی طرح بیٹھ سکتا تھا۔ سوائے خدا کے کوئی دوسرا بچانے والا نہیں۔ قرآن مجید کی اس آیت کا مضمون کہ موت کا خاص وقت مقرر ہے جس سے ایک لحظہ کم و بیش نہیں ہو سکتا بالکل ٹھیک ہے علاوہ اس کے چند اسباب اور بہی تہے جن کی وجہ سے میں بچگیا۔ ان اسباب پر مجھے پورا پورا یقین ہے اور جس یقین کا ثبوت ذیل کے واقعہ سے بہت اچھی طرح ہوتا ہے۔

بچپن میں یہ سنا تھا کہ بعض بزرگوں کے پاس ایسے تعویذ ہیں کہ جس کے پاس وہ ہوتے ہیں اُن پر کسی قسم کا حربہ اثر نہیں کرتا۔ مجھے اس بات پر یقین نہیں آیا اور خیال کیا کہ پرچہ کاغذ میں یہ اثر کس طرح ہو سکتا ہے آزمایش کے طور پر میں نے ایک بکری کے گلے میں وہ تعویذ باندہ دیا اور اُس پر گولی چلائی۔

میں نے بہتیری کوشش کی کہ گولی بکری کے لگے مگر ہر دفعہ گولی نے خطا کی اور بکری کو آنچ تک نہ آئی۔ اس واقعہ عملیات پر میرا پورا اعتقاد جم گیا۔ اور بچپن سے وہ تعویذ میرے بازوئے راست پر بندہا تھا اور اس وقت بہی وہی تعویذ تھا جس سے میں بچگیا ورنہ اس گولی سے ہرگز نہ بچ سکتا تھا۔ میرا اس تعویذ پر یہاں تک اعتقاد ہے کہ گولی اگر میرے جسم کے اندر سے بہی ہو کے گزر جاتی تو بہی مجھے اس گولی سے کوئی نقصان نہ پہنچتا۔

افسوس ہے کہ سپاہی کی جرأت کا سبب نہ معلوم ہوا کیونکہ میرے جنرل نے جو اس سپاہی کے قریب ہی تھا میرے منع کرتے کرتے اپنی تلوار سے اُس سپاہی کو ہلاک کر دیا۔ مجھے کامل یقین ہے کہ سپاہی کی اس جرأت کا سبب کسی خاص اور زبردست دشمن کی سازش تہی۔

دوسرا واقعہ جو میرے زمانہ قیام ترکستان میں ہوا یہ تھا کہ ۱۵ ستمبر ۱۸۶۹ء کو میری دو بیویوں سے لڑکے پیدا ہوئے ایک ۱۵ ستمبر کو اور دوسرا اکتوبر کے مہینہ میں۔ پہلے لڑکے کا نام حضرت عمرؓ خلیفہ دوم کے نام پر محمد عمر رکھا گیا اور دوسرے کا نام حضرت علی کرم اللہ وجہ خلیفہ چہارم کے نام پر غلام علی رکھا۔ غلام علی آجکل ترکستان میں ہے جسے میرے آدمی بہت ہی عزیز رکھتے ہیں اور اُسے میری عدم موجودگی

میں مثل میرے اپنا بادشاہ سمجھتے ہیں۔ محمد عمر غلام علی سے بھی ہوشیار ہے اور وہ کابل میں رہتا ہے اور اکثر اپنے بڑے بھائی حبیب اللہ کے دربار میں دوسرے بھائیوں کے ساتھ شریک ہوتا رہتا ہے اور دربار میں وہی آداب و قواعد ملحوظ رکھے جاتے ہیں جو میرے دربار میں ہونے چاہئیں۔

میں ترکستان سے ۲۴ رجولائی کو کابل واپس آیا۔ کابل سے میری عدم موجودگی میں جملہ انتظام حبیب اللہ خان کے سپرد تھا اس نے اس خوبی عقلمندی اور میری مرضی کے موافق ملک پر حکمرانی کی کہ میں بہت ہی خوش ہوا اور میں نے خاص طور سے انتظام سلطنت اس کے سپرد کر دیا اور قندھار اور ہزارا کی بغاوت فرو کرنے کے واسطے اسے حکم دیا۔ حبیب اللہ خاں نے اس موقع پر اپنی بہادری کا پورا پورا ثبوت دیا۔ کہ وہ سپاہیوں میں تن تنہا چلا گیا اور ان کو یقین دلایا کہ ان پر ہر طرح اطمینان ہے اور وعدہ کیا کہ ان کی ہر ایک شکایت سنی جائے گی اور انصاف کیا جائے گا۔ ان تدابیر سے حبیب اللہ خاں نے بلا کسی فوجی امداد کے اس غدر کو فرو کر دیا۔ اسی طرح اس نے بغاوت کے دو اور موقعوں پر جو مقام حاجی اور شنگل پیدا ہوئی تھی اپنی انتظامی قابلیت سے کام لیکے بغاوت کو فرو کر دیا۔ اس وقت سے میں نے اس کو عام دربار کرنے کا اختیار دیدیا اور میں نے صرف سرحدی معاملات اور اندرونی خاص خاص کام اپنے ہاتھ میں رکھے اور باقی کل کاروبار سلطنت حبیب اللہ خاں کے سپرد کر دیا۔

(جنگ[1] ہزارا)

اُن چار ملکی لڑائیوں میں سے جو میرے زمانہ حکومت میں ہوئیں یہ آخری لڑائی تھی جس نے نہ صرف میرے روپیہ اور فوج کا ہی نقصان کیا بلکہ یہ لڑائی ملک کے لئے مخل امن ہوئی۔

[1] ہزارا کے لوگ صدیوں سے کابل کے بادشاہوں کے واسطے خطرناک ثابت ہو رہے تھے۔ یہانتک کہ نادر جیسا بادشاہ جس نے افغانستان۔ ہندوستان اور ایران کو فتح کیا وہ بھی ہزارا کے آدمیوں کو مطیع نہ کر سکا۔ ہزارا کے لوگ شمال جنوب اور افغانستان کے مغربی صوبہ جات کو تاخت و تاراج کرتے رہتے تھے اور ملک میں صرف اس وقت تک امن رہتا تھا جب یہ لوگ اپنی لوٹ مار کو ختم کر دیتے تھے۔ جو سلطنت افغانستان پر حملہ کرے سب سے پہلے ہزارا کے لوگ اس کو مدد دینے پر تیار ہو جاتے تھے کیونکہ وہ افغانیوں کو کافر سمجھتے ہیں۔ ہزارا کے باشندے شیعی مذہب رکھتے ہیں اور تمام لوگ جو افغانستان میں رہتے ہیں وہ سُنی المذہب ہیں۔ ہزارا کے لوگوں کی بابر بادشاہ جو سولہویں صدی میں سلطنت مغلیہ کا ایک عظیم الشان بادشاہ گزرا ہے (بقیہ حاشیہ دیکھو صفحہ ۲۱۶)

ہزارا کے لوگوں کے حال سے ناظرین کو مطلع کرنے کی غرض سے اس موقع پر کچھہ انکا حال لکھے دیتا ہوں
یہ لوگ افغانی علاقہ کے درمیان جگہ جگہ منتشر ہیں۔ گھاٹیوں اور پہاڑیوں کی چوٹیوں پر رہتے ہیں جس کا
سلسلہ کابل سے غزنی۔ قلات۔ غلزی اور ہرات اور بلخ تک پھیلا ہوا ہے۔ علاوہ اس کثرت آبادی
کے جو ملک کے درمیان میں واقع ہے اور جس کا قیام نہایت زبردست مقام پر ہے ہزارا کے لوگ ملک
کے ہر قصبہ اور گاؤں میں موجود ہیں۔

افغانستان میں ان لوگوں کے واسطے یہ بات مشہور ہے کہ وہ مثل گدھے کے محنتی ہیں اور وہ اپنا
ہر ایک کام خود کرتے ہیں۔

ہزارا کے آدمی مخلوط النسل ہیں۔ جو منگولیوں کے فوجی آدمیوں کی نسل سے ہیں۔ سولہ صدی میں ابو الفضل
ان لوگوں کے متعلق یہ لکھتا ہے۔ کہ وہ میراں خاں چنگیز خاں کے پوتے کی بقیہ فوج کے آدمی ہیں۔

افغانیوں کا عام اعتقاد یہ ہے کہ ہندوستان کے مغربی حملہ آوروں کا یہ دستور تھا کہ اپنے آدمیوں کو
ہندوستان کے راہوں پر رکھتے تھے اور وہاں اُن کے رہنے کو مکان اور سواری کو گھوڑا اپنی طرف
سے دیتے تھے تاکہ ملک غنیم کی دستبرد سے محفوظ رہے اور یہی سبب ہے کہ منگولیوں نے ہزارا کو
افغانستان کے اس سرے سے اُس سرے تک بسا دیا جو مشرق سے مغرب تک پھیلے ہوئے ہیں۔
جس طرح وہ لوگ جو اب کافر کہلاتے ہیں سکندر اعظم کے بسائے ہوئے ہیں اور یہ لوگ سب شیعہ ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۵۔ خود لکھتا ہے کہ میں کبھی ان لوگوں سے کھلے میدان میں جنگ نہ کر سکا۔ میں اس جگہ
بابر کے وہ الفاظ جو اس نے تحریر کئے ہیں بجنسہ تحریر کئے دیتا ہوں۔

"میں نے ہزارا کے لوگوں سے اس حکمت سے میدان لیا کہ رات کے وقت ان پر چھاپا مار کے مقام مرخ پر
قبضہ کر لیا اور صبح کو بعد از نماز اُن پر حملہ کر دیا اور اس طرح اُن کو اپنے خواہش کے موافق سزا دی"

"سلطان بابر لکھتے ہیں کہ ہزارا کے لوگ لوٹ مار کے عادی ہیں کوئی قافلہ جب تک اس کے ساتھ ایک
زبردست گارڈ نہ ہو۔ سفر نہیں کر سکتا"

حاشیہ صفحہ ۲۱۶۔ ۵ تمام سخت اور مشکل سے مشکل کام ہزارا کے محنتی لوگ کرتے ہیں اور مشکل سے کوئی گھر ہوگا
جس میں ہزارا کا آدمی بہ حیثیت ایک ملازم۔ غلام یا سائیس کے موجود نہ ہو۔

ناظرین سوانح عمری کو ہزارا کے لوگوں کی اصلیت معلوم ہوگئی کہ وہ کون لوگ ہیں اور کس قدر بہادر اور کس چال چلن کے ہیں لہذا اب میں اس لڑائی کے اسباب بیان کرتا ہوں۔ اگرچہ یہ لوگ راستوں کو لوٹتے اور مسافروں کو مار ڈالتے تھے لیکن صرف یہی وجہ کافی نہ تھی جس سے اُن کی سرکوبی کیواسطے تیاری کی جاتی علاوہ ازیں اُن کے بعض سردار میرے دوست تھے جن کے ساتھ مجھے بھی دوستانہ برتاؤ کرنا لازم تھا مگر ۱۸۸۸ء میں جبکہ میں ترکستان کی پیچیدگیوں میں مبتلا تھا۔ مزار شریف کو براہ ترکستان سفر کر رہا تھا کہ ہزارا کے ایک جرگہ نے شیخ علی کو جو مابین شمال و مغرب میں رہتا تھا میرے مقابلہ پر آمادہ کیا جس نے میرے سپاہیوں سے چارہ اور خوراک خریدنے کی مزاحمت کی۔

مجھے اس مزاحمت سے سفر میں نہایت تکلیف ہوئی۔ جب میں ۱۸۹۰ء میں پھر کابل واپس آیا میں نے سردار قدس خاں کو بامین کا گورنر مقرر کیا اور اُسے ہدایت کر دی کہ وہ ہزارا کے سرداروں کو بلا کے اُن کی خاطر و مدارات کرتا رہے اور اُن کو خلعت اور انعامات سے سرفراز کرے جس سے وہ صلح اور راستی پسند ہو جائیں ایک اور مشکل یہ پیش آئی کہ ہزارا کے شیخ علی کا فرقہ میر حسین اور بعض دیگر سرداروں کے مشورہ سے مسلح ہو کے کاروانوں کو لوٹا کرتا تھا۔ اب انہوں نے میرے ایک افغانی دستہ فوج پر بھی حملہ کر دیا۔ اس لئے میں نے ان کے مقابلہ پر فوج بھیجی جس فوج سے وہ مغلوب ہوئے بعض بھاگ گئے بعض نے اطاعت قبول کر لی اور بہت سے قید ہو کے کابل لائے گئے۔ میں نے قیدیوں سے بہت اچھا برتاؤ کیا انہیں صلح پسند رعایا بنے رہنے کی قسمیں لیکے رہا کر دیا۔

۱۸۹۱ء کے موسم بہار میں ہزارا کے چند جرگوں نے پھر قافلوں کو لوٹنا شروع کر دیا جس پر میرے فوجی افسروں نے اُن کے پاس یہ لکھ کے بھیجا کہ ہمارے چاروں طرف غیر سلطنتیں آباد ہیں وہ جب لوٹ مار کی خبر سنینگے تو اُنہیں سلطنت کی کمزوری کا گمان پیدا ہوگا اور خیال کرینگے کہ افغانی رعا صلح پسند نہیں ہے اور یہ بات ہماری نیکنامی پر دھبہ لگانے والی ہے۔ تم کو چاہئے کہ ایسی حرکات سے باز آجاؤ اپنی سلطنت کی عزت کرو اور صلح پسندی اختیار کرو جس سے افغانی رعایا غیر سلطنتوں کی نظروں میں حقیر نہ ہو۔

ہزارا کے لوگ تین سو برس سے لوٹ مار کر رہے تھے اور کسی بادشاہ کو اُن پر کامیابی نہ ہوئی تھی اس وجہ سے وہ اپنے کو نہایت طاقتور سمجھتے تھے اور اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ جب ان کو میرے فوجی افسروں کا یہ مراسلہ پہنچا۔ انہوں نے دو تین درجن سرداروں کی مُہر کرا کے یہ جواب لکھا۔

"اگر تم افغانی اپنے دنیاوی امیر پر مغرور ہو تو ہم اپنے امیر مالک ذوالفقار پر نازاں ہیں۔ ہمیں تمہاری نہ کچھ پروا ہے نہ خوف" اس خط سے ان کا یہ مطلب تھا کہ شیعی جو علی کو بعد از خدا سمجھتے ہیں مجھ سے زبردست ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ حضرت علی ہمارے روحانی پیشوا اور اصحاب رسول مقبول سے ہیں۔ اُن کی روحانی مدد کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کرسکتی لیکن حضرت علی کی مدد ایسے مفسدہ پردازوں اور شریر النفس لوگوں کے لئے نہیں ہے۔ خط میں ہزارا کے لوگوں نے یہ بھی لکھا تھا "اوتم افغانی فوجی افسر صرف چار سلطنتوں کو ٹروسی سلطنت کیوں تحریر کرتے ہو۔ کیوں پانچ سلطنتیں نہیں خیال کرتے ہیں پانچوں سلطنتوں میں ہماری سلطنت بھی شامل ہے ہم تمہارے فائدے کے لئے تمکو اطلاع دیتے ہیں کہ تم لوگ ہمارے مزاحم نہ ہو۔

اس خط کے پہنچنے پر میں نے سردار عبدالقدس خاں کو بامیان سے جنرل شیر محمد خاں کو کابل سے اور برگیڈیر زبردست خاں کو ہرات سے معہ فوج ۱۸۹۱ء کے موسم بہار میں ہزارا کے باشندوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ ان تینوں افسروں اور فوجوں کی کمان پر سردار قدس خاں کو مقرر کیا۔ ہزارا کے باشندوں پر قبضہ پانا بوجہ دشوار گزار پہاڑی راستوں کے نہایت ہی مشکل تھا۔ لیکن قدس خاں نے نہایت بہادری سے جنگ کی اور دشمن کو پس پا کر کے شہر اورزغان پر جو ہزارا کے لوگوں کا صدر مقام تھا قبضہ کرلیا۔ اس شکست کے بعد بہت سے سردار میرے مطیع ہو گئے۔ جن کو سردار قدس خاں نے میرے پاس بھیجدیا۔ میں نے اُن سرداروں کی جو قریب ایک سو کے تھے نہایت خاطر کی کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ صدیوں سے خود مختار ہیں اور ان کو رام کرنا سوائے نیک سلوک کے اور کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ میں نے بڑی بیش قیمت خلعتیں اُنہیں معہ ہزار دو دو ہزار نقد روپیہ کے عطا کیں۔ جن کو انہوں نے اس نقصان کا جو ان کے سرداروں کو لڑائی کی شرکت میں ہوا تھا۔ پورا معاوضہ سمجھ لیا۔ میں نے ان کو خلعت اور انعام دیکر اُن کے گھروں کو واپس بھیجدیا۔

جاڑے بھر ہزارا کے لوگ بالکل خاموش رہے لیکن ۱۸۹۲ء کے موسم بہار میں انہوں نے ایک سخت غدر مچادیا۔ جس کا سبب یہ ہوا کہ محمد عظیم خاں جس کو میں نے سردار کا خطاب عطا کیا تھا اور میں شاہی خاندان کی طرح اس کی عزت کرتا تھا اور ہزارا کا وایسرائے بنا رکھا تھا۔ دغابازی سے ہزارا کے مفسدہ پردازوں سے مل گیا جس سے ہزارا کے سرداروں کو ایک بہت بھاری قوت ہو گئی۔

اس مشہور افسر نے جس کو میں نے مقرر کیا تھا ہزارا کے عام باشندوں میں ایک نہایت جوش پھیلا دیا۔ اور ہر طرف سے جوق جوق ہزارا کے لوگ میرے مقابلہ کے لئے تیار ہوگئے اور یہ ہنگامہ یا غدر پہلے سے بھی اہم ہوگیا۔

دوسرا نمک حرام شخص جس کا نام قاضی اصغر تھا اور جسے میں نے ہزارا کا قاضی بنا رکھا تھا اس غدر میں عظیم کا شریک ہوگیا اور ان سب نے ملکے کابل۔ قندہار اور دوسرے ملکوں میں میری فوجی نقل و حرکت کا راستہ بند کر دیا۔ میں نے جنرل میر عطا خاں کو جو اس موقع پر کابل میں موجود تھا ۸۰۰۰ آدمیوں کے ساتھ غزنی کی جانب سے ان باغیوں پر حملہ آور ہونے کیلئے روانہ کیا اور محمد حسین سردار ہزارا کو جو میرا پرسنل اسسٹنٹ تھا معہ اسکی فوج کے سردار عظیم کے مقابلہ پر بھیجدیا۔ باغی لوگوں کو اس فوج نے پس پا کر دیا اور عظیم معہ اپنے خاندان کے قید ہو کے میرے پاس لایا گیا۔ جہاں وہ قید میں ہی مرگیا۔

محمد حسین سکنہ ہزارا جب اس فتح سے لوٹ کے آیا میں نے اس پر نہایت درجہ کی مہربانیاں کیں اور امتیازی نشان عطا فرمایا اور کلاہ شہزادگی مرحمت فرما کے خضراجات کا گورنر مقرر کر دیا۔ اور سردار عبدالقدس کو جو نہایت بیمار ہو رہا تھا اپنے پاس بلا لیا اور شاہی حکیم کو اس کا معالج مقرر کر دیا۔

بدبخت محمد حسین نے جس پر ایسی عنایتیں کی گئی تھیں اور جس نے خضراجات کی لڑائی میں کارنمایاں دکھایا تھا۔ ہزارا کے ان لوگوں کو جو پچھلی لڑائی کے بعد مطیع ہوگئے تھے بھڑکانا شروع کیا۔ اس نے بہودا اور سرکھ سانگ کے ہزاریوں کو بھی جو غزنی کے شمال و مغرب میں رہتے تھے بغاوت پر آمادہ کر دیا۔ اور انہوں نے تمام سرکاری سیگزینوں کو جہاں اُن کا دست رس ہوا غارت کر دیا۔

بغاوت کی یہ آگ ایسی پھیلی کہ تمام ہزاریوں کے جرگے اور نیز وہ لوگ جو میرے پاس کام کرتے تھے اور اپنا اعتبار بڑھا رکھا تھا اور ہزاری جو میری قید میں تھے۔ بھاگ بھاگ کے باغیوں سے جا ملے۔ دیہہ خانخر اور ہزارا کے دوسرے گاؤں کے باشندے دشمن سے جا ملے یہاں تک کہ اکثر افغانی رعایا بھی دشمنوں سے مل گئی اور سلطنت میں ایک عام بغاوت پھیل جانے کا اندیشہ غالب ہوگیا۔

یہ وقت عجیب انتشار کا تھا۔ ایک طرف باغیوں کی بغاوتیں روز مرّہ زیادتی پر ہو رہی تھیں دوسری طرف گورنمنٹ ہند لارڈ رابرٹ کی ماتحتی میں کثیر تعداد فوج کی ایک مشن افغانستان میں بھیجنے کیواسطے زور دے رہی تھی۔ جس کی غرض یہ تھی کہ باغیوں کی سرکوبی کرنے کے بعد ملک پر قبضہ کر لیا جائے۔ علاوہ ازیں

ایک اور مصیبت یہ تھی کہ میمنہ میں عمر خاں سکنہ باجور نے آفت برپا کر رکھی تھی وہ فوجوں کو میرے خلاف بھڑکا رہا تھا۔ اور وہیں آ سے گورنمنٹ ہند کی حمایت کی وجہ سے کوئی سزا نہ دے سکتا تھا۔

ان وجوہات سے میں نے مجبوراً اس عام بغاوت کے فرو کرنے کو ممکن الوقوع کوششیں کیں۔ میں نے غلام حیدر خاں کو حکم بھیجا کہ جس قدر فوج ہو سکے اُسے لیکے ترکستان سے روانہ ہو جائے۔ یہ فوج ہزاریوں کے مقابلہ کے لئے شمال و مغرب کی جانب سے روانہ ہوئی اور ایک دوسری فوج کو میں نے ہرات سے قاضی سعید الدین گورنر ہرات کی ماتحتی میں عقب سے روانہ کر دیا۔ میں نے سردار عبد اللہ خاں کو قندہار سے اور بریگیڈیر امیر محمد خاں سکنہ ناغب کو کابل سے جنوب کی طرف روانہ کیا۔ اس طریقہ سے میں نے یہ انتظام کر لیا کہ باغیوں پر ہر چہار جانب سے حملہ کیا جائے۔

افغانی سرداروں نے مجھے عرضیاں دی تھیں اور درخواست کی تھی کہ ہمیں اپنے خرچ سے فوج بھرتی کرنے کا حکم مل جائے تاکہ ہم ہزاریوں کے مقابلہ پر فوج تیار کر لیں۔ اُن کی درخواستوں کو قبل از وقت ہونے کی وجہ سے نامنظور کر دیا تھا مگر اب میں نے عام حکم جاری کر دیا کہ ہر شخص باغیوں کی سرکوبی میں امداد دے۔ اس حکم کے نافذ ہوتے ہی قریب ۴۰۰۰۰ ہزار والنٹر اور چالیس ہزار جنگجو آدمی ہزارا اور دوسرے ملکوں سے اپنے سرداروں کی ماتحتی میں باغیوں سے لڑنے کو تیار ہو گئے مگر قبل اس کے کہ یہ والنٹر اور ملکی فوج لڑائی میں بھیجی جائے باغیوں کو کمانڈر انچیف سعید الدین خاں نے سردار عبد اللہ خاں اور بریگیڈیر محمد خاں کی فوج کا ساتھ دیکر مقام اورزغان کے قریب بالکل پس پا کر دیا۔

بریگیڈیر محمد خاں نے نہایت بہادری سے جنگ کی اور بہت سے باغیوں کو قتل کیا اور باغیوں کی بڑی فوج کو شکست دیکے محمد حسین خاں سردار ہزارا۔ رسول خاں اور ہزارا کے چند سرغنوں کو تاج خان میر ہزارا اور محمد حسین سکنہ ہزارا کو جو اپنی بہادری کی وجہ سے سنگ خورد کے نام سے مشہور تھے مع چند اور مفسدوں کے گرفتار کر لیا۔ یہ تمام شریر کابل لائے گئے۔ ملک ایسی فتنہ پردازوں سے صاف ہو گیا اور اب امن چین اور صلح کی بنیاد مستحکم ہو کے بغاوت کا خاتمہ ہو گیا۔ اب کوئی شخص ایسا نہیں تھا جو بغاوت پر لوگوں کو آمادہ کرے۔ کیونکہ خود بغاوت کرنا نہیں چاہتے تھے۔

بریگیڈیر امیر محمد خاں جب کابل واپس آیا میں نے اس کو درجہ اول کا فوجی جرنل بنا دیا۔ اور بطور افسر انچارج دار السلطنت کابل اور محافظ خاندان شاہی مقرر کیا۔ فوجی افسروں کے واسطے بمقابلہ اس کے کہ وہ

کابل سے باہر کمانڈر انچیف بنا کے بھیجدیئے جائیں یہ ایک ممتاز عہدہ خیال کیا جاتا ہے اور یہ بہادر افسر اس عہدہ کا اپنی بہادری کے صلہ میں مستحق تھا۔ تمام دیگر افسروں کو بھی جو اس لڑائی میں شریک تھے حسب حیثیت انعامات عطا کئے گئے۔ بعض ہزاریوں نے اپنے شہروں میں پھر آباد ہونے کی التجا کی مگر میں نے بمصداق "آتش کشتن واخگر اوگزاشتن کار خردمندان نیست" انکی اس درخواست کو نامنظور کیا۔ اس لڑائی کے بعد یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملکی لڑائیوں میں یہ لڑائی سب سے آخری لڑائی تھی کیونکہ اب مجھے اس بات کا پورا بھروسہ ہے کہ میری حکمت عملی نے امن کے خیالات عام کر دیئے ہیں اور کسی طرح ملک کے اندر فساد ہونے کی امید نہیں ہو سکتی۔

افغانی رعایا کو صلح سے رہنے اور بغاوت کرنے کے پورے نتائج معلوم ہو گئے ہیں اور میں نہایت وثوق سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ میری رعایا جس طرح اب صلح پسند ہے اسی طرح آئندہ بھی رہے گی۔

اس باب میں شنواریوں یا اور ڈاکوؤں سے جو جھگڑے ہوئے ان کے بیان کرنے سے طول ہوگا اس لئے کہ وہ کوئی خاص مہم نہ تھی۔ تاہم میں اس مقام پر دو یا تین جھگڑے جو میرے فوجی افسروں اور روسی افسروں میں ہوئے معہ پنجدہ کے جھگڑے کے بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں ۱۸۹۲ء کے موسم بہار میں کرنل یونف جس نے اگست ۱۸۹۱ء میں کپٹن ہینگ ہسبینڈ کو گرفتار کیا تھا شغنان کی طرف بڑھا۔ اور جولائی میں افغانی دستہ فوج کے قریب جو شمس الدین خاں کی ماتحتی میں کام کر رہا تھا بمقام سوماٹش خیمہ زن ہوا۔ اور شمس الدین کو کہلا بھیجا کہ یہ جگہ ہمارے لئے خالی کر دو۔ شمس الدین نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ میں امیر کا ملازم ہوں اور میں سوائے اپنے امیر کے روسی افسر کے حکم کی تعمیل نہیں کر سکتا۔ روسی کرنل نے اس جواب کے سنتے ہی میرے فوجی افسر شمس الدین کے ایک گھونسا مارا۔ افغانی جو اپنی فطری بہادری کے مقابلہ میں اس توہین کو کبھی گوارا نہیں کریں گے۔ شمس الدین نے روسی کرنل پر گولی چلائی مگر اتفاق سے گولی نے خطا کی اور کرنل کے ذرا سی لگتی ہوئی ایک دوسرے سپاہی کے جو کرنل کے قریب کھڑا ہوا تھا جا لگی۔ اس گولی کا لگنا تھا کہ لڑائی ٹھن گئی اور افغانی صرف دس یا بارہ کی تعداد اُدھر روسی کرنل کے پاس معقول فوج بیچارے افغانی کیا کر سکتے تھے مگر تو بھی افغانیوں نے میدان کو نہ چھوڑا اور یہ قلیل تعداد افغانیوں کی معہ کپتان شمس الدین اسی مقام پر بڑی بہادری سے لڑ بھڑ کے مر گئے۔

حالانکہ روسیوں کی جانب سے ایسی زیادتی کی گئی مگر گورنمنٹ ہند نے جو از روئے معاہدہ ہمیں مدد دینے

کے پابند تھے کوئی دخل نہیں دیا۔ میں اس وجہ سے نہیں بولا کہ از روئے عہد نامہ مجھے روسیوں کے
مقابلہ براہ راست معاملہ کرنے کا اختیار نہیں تھا اور یہ مقام بھی پنجدہ کی طرح جس کا بیان پہلے ہو چکا
ہے افغانی قبضہ سے نکل گیا۔
جس زمانہ میں ہزاریوں سے جنگ ہو رہی تھی۔ ایک روسی سپاہ سالار نے براہ راست افغانی سرحدوں
کی طرف بڑھنا شروع کیا تھا جو خلاف معاہدہ تھا لیکن جب اس نے افغانی سرداروں کو مستعد پایا تو
وہ پیچھے ہٹ گیا۔
ستمبر ۱۸۹۳ء ایک روسی افسر نے یہ سُن کے کہ سر مارٹیمر ڈیورنڈ کی مشن کابل آرہی ہے مقام مرغاب پر
جو بدخشاں میں ایک افغانی قصبہ ہے اپنی فوج اُتار لایا اور میری فوج کو دھمکانا شروع کیا۔ میں نے
جب یہ حال سنا فوراً سر مارٹیمر ڈیورنڈ کو جو جلال آباد میں مقیم تھے اطلاع دی جنھوں نے جواب میں
تحریر کیا کہ تم اپنے جنرل کو تنبیہ کر دو کہ وہ روسی فوج سے نہ لڑے۔ معلوم ہوا ہے کہ اس کا ارادہ روسی
افسر سے جنگ کرنے کا ہو چکا ہے۔
جب میرے پاس یہ جواب پہنچا۔ میں سمجھ گیا کہ روسی افسر ایک قصبہ آج اور ایک کل اسی طرح تمام
افغانی سرحدی صوبوں کو دبا بیٹھیں گے اور کوئی ان کے مقابلہ پر میری مدد نہیں کرے گا۔ بہر نوع خوش
قسمتی سے افغانی سرداروں نے روسی افسر کو اچھا سبق دیا اور ان کو اپنی جگہ سے بڑھنے کا مزا چکھا دیا
جنرل سعید خاں جو یہاں پر تعینات تھا اس نے روسیوں کی بندوقوں کا نہایت سرگرمی کے ساتھ
جواب دیا۔ یہاں تک کہ روسی افسر مغلوب ہو کے واپس ہٹ گیا۔ اس فتحمندی نے افغانی سرحد کو
روسیوں کی آیندہ دستبرد سے نجات دلوادی۔ اور اس وقت سے آج تک روسیوں کو کبھی
ہمت نہیں ہوئی کہ کسی سرحدی ملک پر قبضہ کرنے کے ارادہ سے ایک قدم بھی آگے بڑھا سکیں۔
عہد نامہ ڈیورنڈ کے بموجب جو ۱۸۹۳ء میں ہوا جو صوبے گورنمنٹ ہند اقتدار میں شامل ہو گئے تھے
انہوں نے گورنمنٹ ہند کے مقابلہ میں سخت لڑائیاں شروع کر دیں۔ مگر خوش قسمتی سے وہ صوبے
جو میری حدود ملک میں شمار تھے ان کے باشندے میرے فرمانبردار اور صلح پسند رعایا بنے رہے۔
صرف ایک قوم کافرستان نے میرے مقابلہ پر ہتھیار اُٹھائے تھے۔
کافرستان کے ملک کو میں لڑائی کے ذریعہ سے لینا نہیں چاہتا تھا کیونکہ ڈیورنڈ کے عہد نامہ کے بموجب

یہ ملک افغانی سرحد شمار ہو چکا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ اس ملک کے باشندے میری عنایتوں اور مہربانیوں سے میرے مطیع ہو جائیں۔ اس غرض سے میں نے چند مرتبہ کافرستان کے سرداروں کو کابل بلایا اور انہیں انعام و اکرام سے مالامال کر کے واپس کر دیا۔ انعامات کی بخشش اس غرض سے تھی کہ یہ لوگ اپنے گھروں کو جا کے اپنے اپنے ساتھیوں سے میرے نیک سلوک کا ذکر کریں اور میری جانب سے عام محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو جائے۔ کافرستان کے لوگ ایسے وحشی ہیں کہ باوجود اس قدر انعامات کے جو میں نے ان کو دیئے وہ اپنے بیویوں کو مویشیوں کے بدلے میں بیچ ڈالتے تھے اور اس وجہ سے عورت اور مویشی کی قیمت کے بارہ میں اکثر اُن میں جھگڑے ہوتے رہے۔ یہ لوگ میرے عطیہ اور برخلاف میری امید کے میرے فرمانبردار نہ بنے بلکہ انہوں نے اسی روپیہ سے مجھ سے لڑنے کے واسطے رائفلیں خریدیں۔ اسی موقع پر روس پامیر پر قبضہ کر لینے کے بعد کافرستان کے چند موقعوں کے قریب آلگا اور آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ میں نے اس وقت زیادہ توقف کرنا نامناسب سمجھا اور مجھے بہ وجوہات ذیل کافرستان کے آدمیوں سے لڑنا پڑا۔

اولاً میں نے خیال کیا کہ اگر روسیوں کا قبضہ کافرستان پر ہو گیا تو وہ اس ملک کو ایک آزاد ملک قرار دیدیں گے۔ اور پھر روسیوں کے قبضہ سے کافرستان کا نکالنا ایک اہم کام ہو جائے گا۔

دوسرے چونکہ صوبہ جات پنج شیر۔ نعمان اور جلال آباد کے چند قصبوں کے باشندے عرصہ سے کافرستان کے باشندوں سے میل جول رکھتے تھے یعنی یہ خیال ہوا کہ روسی ضرور ان لوگوں کو اس بات کی ترغیب دیں گے کہ وہ افغانستان کی رعایا ہونے سے انکار کریں اور اس طرح افغانی رعایا میں بدنظمی پھیل جانے کی وجہ سے روس کو مداخلت کرنے کا پورا بہانا مل جائے گا۔

تیسرے یہ جنگجو قوم جو افغانستانی سرحد کی شمال و مغرب سے جنوب و مغرب تک پھیلی ہوئی تھی۔ سلطنت کے واسطے ایک خوفناک قبیلہ تھا اور مجھے پورا یقین تھا کہ اگر کسی وقت کسی دوسری سلطنت سے لڑائی ہو گئی تو یہ ضرور بغاوت پھیلا دیں گے۔ علاوہ ازیں تجارت کے وسیع کرنے کے واسطے ان لوگوں کا مغلوب کرنا نہایت ضروری تھا۔ کیونکہ ان لوگوں کی وجہ سے جلال آباد۔ اوسمار اور کابل کے شمالی اور شمال و مغربی راستے نہایت خطرناک حالت میں تھے۔ آخری وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ ہمیشہ اپنے پڑوسی افغانیوں سے لڑتے جھگڑتے رہتے تھے اور سینکڑوں خون طرفین سے ہوتے تھے۔ منیر خلائی کی رسم

نہایت ترقی پر تھی۔ یہ لوگ ایسے بہادر ہیں کہ ان لوگوں کے مغلوب کرنے سے میرا خیال تھا کہ بالآخر یہ میرے مطیع ہونے پر ایک بہادر فوج کا کام دیں گے۔

مفصلہ بالا وجوہات سے میں نے کافرستان کے فتح کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ اپنے ارادہ کی تکمیل کے واسطے مجھے حملہ کا طریقہ اور موسم جس میں حملہ کیا جائے سوچنا پڑا۔ اول الذکر یعنی طریقہ جنگ ایک قابل غور مسئلہ تھا۔ مگر دوسری تجویز یعنی موسم کا تعین نہایت غور طلب بات تھی۔ بعد نہایت غور و تامل کے میں نے یہ فیصلہ کیا کہ لڑائی کے واسطے موسم سرما نہایت بہتر ہوگا۔ موسم سرما ذیل کی وجوہات سے تجویز کیا گیا تھا۔

اوّلاً مجھے اچھے طور سے معلوم تھا کہ کافرستان کے لوگ میری شایستہ فوج سے کھلے میدان میں جنگ نہیں کر سکتے مگر البتہ وہ پہاڑیوں کی چوٹی سے حملہ آور ہو سکتے ہیں جہاں پر توپوں کا لیجانا نہایت دشوار تھا۔

دوسرے مجھے خیال تھا کہ اگر کافروں پر ایسے موسم میں حملہ کیا جائے گا جبکہ راستے کھلے ہوئے ہونگے تو وہ بھاگ کے روسی عملداری میں چلے جائیں گے اور پھر روسیوں کو مداخلت کرنے کا اچھا بہانا ہو جائیگا اور روسی مداخلت کر کے اُن کا ملک انہیں واپس دلا دیں گے اور اس تصفیہ کرنے کے صلہ میں خود بھی ملک کا بہت سا حصّہ ہضم کر لیں گے اور اس طرح سے میرے ملک کی شمالی حدود کا بہت بڑا حصّہ روسیوں کے قبضہ میں آجائے گا۔

تیسری وجہ یہ تھی کافر لوگ نہایت بہادر ہیں۔ اگر لڑائی موسم گرما میں کی جاتی تو ایک سخت آفت کا سامنا کرنا پڑتا اور طرفین سے ہزارہا جانوں کا نقصان ہوتا۔ اس لئے میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اُن پر ایسے موسم میں حملہ کیا جائے جب وہ جاڑے کی وجہ سے اپنے گھروں میں پناہ گزیں ہوں۔ جس سے ان کو زیادہ لڑنے کا موقع نہ ملے۔

چوتھی۔ عیسائی پادریوں کا یہ عام دستور ہے کہ جہاں کہیں بھی انہیں موقع ملتا ہے مداخلت کرنے سے نہیں چوکتے۔ اسی سبب سے مجھے خیال تھا کہ یہ لوگ کافرستان کی فتح میں خواہ مخواہ کی پریشانی پیدا کریں گے یہی وجہ تھی جو میں نے موسم سرما تجویز کیا کہ جس میں کوئی اطلاع باہر نہ جانے پائے اور کوئی باہر سے کافروں کے معاملہ میں دخل اندازی کر سکے۔ اس آخری وجہ یعنی پادریوں کی وجہ کی بابت

انگریزی اخبار میری شہادت دیں گے کہ میرا خیال نہیں تھا۔
اس طرح موسم کے مسئلہ کو ہر پہلو سے جانچکر میں نے جنگی تیاریاں شروع کیں کہ موسم بہار میں ایک بڑی تعداد سپاہیوں۔ سامان حرب اور رسد کی جمع کی۔ فوجوں کے دستے مختلف افسروں کی ماتحتی میں دیدیئے اور تمام فوج پر محمد علی خاں کو افسر مقرر کر دیا۔
یہ کالم پنجشیر سے کلم کی طرف روانہ کئے گئے اور ایک زبردست فوج براہ راست کافرستان کو پہنچ گئی تھی۔ ایک دوسری فوج کو جنرل غلام حیدر خاں کی ماتحتی میں اسمار اور چترال کی طرف روانہ کر دیا۔ تیسرے حصہ فوج کو جنرل قتل خاں کی ماتحتی میں بدخشاں سے روانگی کا حکم دیا گیا۔ اور تھوڑی سی فوج گورنر لغمان اور فیض محمد خاں کی ماتحتی میں لغمان سے روانہ کی گئی۔ ان چاروں دستہ فوج کو حکم دیدیا گیا کہ بالکل تیار اور حکم کے منتظر رہیں۔ چونکہ یہ چاروں موقعے جہاں پر فوج کی نقل و حرکت تجویز کی گئی تھی حدود افغانستان پر واقع تھے ہر وقت ان موقعوں پر فوج رہتی تھی اور اس وجہ سے اس جدید تیاری پر کسی کو یہ خیال پیدا نہ ہوا کہ اس نقل و حرکت کی کوئی خاص وجہ ہے۔
حملہ کے وقت تک کسی کو اس کی اطلاع نہ ہوئی کہ فوجوں کی روانگی کافرستان پر حملہ کی غرض سے ہی ۱۸۹۵ء کے موسم سرما میں ایک ہی دن میں نے چاروں کالموں کو کافرستان پر حملہ کرنے کی غرض سے کوچ کا حکم دیدیا۔ میرے اس حکم کی پوری پوری تعمیل ہوئی۔ اور صرف چالیس روز میں تمام کافرستان فتح کر لیا گیا اور فوج ۱۸۹۶ء کے موسم بہار میں کابل واپس چلی آئی جب عیسائی پادریوں نے اس فتح کی خبر سنی تو انہوں نے انگلینڈ میں بہت شور و غل مچایا کہ کافر لوگ عیسائی تھے۔ حالانکہ میں نے ان لوگوں میں سے ایک کو بھی عیسائی مذہب کا نہیں پایا۔ ان لوگوں کا مذہب جیسا میں کسی جگہ لکھ چکا ہوں ایک عجیب مذہب تھا وہ بتوں کو بھی پوجتے تھے اور اکثر اوہام و خیالات کے بھی پابند تھے۔
میں نے ان کافروں کو جو میری فوج سے بڑی بے جگری سے لڑے تھے اور قید ہو کے میرے پاس آئے گئے تھے کافرستان سے جلاوطن کر کے صوبہ لغمان میں جو کابل کے قریب ہے اور جہاں کی آب و ہوا کابل کی آب و ہوا سے اچھی ہے بھیج دیا تاکہ وہ ایسے مقام پر آباد ہو جائیں۔ میں نے کافروں کی تعلیم کے واسطے چند مدرسے جاری کر دیئے۔ مگر کافر لوگ بہت بہادر ہیں اس لئے قریب قریب تمام جوان آدمی فوج کے واسطے نہایت اچھے ہیں۔ کافرستان کی آبادی نہایت وسیع ہے جہاں مغرورین افغانی اور دوسرے

جنگجو افغانی آباد ہیں ۔ میں نے کافرستان کے فتح کرنے کے بعد اس کا ارادہ کرلیا کہ حدود کافرستان پر ایک مضبوط قلعہ بنا دیا جائے تاکہ آیندہ کسی قسم کا خطرہ باقی نہ رہے ۔

جس زمانہ میں کہ لوگ خود مختارانہ زندگی بسر کررہے تھے سرحدی حالت نہایت خطرناک اور غیر محفوظ تھی اس لئے روسی دستبرد سے نجات پانے کو قلعہ کی تیاری نہایت ضروری تھی ۔ چنانچہ قلعہ کلم کو (جو کافرستان کے قلب میں واقع ہے اور ملک کے بڑے حصہ ہونے کی وجہ سے نہایت اچھا مقام ہے) اپنی فوج کے رہنے کے واسطے تجویز کیا تاکہ اس فوج سے شمالی حدود کی بخوبی نگرانی ہوسکے یہاں سامان رسد اور حرب زیادہ رکھا جائے گا ۔

ناظرین اس بات کو پڑھ کے خوش ہوں گے کہ قلعہ کلم کے دروازہ پر مجھے ایک پتھر ملا جس پر ذیل کی عبارت کندہ تھی ۔

" مغلوں کی سلطنت کا سب سے زبردست بادشاہ تیمور سب سے پہلا مسلمان ہے جس نے اس ملک کو فتح کیا مگر کلم جو نہایت زبردست مقام ہے فتح نہ کرسکا ۔

میرے کمانڈنگ افسر کپتان محمد علی خاں نے اس پتھر پر یہ عبارت کندہ کرائی ۔

" امیر عبدالرحمن کے ہاتھوں ۱۸۹۶ء میں یہ ملک معہ مقام کلم فتح ہوا ۔ اور یہاں کے باشندوں نے دین اسلام قبول کرلیا ۔ اور قرآن کی یہ پیشین گوئی کہ " ایمانداری اور نیکی آنے والی ہے بے ایمانی اور دغابازی کا خاتمہ ہونے والا ہے " پوری ہوئی ۔

جس طرح ہزارا کی لڑائی میں میرے ملک کے سرداروں نے والنٹروں سے سلطنت کی خدمت کی تھی کافرستان کی لڑائی میں بھی میری مدد کی ۔ یہ آخری لڑائی تھی جو افغانستان میں میرے زمانہ حکومت میں ہوئی ۔

بارہواں باب

پناہ گزیں اور جلاوطن

دوسری بات جس کو میں نے اپنی حیات میں نہایت ضروری سمجھا اور جو بعد میرے ۔ میرے لڑکے کے دعوی تخت نشینی کی معاون ہوگی یہ تھی کہ جہاں تک مجھ سے ہوسکا میں نے افغانی ریاستوں کے

سرداروں اور اُن لوگوں کو جو ہندوستان یا روس سے جلاوطن کر دیئے گئے تھے اپنے دربار میں جمع کیا اُن لوگوں میں سے بہت سے میرے حکم سے میرے لڑکے کے پرسنل اسسٹنٹ ہیں اور ان کو اس طرز معاشرت نے میرے لڑکے کا نہایت خیر خواہ دوست بنا دیا۔ میرے لڑکے کو ان سپاہیوں سے نہ صرف ضرورت کے وقت مشورہ لینے کا فائدہ ہوگا بلکہ ان سرداروں کا بارسوخ ہونا آئندہ شاہی خاندان کے لئے ترقی کا زینہ سمجھا جائے گا۔ ناظرین سوانح عمری کے سمجھانے کی غرض سے ان سرداروں کو چار طبقہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

اول طبقہ میں وہ سردار ہیں جو افغانی سرحدات کے شمال و مغرب میں حکمرانی کرتے تھے۔ مگر انکی ریاستوں کو اوس نے ضبط کر لیا مجبوراً انہوں نے میرے دربار میں پناہ لی۔ اس طبقہ کے لوگوں میں میر سوار ... امیر کلاب اور اُس کا خاندان۔ محمود حکمران درواز اور اس کا خاندان۔ تاراہ اسمٰعیل سکنہ روشن جو بخارا کے بادشاہ کا لڑکا تھا علاوہ انکے چند اور آدمی بھی اس طبقہ میں شامل ہیں۔

دوسرے طبقہ میں۔ میر علی کا خاندان۔ میر جہاندار۔ میر حکیم کا خاندان اور اس کے رشتہ دار جن کے ملک میں نے اپنی شروع حکومت میں اپنی سلطنت کے ساتھ شامل کر لئے تھے۔

تیسرے طبقہ میں۔ وہ لوگ ہیں جو سلطنت برطانیہ سے لڑے یا جنہوں نے سلطنت برطانیہ کی دوستی سے انکار کیا۔ مثل عمرا خاں۔ میر مراد علی۔ اور چند دیگر سرحدی قبایل کے سردار۔

چوتھے طبقہ میں وہ لوگ ہیں جو یا تو افغانستان سے جلاوطن کر دیئے گئے تھے یا جنہوں نے ہنگامہ اور فساد کے وقت میرے خاندان کی معاونت کی تھی۔ اس طبقہ کے لوگوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(الف) وہ لوگ جو بذات خود علیحدہ پارٹی یا گروہ کے سردار تھے۔ مثلاً سردار نور علی خاں۔ شیر علی والئے قندہار کے لڑکے جنہوں نے ہندوستان کو چھوڑ کے میرا ساتھ اختیار کر لیا ہے۔ سردار محمد حسین خاں جو باغیوں سے لڑا (یہ شخص ہندوستان میں تھا مگر اب میرے ہمراہ ہے) سردار ابراہیم خاں ولد امیر شیر علی جو اب تک ہندوستان میں ہے (وہ میرا دوست ہے اور اُسے میں پنشن دیتا ہوں) سید احمد علی سکنہ گنار جو اس زمانہ میں میرے ساتھ ہے۔ سردار علی محمد خاں اور میرے چچا کے اور دوسرے لڑکے سردار ولی محمد خاں وغیرہ۔

(ب) اس حصہ میں وہ لوگ ہیں جو ایوب خان کے ساتھی یا مددگار تھے جس کے ساتھ میرے دشمنوں کا

بہت بڑا گروہ تھا۔ ان سب لوگوں کو نام بنام بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ لیکن البتہ صرف یہ بیان کر دینا کافی ہوگا کہ ان لوگوں میں سے بہت تھوڑے آدمی اس کے دوست رہے ورنہ اس سے منحرف ہو کے بہت آدمی میرے دربار میں چلے آئے اور اب میرے مددگار ہیں۔

(ج) وہ لوگ جو یعقوب خاں یا سردار ہاشم خاں کے ساتھی تھے۔ یہ لوگ بھی یعقوب خاں اور ہاشم خاں سے علیحدہ ہو ہو کے میرے پاس چلے آئے جنہوں نے یا تو میری ملازمت اختیار کرلی یا بلاملازمت خدمت کرنے کو موجود ہیں۔

(س) اس حصہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو بحالت جلاوطنی ہندوستان یا روسی ترکستان میں آباد تھے جن کی نہ کوئی جماعت تھی اور نہ وہ خود کسی جماعت میں شامل تھے۔ وہ یا تو افغانستان سے بھاگ گئے تھے یا کسی خاص وجہ سے ترک وطن اختیار کر لیا تھا۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جنکو میں نے خود انکی بدچلنی کی وجہ سے نکال دیا تھا۔ آخرالذکر گروہ میں سے بہت کم لوگ ہیں جنہوں نے اپنے وطن میں آنے کی درخواست کی اور میں نے اس کو نامنظور کیا۔

(د) پانچویں گروہ میں وہ آدمی ہیں جو ۱۸۸۸ء میں اسحاق کے ساتھ بھاگ گئے تھے۔ اسحاق خاں کا بھائی اب میری ملازمت میں موجود ہے۔ اس کے بقیہ ساتھیوں پر پوری توجہ کی جاتی ہے جو اپنے اپنے گھروں پر واپس کر دیئے جائیں گے اور میری صلح پسند رعایا ہو جائیں گے۔

ان طریقوں سے جو اوپر بیان کئے گئے میں نے اپنے لڑکے کے لئے کابل کی تخت نشینی میں کوئی جھگڑا باقی نہیں رکھا یہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی بڑا بہادر آدمی بھی کسی بڑی ہی بڑی سلطنت کی جانب سے افغانستان کے مقابلہ پر آیا تو وہ تن تنہا جبتک اُسکے پاس کافی فوج نہو کچھ نہیں کر سکتا۔ اسی لحاظ سے میں نے پناہ گزینوں کو اپنی عملداری میں آباد کرنے اور اُن پر عنایتیں کرنیکی حکمت عملی کو خوب سمجھ لیا ہے۔ کیونکہ جب درخت کی جڑ کاٹ ڈالی جائے وہ کھڑا نہیں رہ سکتا۔ اور جس مکان کی بنیادیں ہل گئیں وہ ضرور گر پڑے گا۔ میں امید کرتا ہوں کہ میرا لڑکا بھی اس حکمت عملی میں میری تقلید کریگا۔ اور ان تمام آدمیوں کو جو اسکی عملداری میں پناہ لینا چاہیں پناہ دیتا رہیگا۔ کیونکہ ایسے آدمی ہمیشہ کام آتے ہیں۔

پہلی جلد تمام ہوئی